[illegible]

[illegible]

[illegible]

معرفت الٰہیہ

یعنی

خدا کی پہچان

از افادات

حضرت مولانا شاہ [illegible] صاحب [illegible]

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب

تھانوی قدس سرہ

ناشر

ناظم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

[illegible]

اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا

رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔

گرتو اورا می نہ بینی در نظر ٭ فہم کُن اما باظہار اثر

(روم)

معرفتِ الٰہیّہ

یعنی

خدا کی پہچان

از افادات

حضرت مولانا علامہ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری دامت فیوضہم

از اکابر خلفا حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

ناشر

ناظم خانقاہ اشرفیہ

ب بلاک جی ناظم آباد ۱۰ کراچی ۱۸ (پاکستان)

اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا

رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔

گر تو او را می نہ بینی در نظر ٭ فہم کن اما باظہار اثر

(رومی)

معرفتِ الٰہیہ

یعنی

خدا کی پہچان

از افادات

حضرت مولانا علامہ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری دامت فیوضہم

از اکابر خلفا حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

ناشر

ناظم خانقاہ اشرفیہ

سب بلاک جی ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸ (پاکستان)

معرفتِ الٰہیہ

از افادات حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری دامت فیوضہم از اکابر
خلفاء حضرت مجدد الملۃ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

طبع اوّل ـــــ تعداد ـــــ دو ہزار
مطبوعہ مشہور آفسٹ لیتھو پریس کراچی
محرم ۱۳۸۱ھ
قیمت ـــــ چھ روپیہ

ـــ ناشر ـــ

ناظم خانقاہ اشرفیہ ۱۲ سب بلاک جی
ناظم آباد ۴ کراچی ۱۸ پاکستان

مندرجہ ذیل پتہ پر بھی ملسکتی ہیں

۱- کتب خانہ دار الاشاعت مقابل مولوی مسافرخانہ بندر روڈ- کراچی ۱
۲- مکتبہ تھانوی ماہنامہ الابقاء مولوی مسافرخانہ بندر روڈ- کراچی ۱
۳- ادارۂ اسلامیات انار کلی ۱۹۰ لاہور
۴- کتب خانہ امدادیہ چوک بازار ڈھاکہ
۵- مولوی عبد السلام صاحب مدیر ماہنامہ "نعمت" ڈھاکہ مشرقی پاکستان
۶- مولانا مفتی عبد اللہ صاحب کتب خانہ صدیقیہ ملتان

فہرست مضامین معرفتِ الٰہیہ

فہرست مضامین معرفتِ الٰہیہ حصہ اول

فہرست معرفتِ الٰہیہ حصہ دوم

ترجمۃ المصنفؒ

از حکیم محمد اختر یکے از خدام خانقاہ اشرفیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری دامت برکاتہم

کے

مختصر حالات

ولادت باسعادت سن ولادت حضرت والا کا ۱۲۹۳ ہجری ہے۔ اپنے پیر و مرشد حضرت والا حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ سے عمر میں تیرہ ۱۳ سال چھوٹے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ عبد الوہاب تھا اور دادا مرحوم کا نام شیخ امانت اللہ تھا۔ آپ ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں مسمی بہ چھاؤں کے رہنے والے ہیں لیکن آپ کی عمر کا بیشتر حصہ چونکہ قصبہ پھولپور میں گزرا ہے اس لئے آپ پھولپوری مشہور ہیں۔ پھولپور چھاؤں سے گیارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔

علوم اور فنون کی تحصیل اور تکمیل بچپن میں گاؤں سے قریب موضع کھمیر پور کے پرائمری اسکول میں اُردو پڑھنے کیلئے دو تین دن جاتے ہوئے گزرے تھے کہ اسی زمانے میں آپ کے دادا صاحب مرحوم نے آپکی والدہ ماجدہ کو خواب میں ہدایت کی کہ عبد الوہاب سے (یعنی حضرت والا کے والد مرحوم) سے کہدو کہ اس بچے کو علم دین کی تعلیم دلوائیں۔ اس خواب کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کے دادا مرحوم نے یہ فرمایا کہ مٹی کا ایک چنا ہے اور لوہے کا ایک چنا ہے مٹی کا چنا ٹوٹ جاتا ہے اور لوہے کا چنا نہیں ٹوٹتا ہے پس اس مثال سے سمجھ لو کہ دُنیا مٹی کا چنا ہے اور دین لوہے کا چنا ہے۔ پس اس بچے کو علم دین سکھاؤ۔ آپ کے دادا صاحب مرحوم صاحب نسبت بزرگ تھے۔ آپ کے والد صاحب نے فرمایا کہ میں نے والد صاحب کو تین سانس سے زیادہ سوتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا ہر تین سانس کے بعد اللہ اللہ کا ذکر زبان سے جاری ہو جاتا تھا۔ حضرت والا کے والد صاحب مولانا عبد السبحان صاحب رح

سے بیعت تھے اور مولانا عبدالسبحان صاحب کا سلسلہ چار واسطے کے بعد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ سے مل جاتا ہے۔ اور حضرت والا کی والدہ ماجدہ حضرت مولانا عبدالسبحان صاحبؒ کے خلیفہ حافظ مولوی محمد صاحب سے بیعت تھیں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ ہماری والدہ ماجدہ نماز تہجد کے بعد ۱۲ ہزار ذکر کرتی تھیں پھر بعد نماز فجر تلاوت اور نماز اشراق وغیرہ سے فارغ ہو کر تب گھر کے کام میں مشغول ہوتی تھیں۔

حضرت والا اس وقت اٹھاسی سال میں ہیں لیکن اس عمر میں بھی اکثر اپنے ماں باپ کی محبت اور شفقت کو یاد کر کے اشکبار ہو جاتے ہیں۔

حضرت والا کے دادا صاحب صاحب کرامت بزرگ تھے ایک بار کا قصہ ہے کہ حضرت کے والد صاحب کو کھیت میں آبپاشی کی ضرورت تھی گاؤں والوں نے ان کے ساتھ بے مروّتی کا معاملہ کیا والد صاحب نے دادا صاحب سے ذکر کیا کہ لوگ پانی لینے کے لئے ہماری باری سے انکار کرتے ہیں اور اتنا کہہ کر رو دیئے دادا صاحب کا دل بیٹے کی اس کیفیت سے بہت متاثر ہوا اور سیدھے مسجد تشریف لے گئے اور دعا شروع کی اور غلبۂ حال سے چیخ نکل گئی چیخ کا نکلنا تھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا آسمان پر نمودار ہوا اور اس سے پہلے آسمان بالکل صاف تھا پھر چند منٹ میں خوب تیز بارش ہو گئی اور والد صاحب کا کام بن گیا۔

آپ کے دادا مرحوم کی خواب میں اس ہدایت کے بعد آپ کے والد صاحب مرحوم نے آپ کو عربی تعلیم کے لئے جون پور مولانا مکّی صاحبؒ کی خدمت میں بھیجدیا مولانا ابوالخیر محمد مکّیؒ حضرت مولانا سخاوت علی صاحبؒ کے بیٹے تھے جو حضرت مجدد سید احمد صاحب شہیدؒ کے خلیفہ تھے مولانا مکّی صاحبؒ سے شرح جامی اور شرح تہذیب تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد تقریباً دو سال کیلئے مولانا سید امین صاحب نصیر آبادی کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد جامع العلوم کانپور میں مشکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل فرمائی۔ اسی اثناء تعلیم میں قطبی کا امتحان ایک بار حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے لیا تھا اور حضرت والا اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئے۔ اسی زمانے سے حضرت والا کے قلب میں حضرت شیخ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت و عقیدت کا بیج جم گیا۔ اور ارادہ فرمالیا کہ بعد فراغت تعلیم حضرت حکیم الامت تھانویؒ ہی سے بیعت ہوں گا۔ حضرت

والا کو چونکہ معقولات کا شوق زیادہ تھا اور اس وقت میں مدرسہ عالیہ رام پور منطق اور فلسفہ کا مشہور اور مخصوص مرکز تھا۔ اس لئے معقولات کی تکمیل کے لئے رامپور تشریف لیگئے وہاں مولانا فضل حق صاحبؒ منطق و فلسفہ کے ایسے بہترین استاد موجود تھے جن کی خدمت میں بخارا۔ ترک۔ غزنی ہرات۔ کابل۔ قندھار۔ سمرقند وغیرہ کے طلباء بھی مولانا کا شہرہ سنکر آتے تھے اور اُن میں اکثر تمام درسیات سے فارغ ہوکر محض تکمیل معقولات کی غرض سے شریک درس ہوتے تھے۔ مولانا فضل حق صاحبؒ مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی اور مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت والا تکمیل معقولات کے زمانے میں نیچے کے طلباء کو ہدایہ، میرزاہد، ملاحسن وغیرہ بھی پڑھاتے تھے۔ اسی مدرسہ عالیہ میں مولانا قاری علی حسین خاں صاحبؒ حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رح کے شاگرد رشید موجود تھے جن سے حضرت والا نے مسلم شریف اور کچھ فن تجوید کی تحصیل فرمائی۔ چونکہ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رح حضرت شاہ اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے اسلئے حضرت والا اور حضرت شاہ اسحاق صاحب محدث دہلوی رح کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔

مدرسہ عالیہ سے درس نظامی کی سند حاصل کرنے کے بعد حضرت والا مدظلہ حدیث پڑھنے کیلئے مولانا ماجد علی صاحبؒ کی خدمت میں گلاؤٹی تشریف لیگئے مولانا ماجد علی صاحبؒ جونپوری اپنے وقت کے زبردست معقولی تھے اور مولانا عبدالحق صاحبؒ خیرآبادی اور مولانا احمد حسین صاحب کانپوری رح کے شاگرد تھے اور حدیث میں حضرت مولانا محدث گنگوہیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اور مولانا یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کے ساتھ دو سال میں دورہ حدیث کی تکمیل کی تھی اور حضرت گنگوہی رح کی ساری تقریریں رات کو لکھتے تھے حتیٰ کہ بعض راتوں میں تقریر لکھتے لکھتے فجر کی اذان ہوجاتی تھی۔

درس اور تدریس مولانا ماجد علی صاحبؒ سے تکمیل درس حدیث کے بعد پھر حضرت والا مولانا فضل حق صاحبؒ کی خدمت میں اوپر کی کتابوں کی سماعت کی غرض سے دو سال شریک درس رہے ایک روز مولانا فضل حق صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی اب جاؤ کہیں پڑھاؤ کب تک یہیں رہوگے اب ہمارے اور تمہارے علم میں اعم اخص من وجہ ہی کا تو فرق ہے اسی زمانے میں

سیتاپور سے مولوی عبدالقادر صاحب پنشنر ڈپٹی کلکٹر والد ماجد جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا خط مولانا کے پاس ایک مدرس اول کی ضرورت کے لئے آیا اور مولانا نے حضرت والا کو سیتاپور بھیجدیا۔ اس مدرسہ کا نام مدرسہ اسلامیہ عربیہ تھا۔ چند ماہ پڑھانے کے بعد ایکبار وہاں کے لوگوں نے حضرت والا سے کہا کہ آپ بھی تیجہ اور چالیسواں وغیرہ رسوم جاہلیت میں شریک ہوکریں اتنا سننا تھا کہ حضرت والا نے ڈانٹ کر فرمایا کہ ان کاموں کے لئے کسی مُلا روحی بدعتی کو بلاؤ میں یہاں دین بیچنے نہیں آیا ہوں اور حضرت والا نے استعفا داخل فرما دیا۔ اس کے بعد مولانا ابوبکر صاحب مرحوم جو حضرت مولانا مکی صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے تھے انھوں نے جون پور اپنے مدرسہ میں حضرت والا کو درس تدریس کے لئے بُلالیا حضرت والا اس مدرسہ میں تقریباً پانچ سال تک بحیثیت صدر مدرس درس دیتے رہے۔ حضرت والا کے قویٰ چونکہ جوانی میں بہت عمدہ تھے اس لئے صبح تا شام بخاری، ترمذی دیگر صحاح کے علاوہ معقول و منقول کو ملاکر سولہ اسباق پڑھاتے تھے اور ایک بجے رات تک مطالعہ دیکھا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ بھی جون پور میں مدرس تھے۔

روحانی ولادت یعنی بیعت و ارادت

جون پور میں درس و تدریس ہی کے زمانے میں حضرت پھولپوری مدظلہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کے ہمراہ سرائے میر ضلع اعظم گڑھ تشریف لائے قصبہ سرائے میر عیدگاہ میں حضرت تھانویؒ کا وعظ ہوا اور عیدگاہ ہی میں محراب کے اندر ۲۸ھ میں حضرت والا پھولپوری حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے بیعت ہوئے۔

بیعت کے وقت حضرت والا کا عجیب امتحان ہوا وہ یہ کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے بیعت کے وقت ارشاد فرمایا کہ کہئے کہ بیعت ہوتا ہوں اشرف علی کے ہاتھ پر اس وقت حضرت والا نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نام مبارک کے ساتھ خوب القاب و آداب کے الفاظ لگاکر وہ جملہ دُہرایا اس وقت خطرہ عظیم یہ تھا کہ غفلت سے ویسے ہی نام بدون القاب منہ سے نکل جاتا۔ لیکن حق تعالیٰ نے حضرت والا کو اپنے فضل خاص سے سنبھال لیا۔

حضرت والا کا درس و تدریس کے ساتھ ساڑھے نو ہزار ذکر اسم پاک کا معمول تھا اور اس درجہ التزام و دوام تھا کہ ایکبار ران میں سخت قسم کا تکلیف دہ پھوڑا نکل آیا اور بیٹھا نہ جاتا تھا تو اس

بیماری کی حالت میں بھی حضرت والا جامع مسجد جون پور میں لیٹ کر کے اپنا معمول پورا فرمالیا کرتے تھے۔ ایک عرصے کے بعد حضرت والا سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اب ۱۲ تسبیح کا ورد شروع کردو اور اس کا عملی طریقہ خود کر کے بتایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ اللہ کی تعلیم آپکو اس طریقے سے دیتا ہوں کہ ایک ضرب اللہ کی لطیفۂ روح پر دوسری ضرب اللہ کی لطیفۂ قلب پر واقع ہو۔ اور اس خاص دو ضربی طریقے کی تعلیم آپ ہی سے شروع کرتا ہوں۔ اس سے پہلے صرف لطیفۂ قلب پر دو ضربی کی تعلیم دیتا تھا۔ حضرت والا یکم ربیع الاول یوم دوشنبہ ۱۳۴۰ھ بعد نماز فجر بیعت ہوئے تھے اور اتفاق سے ۱۳۴۲ھ یکم ماہ ربیع الاول یوم دوشنبہ کو اجازت بیعت سے مشرف ہوئے۔

قیام مدرسہ روضۃ العلوم | ۱۳۴۳ھ میں حضرت والا نے پھولپور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے سے مدرسہ روضۃ العلوم قائم فرمایا جس کی بنیاد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک سے ڈالی اور ارشاد فرمایا کہ اس مدرسہ کا نام پھولپور کی مناسبت سے روضۃ العلوم رکھتا ہوں اس مدرسہ کا جس جگہ کنواں ہے خواب میں اسی جگہ پہلے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ حضرت کھڑے ہیں بس حضرت والا نے حکم فرمایا کہ اسی جگہ کنواں کھودا جائے اس کنوئیں کا پانی عجیب شیریں اور ٹھنڈا ہے۔

قیام مدرسہ بیت العلوم | ۱۳۴۹ھ میں حضرت والا نے قصبۂ سرائے میر میں متصل عیدگاہ ایک مدرسہ بیت العلوم بھی قایم فرمایا جس میں پورا درس نظامیہ پڑھایا جاتا ہے اس مدرسہ کی سرپرستی حضرت والا تھانوی رح نے قبول فرمائی تھی اور اس کا نام بیت العلوم رکھا اور ارشاد فرمایا کہ سرائے کی مناسبت سے اس کا نام بیت العلوم یا دار العلوم رکھنا چاہتا ہوں لیکن بیت العلوم میں چونکہ انکسار زیادہ ہے اس لئے اس کا نام بیت العلوم رکھتا ہوں" ہر کجا پستی است آب آنجا رود" اللہ تعالیٰ اس کو دار العلوم بنا دیں۔ اس مدرسہ کے متعلق حضرت والا کے نام حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کا جو والا نامہ صادر ہوا تھا اس کی نقل یہ ہے اور اصل مکتوب گرامی مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں موجود ہے۔

نقل مکتوب حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رح بنام حضرت والا پھولپوری دامت برکاتہم

مشفقی ومخلصی مولانا شاہ عبد الغنی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے ضرورت کو محسوس

کر کے ایسا مدرسہ قایم کیا میں ایسے مدرسے کی سخت ضرورت سمجھتا ہوں اور اس کے قایم ہونے سے بہت مسرور ہوں اور اس کے استحکام اور ناصر دین حق ہونے کی دُعاء کرتا ہوں اور اسکی اعانت کو واجب سمجھتا ہوں اور اعانت کی تحریک کو دلالت علی الخیر سمجھتا ہوں اور معینین و محرکین کے لئے بھی دُعاء کرتا ہوں مگر چونکہ میں کل سفیروں کو جانتا نہیں ہوں نیز وہ ممکن ہے کہ بدلتے بھی رہیں۔ انکی تصدیق کا یہ انتظام کافی سمجھتا ہوں کہ جس سفیر کے پاس آپ کا دستخطی اعلان ہو اس کو میرا بھی معتمد سمجھا جائے اور اس سے باضابطہ رسید لیکر عطیہ مدرسہ بیت العلوم کے لئے دیدیا جائے۔ واللہ الموفق والسلام

(مولانا) اشرف علی تھانوی عفی عنہ۔ ۵ رشعبان ۱۳۵۲ھ

مدرسہ بیت العلوم کے اہتمام اور انتظام کے لئے حضرت والا قصبہ سرائے میر اکثر تشریف لے جاتے تھے جو پھولپور سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر ہے کبھی اگر پورا دن وہاں ٹھہرنا ہوتا تو گھر سے آٹا نمک گھی لے جاتے اور کچھ بازار سے خرید کر علیحدہ پکوا لیتے اور تناول فرماتے اس امر پر اطرافِ اعظم گڑھ شاہد ہیں کہ حضرت والا نے مدرسے سے کبھی نمک تک نہیں چکھا اور نہ کبھی مدرسے سے اہتمام کی تنخواہ لی ہے۔ بدونِ معاوضہ محض رضائے حق کے لئے صبح پھولپور سے یکہ پر تلاوت کرتے ہوئے پانچ میل تشریف لے جاتے اور شام کو تلاوت کرتے ہوئے گھر واپس تشریف لے آتے۔

خلافت کے متعلق چند غیبی بشارتیں حضرت والا کو خلافت یعنی اجازت بیعت عطا ہونے سے قبل چند غیبی بشارتیں ہوئی ہیں جو درج ذیل ہیں:-

(۱) اجازت سے قبل حضرت والا نے حضرت شاہ فتح قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ قبر سے باہر بادامی رنگ کا کاغذ لئے ہوئے بیٹھے ہیں جب حضرت والا حاضر ہوئے تو حضرت والا کے ہاتھ میں حضرت شاہ فتح قلندرؒ نے اس کاغذ کو دیدیا اس خواب کے چند ہی دن بعد حضرت والا تھانویؒ کی طرف سے اسی طرح بادامی رنگ کے کاغذ پر اجازت نامہ موصول ہوا۔ حضرت والا نے جب حضرت تھانوی قدس سرہٗ العزیز سے اپنا یہ خواب بیان کیا تو ارشاد فرمایا کہ آپ کو مذاق قلندری سے مناسبت ہے پھر اس کی تشریح فرمائی کہ مذاق

قلندری ایک خاص رنگ نسبت کا نام ہے جس کی شان یہ ہوتی ہے کہ جس کے قلب میں یہ نسبت عطا ہوتی ہے اسکو تکثیر نوافل سے زیادہ دوام ذکر اور استحضار حق کا ہر وقت اہتمام رہتا ہے یعنی اپنے باطن کو ایک لمحہ بھی حق تعالیٰ سے غافل نہیں ہونے دیتے۔

(۲) اجازت ملنے سے کچھ ہی دن پہلے حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رح کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ عبدالغنی کو خوب نہلا دھلا دو اور حضرت والا نے خواب ہی میں دیکھا کہ مجھے کچھ لوگ خوب مل مل کر نہلا رہے ہیں اس خواب کے بعد حضرت والا کو اجازت عطا ہوئی

(۳) اجازت سے قبل ایک بار حضرت والا نے ایک خاص تاثر اور کیفیت کے ساتھ اپنے پیرومرشد حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ اب یوں جی چاہتا ہے کہ دن کو گھاس کھود کر فروخت کر کے اسی روزی سے اپنی زندگی گزاروں اور باقی اوقات حق تعالیٰ کی یاد میں صرف کروں اور خلق سے بالکل یکسو رہوں تو حضرت مولانا تھانوی رح نے فرمایا کہ نہیں جی! آپ انشاء اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کی گھاس نکالیں گے۔

(۴) اجازت سے قبل ایک بار حضرت والا نے خواب دیکھا کہ تھانہ بھون خانقاہ شریف کی مسجد میں ایک تخت ہے اور اس پر سفید چادر بچھی ہے حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ العزیز تخت پر بیٹھے ہیں اور حضرت والا کو حکم فرمایا کہ آپ بھی تخت پر بیٹھ جائیے ایک عالم صاحب بھی تخت کے پاس کھڑے تھے ان سے مخاطب ہو کر حضرت تھانوی رح نے فرمایا کہ یہ (یعنی حضرت والا پھولپوری) بیٹھے ہیں نہ؟ حضرت والا نے اس خواب کی اطلاع حضرت والا تھانوی رح کو اُس وقت دی جب کہ حضرت والا پھولپوری مجاز بیعت ہو چکے ۔ چنانچہ اس کی تعبیر میں حضرت تھانوی رح نے ارشاد فرمایا کہ تعبیر اس خواب کی ہو چکی یعنی آپ کو اجازت مل گئی۔

حضرت والا کی سادگی | حضرت والا پھولپوری کی سادگی کے متعلق خود حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطبوعہ ملفوظ یہاں پر نقل کرتا ہوں۔

نقل ملفوظ مطبوعہ ملفوظات حسن العزیز صفحہ ۸۳

فرمایا (یعنی حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رح) مولوی عبدالغنی صاحب ماشاء اللہ سپاہی آدمی ہیں بڑے مستعد ہیں پہلوان آدمی ہیں پھر علمی و عملی کمال جدا مگر وضع سے مطلق نہیں معلوم

ہوتا کہ یہ کچھ بھی ہیں یہ ذکر کا اثر ہے ذکر عجیب چیز ہے سب اصلاحیں اس سے ہوجاتی ہیں مولوی عبدالغنی کس قدر سادے ہیں کہ یہی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ پڑھے لکھے بھی ہیں ذکر بناوٹ کو تو بالکل اڑا ہی دیتا ہے۔ مولوی عیسیٰ صاحب بہت خوش پوشاک ہیں کہنے بھی لگے تزیین میں کیا حرج ہے یہ تو جمال ہے اور حدیث میں ہے اللہ جمیلٌ ویُحبُّ الجمال میں سنتا رہا بعد میں میں نے کہا۔ مولوی صاحب یہ سب اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت منکشف نہیں ہوتی اور جب حقیقت منکشف ہوجاوے گی تو اللہ جمیل ویحب الجمال سے استدلال رکھا رہ جاویگا صحیح مفہوم اس کا سمجھ میں آجائے گا۔ چنانچہ وہ تھانہ بھون میں رہے اب ان کی حالت دیکھئے اچکن گھڑی اور سب بھول گئے غریبوں کی سی وضع ہوگئی۔

حضرت والا کا شوقِ جہاد حضرت والا کو اوائل عمر سے راہِ خدا میں جان قربان کرنے کا جذبہ ہر وقت بے چین رکھتا تھا اسی کیفیت کے تحت حضرت والا نے ایک مشہور اُستاد ذاکر حسین مرحوم غازی پوری کو اپنے مدرسہ بھولپور میں ایک معتدبہ مشاہرہ پر دس برس رکھا اور ان سے فنِ سپہ گری یعنی لاٹھی، تلوار، تیزہ اور ظفر پیکر وغیرہ کے فنون کی تکمیل کی۔ چونکہ رامپور پڑھنے کے زمانے میں حضرت والا کو پہلوانی کا بھی شوق تھا اور اس غرض سے حکیم عبدالمجید خاں دہلوی مرحوم کے اُستاد تفضل حسین خاں سے کشتی بھی سیکھتے تھے اس لئے قوتِ جسمانی بھی نہایت قوی تھی اور لاٹھی اس قدر قوت سے مارتے تھے کہ بڑے بڑے طاقت وروں کے قدم ہل جاتے تھے۔ حضرت والا کو فن سپہ گری سے اس درجہ شوق تھا کہ رمضان شریف میں روزہ رکھے ہوئے ۸ بجے دن تک اور بعد تراویح بھی لاٹھی کی مشق فرماتے تھے۔ تھانہ بھون میں بھی اپنے پیر و مرشد کے حکم سے بعض اہلِ علم کو لاٹھی سکھاتے تھے۔ ایک بار حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے حضرت والا کی فن سپہ گری دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ جب آپ لاٹھی کے ہاتھ دکھا رہے تھے تو مجھے جوش آرہا تھا۔ حضرت والا حکیم الامت تھانویؒ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ ہمارے مولوی عبدالغنی صاحب ہزار آدمیوں کے مقابلے کے لئے تنہا کافی ہیں اور فرمایا کہ اگر ہم کو کبھی فوج کی ضرورت پڑے گی تو ہماری فوج اعظم گڑھ میں ہے۔

حضرت والا کے مزاج میں دین کے خلاف امور کو دیکھ کر سخت تغیر ہوتا ہے اور

جوشِ غضب میں مخالفینِ دین کی ہمیشہ بے لاگ بیخ کنی فرماتے رہے۔ ایک بار ایک مولوی صاحب نے جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رح کے مجازِ صحبت بھی تھے حضرت والا تھانوی رح سے عرض کیا کہ حضرت! مولانا عبد الغنی صاحب میں غصہ بہت ہے تو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رح نے حضرت والا پھولپوری سے فرمایا کہ آپ کی یہ مولوی فلاں صاحب شکایت کر رہے تھے تو میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ اپنے آدمیوں میں ایک گرم آدمی کی بھی ضرورت ہے ورنہ دشمن کھا جاویں گے۔

حضرت والا پھولپوری احقر سے ہمیشہ فرماتے رہے کہ اگر کہیں جہاد شروع ہوا تو میں فوراً شریک ہو جاؤں گا اور بار ارشاد فرمایا کہ میں نے جوانی کے وقت سے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی درخواست پیش کر دی ہے کہ ہمیں شہید کر کے دنیا سے اُٹھایئے گا اور اس بات کو جب جب حضرت والا نے احقر سے نقل فرمایا ہے اس وقت حضرت والا کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے ہیں اور اکثر حضرت مولانا امیر علی شاہ شہید رح کا یہ مصرعہ جوش میں ذکر پڑھا کرتے ہیں:- "سر میداں کفن بر دوش دارم" اور فرمایا کہ جب یہ مصرعہ اجودھیا کی جنگ میں حضرت مولانا امیر علی شاہ رح پڑھتے تھے تو آسمان سے آواز آتی تھی

"بیا مظلوم اکنوں در کنارم"

حضرت والا کا لباس | حضرت والا کو ستر برس کے بعد اٹھاسی برس تک ہمیشہ کرتہ اور تہبند میں دیکھا ہے کسی سال دو ایک روز کے لئے شاید پائجامہ بھی پہنا ہو اور اکثر حضرت والا کے پاس ایک ہی کرتہ رہا ہے جس کو حضرت والا کے بعض خدام دھو دھو کر پہناتے رہے ہیں۔ حضرت والا کو یوں تو حق تعالیٰ کے فضل سے ہر طرح کی فراغت ہے لیکن ہمیشہ صرف ایک چارپائی اور اس پر بستر اور سرہانے ایک لنگی اور تسبیح کے علاوہ کوئی سامان آپ کے پاس نہیں دیکھا گیا نہ کوئی صندوق دیکھا گیا نہ کوئی اور سامان دیکھا گیا۔ ہفتہ کے دن قینچی اور آئینہ احقر سے طلب فرما کر خود ہی حجامت درست فرما لیتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ حجام کے لباس کی بو سے مجھے تکلیف ہوتی ہے لیکن یہ ہندوستان کے دیہاتی حجاموں کے متعلق بات ہے۔ حضرت والا نے کبھی دھوبی کے یہاں کا دھویا ہوا کپڑا استعمال نہیں فرمایا ہمیشہ گھر

میں خاص اہتمام سے کپڑے دُھلواتے ہیں اگر ضرورۃً کبھی دھوبی کے یہاں کپڑا دھونے کے لئے دیا گیا تو بعد میں اس کو پھر گھر میں دُھلوا کر تب استعمال فرمایا ہے۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں اس عمل پر فتویٰ نہیں دیتا ہوں حق تعالیٰ سے میرا خاص معاملہ یہ ہے کہ میں اگر اس کے خلاف کرتا ہوں تو میری زبان ذکر میں بند ہو جاتی ہے اس لئے میں اپنے نفس کے لئے یہ اہتمام کرتا ہوں۔

حضرت والا کے کرتے کے بٹن ہمیشہ کھلے ہوئے دیکھے ہیں۔ اور اس کا مسنون ہونا ثابت ہے۔

حضرت والا کی عبادت

حضرت والا کو چونکہ حق تعالیٰ نے جوانی میں قوت اور صحت بہت عمدہ عطا فرمائی تھی اس لئے حضرت والا کے معمولات بھی بہت زائد رہتے تھے۔ تہجد کے بعد ۱۲ تسبیح پھر بعد فجر اکثر ۹ بجے دن تک پھولپور کی مسجد میں ایک نشست معمولات میں مشغول رہتے تھے اور گاہ گاہ ۱۱ بجے دن تک مشغول دیکھا یوں تو ظہر کے وضو سے عشاء کی نماز ہمیشہ پڑھنے کا معمول تھا لیکن ایک بار حیرت انگیز بات دیکھنے میں آئی وہ یہ کہ تہجد کے وضوء سے عشاء کی نماز پڑھی اکثر ظہر اور عصر تک بھی تلاوت میں مشغول دیکھتا اور عصر کے بعد اگر کوئی طالب یا مہمان موجود ہوتا تو اس کو کچھ تعلیم ارشاد فرماتے ورنہ عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشا تک تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔

ظہر تا عصر یا عصر تا مغرب یا مغرب تا عشاء اگر کوئی طالب یا مہمان موجود ہوتا تو افاضۂ دینیہ میں مشغول ہو جاتے ورنہ اپنے معمولات ہی میں مشغول رہتے۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ ستر برس تک مجھے بڑھاپا محسوس نہیں ہوا۔

تعلیم اور مجلس کا خاص انداز

حضرت والا جب بھی کوئی دین کی بات ارشاد فرماتے ہیں تو حضرت والا کے لب و لہجے سے ایک خاص دین کا درد اور دین کی حلاوت ٹپکتی ہے اور اکثر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ جن حضرات کو ایک بار بھی حاضری کا موقع نصیب ہوا ہے اُن کا قلب اس کیفیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا ہے۔

ایک بار دار العلوم لانڈھی میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب حضرت والا سے فرمانے لگے کہ حضرت وہی قرآن اور حدیث ہم لوگ بیان کرتے ہیں لیکن وہی جب آپ بیان فرماتے ہیں تو زمین اور آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ تو ان کا کمال انکسار ہے البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حضرت والا جو کچھ فرماتے ہیں درد اور محبت کی زبان سے فرماتے ہیں۔

تلاوت کا خاص انداز حضرت والا کی تلاوت کا ایک خاص انداز دیکھا وہ یہ کہ تقریباً ۹ یا ۱۰ آیتوں کی تلاوت کے بعد زور سے آہ فرماتے ہیں یا اللہ فرماتے ہیں۔ اور اس وقت ایسی کیفیت اس آہ اور اللہ میں موجود ہوتی ہے کہ سننے والے کا دل حرکت میں آجاتا ہے۔

حضرت والا کا ذوقِ شعر و سخن یوں تو حضرت والا کا رنگ نسبت بالکل چشتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت والا کو مثنوی شریف سے بے حد شغف ہے اور اکثر راتوں میں عجیب دردناک لحن سے کوئی نہ کوئی شعر مولانا روم رح کا یا حافظ شیرازی رح کا یا خواجہ صاحب رح یا کسی اور کا حسب رنگ کیفیت بار بار پڑھتے رہتے ہیں ایک بار تلاوت کرتے کرتے:۔ " آجا میری آنکھوں میں سما جا میرے دل میں"

عجیب لحن دردناک سے پڑھنے لگے۔ اسی طرح کبھی ؎

عشق من پیدا و معشوقم نہاں	یار بیرونِ فتنہ او در جہاں

پڑھتے ہوئے سُنا ہے کبھی دُعا میں ؎

کیا نظر مجھ پر نہ ڈالی جائے گی	کیا مری فریاد خالی جائے گی

پڑھتے ہوئے سُنا ہے۔

کبھی تنہائی میں یہ شعر پڑھتے ہوئے سُنا ہے ؎

یس من مور لبد گے تو ہین	سمرن تو ر لبر گے مو ہین

کبھی کسی خاص کیفیت کے تحت یہ شعر پڑھتے سُنا ہے ؎

من چہ گویم یک رگم ہوشیار نیست — شرح آں یارے کہ او را یار نیست

اور کبھی جوشِ محبت میں یہ شعر پڑھتے سُنا ؎

کہاں تک ضبطِ بے تابی کہاں تک پاسِ بدنامی — کلیجہ تھام لو یارو کہ ہم فریاد کرتے ہیں

کبھی عجیب درد سے یہ شعر پڑھتے سُنا ہے ؎

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لَو شمعِ محفل کی — پتنگوں کے عوض اُڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

کبھی یہ شعر پڑھتے سُنا ؎

کس طرح فریاد کرتے ہیں ہمیں بھی دو بتا — اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

کبھی یہ شعر بھی پڑھتے ہوئے سُنا ؎

کوئی نہیں جو یار کی لا دے خبر مجھے — اے سیلِ اشک تو ہی بہا دے اُدھر مجھے

اور ایک خاص وارفتگی کے عالم میں والہانہ انداز سے کبھی یہ شعر بھی سُنا ؎

بس ایک بجلی سی پہلے کوندی پھر اس کے آگے خبر نہیں ہے — مگر جو پہلو کو دیکھتا ہوں تو دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

کبھی یہ شعر عجیب اندازِ محبت سے پڑھتے سنا ؎

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے — سرِ زاہد نہیں یہ سر سرِ سودائی ہے

کبھی اپنے مرشد حضرت تھانوی رحؒ کی شان میں یہ شعر پڑھتے سنا ؎

ناز ہے گُل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
تو نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

حضرت والا نے اپنی پوری اٹھاسی ۸۸ سالہ زندگی میں دو ۲ شعر خود بھی کہے ہیں:- پہلا شعر

ہمیں نقشِ قدم اشرف علی ملحوظ رکھنا ہے — جو کچھ فرما گئے ہیں وہ اُسے محفوظ رکھنا ہے

مصرعِ اولیٰ میں نقشِ قدم کا لفظ عملی حیثیت کی حفاظت پر دلالت کرتا ہے اور مصرعِ ثانیہ میں علمی حیثیت کی حفاظت کی تعلیم ہے۔

دوسرا شعر

ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے ایک بار حضرت والا نے خواب میں دیکھا کہ ایک دریا ہے اور اس میں ایک کشتی چل رہی ہے جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور پیچھے کچھ فاصلے سے دوسری کشتی پر حضرت والا بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عبد الغنی کی کشتی کو میری کشتی سے ملا دو۔ پھر اس

حکم کے مطابق کچھ لوگوں نے حضرت والا کی کشتی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی سے ملا دیا۔ حضرت والا نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جس وقت میری کشتی جوڑی گئی تو وہ کھٹ کی آواز جو کشتی کے ملنے سے پیدا ہوئی تھی اب تک گویا میرے کانوں میں گونجتی ہے یعنی اس کی لذّت بھولا نہیں ہوں۔ اسی واقعہ سے متاثر ہو کر ایک خاص کیفیت کے تحت حضرت والا نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ایک شعر وارد ہوا ہے جس کے اندر یہ انعام عظیم بھی آگیا ہے ؎

مضطرب دل کی تسلّی کے لئے
حکم ہوتا ہے ملا دو ناؤ کو

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ شعر و سخن کی طرف جب بھی میں نے توجہ کرنی چاہی تو حق تعالیٰ نے میری طبیعت کو روک دیا۔

حضرت والا کے مبشرات منامیہ اور انعامات ربانیہ

(۱) احقر سے ارشاد فرمایا کہ ایک بار جب میں شرح جامی جون پور میں پڑھتا تھا تو خواب دیکھا کہ مجھ کو رمضان شاہ مجذوب پکڑنے کے لئے دوڑ رہے ہیں اور میں بھاگ رہا ہوں بالآخر جب تھک کر کھڑا ہو گیا تو وہ مجذوب بھی کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ تو ظفر آباد کا قطب ہو گیا۔

(۲) ایک صبح کو احقر سے ارشاد فرمایا کہ آج خواب میں سیدنا حضرت سلیمان علیہ السّلام کے ساتھ رات بھر سفر میں رہا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لباس بالکل سفید تھا۔

(۳) ارشاد فرمایا کہ مجھ کو سیدنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت تقریباً ۱۲ دفعہ ہوئی ہے ایک بار سیدنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کو خوب دیکھ لیا ارشاد فرمایا کہ ہاں تم نے ہمیں خوب دیکھ لیا پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ نے اس حدیث میں "لولاک لما خلقت السمٰوٰت والارضین" میں ارضین پہلے فرمایا ہے یا سمٰوٰت پہلے فرمایا ہے

ارشاد فرمایا کہ میں نے پہلے ارضین فرمایا تھا لیکن محدثین سے یہ لفظ مؤخر ہوگیا ہے۔

اس خواب سے بیدار ہونے کے بعد حضرت والا نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تفسیر کے اندر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ زمین کا تودہ آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا مگر اس کو پھیلایا گیا بعد تخلیق آسمان کے۔

(۴) ارشاد فرمایا کہ ایک بار ہم اور خواجہ صاحبؒ قنوج میں ذکر کر رہے تھے تہجد کا وقت تھا مسجد کی محراب میں حضرت مرشدی تھانوی رحؒ ذکر فرما رہے تھے اثناء ذکر میں حضرت شاہ قطب المدار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی اور حضرت قطب المدار صاحبؒ نے میرے سر پر ہاتھ رکھکر ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں (یعنی میں اور خواجہ صاحبؒ) دیوانے ہوجائیں گے۔

حضرت شاہ قطب المدار صاحبؒ کے متعلق حضرت والا حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے کلید مثنوی دفتر ششم میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ نسبت موسوی سے مشرف تھے جو انکو دیکھتا غش کھا کر گر جاتا اس لئے شاہ صاحبؒ چہرے پر نقاب ڈالے رہتے اور حضرت رحؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ لفظ قطب المدار میں اضافت مقلوبی ہے دراصل مدار القطب تھا۔

(۵) ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت حاجی امداد اللہ صاحب دادا پیرؒ کی زیارت نصیب ہوئی اور خواب میں مجھے ترمذی شریف پڑھائی اور تین شعر پڑھے جو مجھے یاد نہیں ہیں اور ارشاد فرمایا کہ شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کو مثنوی شریف سے بہت فیض ہوا تھا اور فرمایا کہ مثنوی شریف پڑھایا کرو اور خواب ہی میں مجھ کو حضرت حاجی صاحبؒ نے سلطان الاذکار کی تعلیم اس طرح دی کہ سو مرتبہ اللہ اللہ کا ذکر اس مراقبہ کے ساتھ کرو کہ ہر بن مو سے اللہ اللہ نکل رہا ہے۔

حضرت والا نے جب اس خواب کو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحؒ کی خدمت میں تحریر فرمایا تو حضرت والا مولانا تھانویؒ نے جواباً یہ مصرعہ بھی تحریر فرمادیا:۔

"ہمیں بھی یاد رکھنا ذکر جب دربار میں آئے"

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ بھی اس وقت حاضر تھے حضرت والا تھانویؒ نے جب یہ جواب ان کو سُنایا تو عرض کیا کہ حضرت یہی مصرعہ میں بھی لکھنے کی اجازت چاہتا ہوں، چنانچہ اس کے نیچے خواجہ صاحب نے بھی یہی مصرعہ لکھدیا۔ اتفاق سے مولانا عبد الرحمٰن صاحب بکھراوی اعظم گڑھی بھی موجود تھے انھوں نے بھی اجازت لیکر یہی مصرعہ تحریر فرمادیا۔

پُورا شعر یہ ہے ؎

عدم کے جانے والو! کوچۂ جاناں میں جب جانا   ہمیں بھی یاد رکھنا ذکر جب دربار میں آئے

(از مرتب)

(۶) ارشاد فرمایا کہ ایک بار میں نے تھانہ بھون حاضری کی اجازت چاہی تو حضرت مرشدی قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا

اے آمدنت باعث صد شادی ما

اسی طرح ایک بار تحریر فرمایا کہ اجازت چہ معنی بلکہ اشتیاق۔

(۷) ارشاد فرمایا کہ ایک بار بدون اطلاع تھانہ بھون حاضر ہوا اس وقت حضرت والا تھانوی رحہ لیٹے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر فرطِ مسرت سے کئی قدم چل کر سینے سے لگالیا اور ارشاد فرمایا نعمت غیر مترقبہ

(۸) ایک بار حکیم مصطفٰے صاحب مجاز بیعت حضرت مرشدیؒ سے حضرت والا مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے مولوی عبد الغنی صاحب میں کُھلی ہوئی چشتیت ہے۔

(۹) ارشاد فرمایا کہ ایک بار تھانہ بھون حاضری کی اجازت چاہی تو حضرت والا مولانا تھانوی رحہ نے تحریر فرمایا کہ

بیا بیا و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

(۱۰) ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ نے حضرت مرشدی تھانوی رحہ سے ارشاد فرمایا کہ دیوبند میں درسیات پڑھانے کیلئے

اپنے آدمیوں میں سے ایک مدرس بھیجدیجئے اس کے بعد حضرت مرشدی تھانوی نے مجھ سے الہ آباد میں فرمایا کہ میں آپکو دیوبند میں تعلیم درسیات کے لئے منتخب کرتا ہوں آپ کیا تنخواہ لیں گے میں نے عرض کیا کہ حضرت چنے چبا کر پڑھا دوں گا ارشاد فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا ہی کر دکھائیں گے۔ اس زمانے میں دیوبند میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور مولانا غلام رسول صاحب بھی مدرس تھے۔

پھر حضرت والا پھولپوری دامت برکاتہم نے احقر سے فرمایا کہ حضرت مرشدی کو مجھ سے بہت حُسن ظن تھا۔

(۱۱) ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت مرشدی تھانوی نے ایک مجلس میں ایک نہایت غامض مضمون بیان فرمایا پھر دریافت فرمایا کہ آج کے مضمون کو کس نے لکھا ہے حضرت خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ انھوں نے (یعنی حضرت پھولپوری) قلمبند کیا ہے تو حضرت والا مرشدی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں حق بحق دار رسید۔

(۱۲) حضرت کا یہ ایک عجیب خواب ہے اور اس خواب پر حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب و غریب تعبیر ہے یہ خواب اور تعبیر حسن العزیز میں شائع ہوچکا ہے۔ ملفوظات حسن العزیز جلد اول کا آخر ضمیمہ صفحہ ۵۲ سے نقل کرتا ہوں میں نے (یعنی حضرت والا پھولپوری دامت برکاتہم) کل بروز دوشنبہ بتاریخ ۵ رجب ۱۳۳۴ھ ہجری کو یہ خواب دیکھا کہ جامع مسجد کانپور میں اتر کی جانب جناب والا تشریف فرما ہیں اور ایک مختصر جماعت مسلمانوں کی موجود ہے حضور والا نے (یعنی حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے) مجھے حکم دیا کہ تم بیان کردو میں نے حسب الحکم آیت یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ الخ کا وعظ شروع کیا اور نہایت پاکیزہ مضامین قلب پر وارد ہوئے۔

(دوسرا خواب) بروز سہ شنبہ بعد نماز تہجد سو گیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت جامع مسجد جون پور میں نصیب ہوئی سامنے سیدنا

حضرت علی رضہ تشریف فرما ہیں حضرت علی رضہ اُٹھے اور کچھ ہی اُٹھنے پائے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحا تبسم فرماتے ہوئے پیر پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لئے اور میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اس خیال سے سر پکڑ لیا کہ مبادا کہیں پتھر پر سر مبارک نہ آجائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پیروں کو اٹھالیا اور اُتر جانب نہایت زور سے لے چلے اور میں سر مبارک کو نہایت ادب سے گود میں لئے ہوئے چل رہا ہوں یکایک ایک دوسرے در کے گوشے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رُک گئے تو میں نے اس مہلت کو غنیمت سمجھا اور سر مبارک کو خوب خوب بوسہ دیا اور سجدہ کی جگہ کو جہاں نشان سجدہ کا بن جاتا ہے اس کو بھی بوسہ دیا اور دل ہی دل میں کہتا ہوں کہ اپنے احباب سے مل کر کہوں گا کہ اب میرا منہ چومنے کے قابل ہو گیا۔

پھر دیکھتا ہوں کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اسی مسجد میں اُتر جانب لیٹے ہوئے ہیں مجھے خیال ہوا کہ اسی مجمع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہوں گے تو میں نے عرض کیا السّلام علیکم یا رسول اللہ تو حضور ؐ نے جواب دیا وعلیکم السّلام میں نے چاہا کہ مصافحہ کروں اور تیز چلا تو دیکھتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مثل انوار کے ٹکڑوں کے ہو کر نظر سے غائب ہو گئے۔ الحمد للہ استقامت عطا ہوتی چلی جاتی ہے۔

تعبیرات خواب

حضرت والا حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کا جواب:۔

مجبی و محبوبی سلمہ اللہ تعالیٰ وکرمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

نہایت مبارک خواب ہیں

خواب اوّل بشارت ہے کہ آپ سے اشاعت علوم نبوت کی ہو گی اور خواب ثانی میں اشارہ ہے کہ آپ حافظ علوم ولایت ہوں گے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ منتہی ہیں اکثر سلاسل کے اور سر میں دماغ ہوتا ہے جو خزانہ ہے علوم کا تو سرکی حفاظت محمل ہے علوم ولایت کا اور پاؤں پکڑ لینا مانعیت ہے بلکہ وہ رفتار غیر معتاد یعنی مخفی ہے کیونکہ علوم ولایت ناشی ہیں احوال و اذواق خاصہ کا اور اظہار ہے آپ کے تحقیق بکلا النوعین کا مجموعی حالت آپ کی مانعیت ہے۔ خدا تعالیٰ شکر اور مزید عطا فرمائیں۔

حضرت والا پھولپوری دامت برکاتہم کا دوسرا خط

ایک عریضہ احقر نے ارسال خدمت بابرکت میں کیا ہے

جب عریضہ روانہ کرچکا ہوں تو مجھے سخت اضطراب اس دوسرے خواب کے متعلق پیدا ہوا عجب عجب باتیں دل پر گزریں جب رات ہوئی تو اپنے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ بذریعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میری تسلی فرمادی جائے اور اس کی تعبیر سے مشرف فرمادیا جائے تاکہ اضطراب دفع ہوجائے پھر جب سویا تو یہ چار الفاظ دربار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خواب کی تعبیر میں ارشاد ہوئے۔

اضمار[۱] در اضمار[۲] استتار[۳] در استتار[۴] انتہا[۵] در انتہا[۶] اختتام[۷] در اختتام[۸]

پھر مجھے تسلی تام ہوگئی۔

تعبیر

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کا جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اس خواب کی تعبیر لکھ چکا ہوں۔ الحمد للہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اس کی تائید ہوگئی یہ اضمار در اضمار استتار در استتار، علوم ولایت کے متعلق ہے جس کو میں نے لکھا تھا کہ یہ علوم مخفی ہیں اور غایت تاکید کے لئے چار الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں اور یہ انتہا در انتہا اختتام در اختتام علوم نبوۃ کے متعلق ہے قرینۂ تقابل

سے اس میں اظہار کی قید ملحوظ ہے اور غایت تاکید کے لئے یہاں بھی چار الفاظ استعمال فرمائے گئے یعنی

فیض نبوت انتہا درجہ ظاہر ہوگا!

(انتہی حسن العزیز ضمیمہ صہ ۵۲)

تصنیف و تالیف

(۱) **اصول الوصول** یہ کتاب حضرت والا نے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے حکم سے ۱۳۴۹ھ ہجری میں تالیف فرمائی تھی۔ جو درحقیقت فیوض اشرفیہ اور مطب اشرفی کے بے بہا نسخے رسالہ کی صورت میں جمع کردیئے گئے ہیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ العزیز نے اس کتاب کو خانقاہ تھانہ بھون میں داخل درس فرمادیا تھا۔ اور حضرت والا سے فرمایا کہ اس کی شرح بھی لکھئے اور میں اس کا نام حصول الوصول رکھتا ہوں!

(۲) **معیّتِ الٰہیہ** یہ کتاب حضرت والا پھولپوری دامت برکاتہم کی ۱۳۸۰ھ ہجری کراچی میں شائع ہوئی ہے!

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ قرب خداوندی کے حصول کیلئے محض ذکر و فکر اور علم و کتب بینی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اہل اللہ کی صحبت بھی ضروری ہے۔

اس کتاب کے اندر حضرت والا کی عجیب والہانہ تقریر ہے جس کے اندر حدیث قدسی "لایزال العبد یتقرب الی بالنوافل" کی چھ عنوانات پر پر مشتمل عجیب و غریب الہامی شرح بھی ہے حق تعالیٰ کی معرفت و محبت حاصل کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ کیمیاء الیست عجیب التاثیر کا حکم رکھتی ہے۔

(۳) صراطِ مستقیم | یہ کتاب ۱۳۸۱ ہجری کراچی میں طبع ہوئی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت پر ایک عجیب الہامی مضمون ہے اس کتاب کے اندر حضرت والا دامت برکاتہم نے عجیب والہانہ اور حکیمانہ انداز میں یہ بتایا ہے کہ ہماری روحوں کو دنیا میں حق تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ ہم یہاں ایمان بالغیب اور تقویٰ اختیار کر کے حق تعالیٰ کے مقرب ومحبوب اور دوست ہو جادیں عالم ارواح میں ہم صرف بندے رہتے وہاں ہماری ـــــ عبدیت پر ولایت کا تاج نہ رکھا جاتا کیونکہ شرط ولایت ایمان بالغیب اور تقویٰ ہے جس کا محل یہی عالمِ ناسوت ہے اور صراطِ مستقیم اس کے لئے عملی راہ ہے جس کا حصول کسی منعم علیہ بندے کی صحبت اور اس کی اتباع پر موقوف ہے۔ طالبان معرفت ومحبت کے لئے عجیب کتاب ہے۔

حضرت والا کے مجازین اور خلفاء

حضرت والا کو اپنے جن متعلقین کے متعلق ان کے حالات سے اس امر کا شرح صدر ہوگیا کہ ان حضرات سے دوسروں کو دین کا نفع پہونچے گا تو توکلاً علی اللہ ان کو اجازت بیعت عطا فرمادی۔ اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ اجازت ان کے موجودہ حالات پر بربنائے تخمین و فراست و شرح صدر اور وارد قلبی کے ہے لیکن اگر کل کو کسی کی حالت خدانخواستہ صراط مستقیم کے خلاف ہو جائے اور اس سے کھلم کھلا فسق و فجور عیاذاً باللہ صادر ہونے لگے تو یہ اجازت منسوخ سمجھی جاوے گی۔ نیز یہ کہ اس اجازت کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ مجازین اپنی اصلاح اور نگرانی سے فارغ ہو چکے ہیں۔

کیونکہ حاصل طریق کا یہی ہے کہ

اندریں رہ می تراش و می خراش   تا دمے آخر دمے فارغ مباش

مجازین کو چاہیئے کہ اپنے اعمال اور معمولات میں بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہمت و پابندی سے عمل پیرا رہیں کیونکہ اگر ماں کمزور اور ضعیف ہوتی ہے تو اس کے دودھ سے تربیت یافتہ بچے بھی کمزور اور بیمار رہتے ہیں۔

حضرت والا اپنے جملہ متعلقین اور مجازین کو خصوصیت سے وصیت فرماتے ہیں کہ

میری کتاب "معرفت الٰہیہ" کو سبقاً سبقاً ہر روز مطالعہ میں رکھیں بالخصوص جلد ثانی کہ اس میں خشیت اور عظمتِ الٰہیہ نیز عارفین کی عبدیت و فنائیت کے مضامین بہت کافی و افی حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جمع کرا دیئے ہیں!

اسمائے حضرات مجازین مع مکمل پتہ

(۱) مولوی نصرت علی صاحب مدرس مدرسہ کنز العلوم
قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد یو۔پی

(۲) مولوی رشید احمد صاحب استاذ حدیث۔ دار العلوم کراچی ۳۰

(۳) حافظ عبد الولی صاحب بہرائچی، مجاز صحبت حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ

(۴) حفیظ اللہ صاحب لاری سابق اسسٹنٹ سٹلمنٹ کمشنر
مقیم حال ناظم آباد۔ بلاک ۲ کراچی ۱۸

(۵) مولوی نذیر الحسن صاحب پپرا ڈاک خانہ ہرگاؤں ضلع سیتاپور۔ یو۔پی

(۶) حافظ عبد الرحمٰن صاحب (نیپالی) سابق امام مل ساسا موسا ضلع چھپرا صوبہ بہار

(۷) جبیب الحسن خاں صاحب شروانی مقام وڈاکخانہ ڈھولنہ ضلع ایٹہ

(۸) حاجی محمد نذیر صاحب ناظم مدرسہ بیت العلوم ڈاکخانہ سرائے میر اعظم گڑھ

(۹) منشی محمد ناظر صاحب ڈاک خانہ مانی کلاں ضلع جون پور یو۔پی

(۱۰) عبد الحافظ صاحب محلہ شیخسرائے ضلع کھیری لکھیم پور یو۔پی

(۱۱) ڈاکٹر عبد القادر صاحب محلہ باز بہادر ضلع اعظم گڑھ یو۔پی

(۱۲) مولوی سید بشارت علی صاحب سلطان پوری نائب ناظم مجلس دعوۃ الحق
ومدرسہ اشرف المدارس ہردوئی یو۔پی

(۱۳) محمد جلیل صاحب پنشنر حج مجاز صحبت حضرت حکیم الامت تھانوی
محلہ معتبر گنج اعظم گڈھ یو۔پی

تنبیہ:۔ ترتیب اسماء حسب ارشاد حضرت مرشدی دامت برکاتہم ہے۔

عرض جامع

حضرت والا دامت برکاتہم اپنے حالات قلمبند کرنے سے منع فرماتے تھے لیکن چند مخصوص احباب نے جب یہ عرض کیا کہ اس وقت جو حالات قلمبند ہوں گے وہ حضرت والا کی تصدیق سے معتبر ہوں گے اس لئے اس مصلحت کے پیشِ نظر حضرت والا نے اجازت عنایت فرمادی لہذا احقرنے ترجمۃ المصنف کے طور پر ان مختصر حالات کو قلمبند کر کے حسب اجازت حضرت مرشدی دامت فیوضہم معرفتِ الٰہیہ میں شامل کر دیا!

تعارف

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب خلیفۂ مجاز
حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ العزیز صدر مجلس منتظمہ دار العلوم کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ شانہ کا جتنا شکر اس پر ادا کیا جائے کم ہے کہ اُس نے اس بندۂ ناکارہ کو زیر نظر کتاب معرفتِ الٰہیہ کے مطالعہ کی سعادت عطا فرمائی۔

مسئلہ معرفتِ الٰہیہ کا اور اُس پر ارشادات عارف باللہ مخدومی حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب کے جن کو دیکھنے سُننے والا یہ یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ کلمات صرف اصطلاحی علوم وفنون کی پیداوار نہیں بلکہ واردات قلبیہ ہیں۔

پھر اس مسئلہ اور اس کتاب پر مجھ جیسے ناکارہ کا دخل در معقولات کیا معنی رکھتا ہے مگر احباب کے اصرار اور بزرگوں کے ایماء اور اس توقع نے کہ اس کے ذریعہ شاید اس سعادت میں مجھے بھی کچھ حصہ مل جائے یہ سطور لکھنے پر مجبور کیا۔

اس لئے صرف دو جملے عرض کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

اوّل یہ کہ اس دنیا میں جو بڑی سے بڑی کوئی دولت کوئی انسان اپنی جد وجہد سے حاصل کرتا ہے اُن سب میں سب سے زیادہ متاعِ گرانمایہ اور دولت بے بہا معرفت حق تعالےٰ ہے جو سرچشمہ ہے تمام دینی اور دنیوی کامیابیوں کا۔

دوسرے یہ کہ یہ کتاب اگرچہ اس مقصد کے لئے لکھی گئی ہے کہ اُس سے لوگوں کو معرفتِ الٰہیہ کے ذرائع اور طریقے معلوم ہوجائیں۔

لیکن کتاب کا ایک معتد بہ حصہ پڑھنے سے یہ ثابت ہوا کہ یہ صرف معرفت کے ذرائع اور طریقے بتلانے والی کتاب ہی نہیں بلکہ اُس کے حصول کے لئے ایک کیمیاوی نسخہ ہے کہ اُس کو پڑھتے پڑھتے دل کی دنیا بدلنے لگتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مؤلف دامت برکاتہم کو تادیر افاضات و افادات کے لئے بعافیت قائم رکھیں اور مسلمانوں کو اُن سے منتفع ہونے کی توفیق کامل عطا فرماویں۔

وَاللہ الموفق وَالمعین ؀

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

لیلۃ الجمعہ لآخر لیلۃ من محرم الحرام ۱۳۸۱ھ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم　　　　اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقصدِ حیات اور اقتضاءِ فطرۃِ بشریّہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ　　　　اور میں نے جن اور انسان کو عبادت
اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (سورہ ذاریٰت پ۲۷)　　　　کے لئے پیدا کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے لِیَعْبُدُوْنِ کی تفسیر لِیَعْرِفُوْن سے فرمائی ہے اور صاحب جلالین نے اپنی تفسیر جلالین میں اسی کو لیا ہے پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتا دیا کہ ہم نے جن اور انسان کو اپنی معرفت و پہچان کے لئے پیدا فرمایا ہے، ایک حدیث قدسی سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اُعرف فخلقت الخلق حدیثِ قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو حق تعالیٰ نے فرمایا ہو اور راوی اس کے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایک خزانہ مخفی تھا پس مجھے یہ بات بھلی معلوم ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اسی آیت کریمہ کو حضرت عارف رومیؒ نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے ؎

ماخلقت الجن والانس ایں بخواں　　　　جز عبادت نیست مقصود از جہاں

مولانا رومیؒ حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت فرماتے ہیں کہ میں نے جن اور انس کو اپنی عبادت کے لئے یعنی معرفت کے لئے پیدا فرمایا ہے اور جن اور انسان کی تربیت

یعنی پرورش کے لئے اور ان کی حیات کی حفاظت اور بقا کے لئے یہ ساری کائنات پیدا کی گئی ہے۔

ایک مسافر بھوکا پیاسا بے سروسامانی کی حالت میں ایک لق و دق میدان سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک محل عالی شان اس کو نظر آیا جب اس محل کے قریب پہنچا تو دروازے پر ایک دربان نے اس کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ اے مسافر یہ محل تیرے لئے ہے اس کے اندر داخل ہو جا جب یہ مسافر اندر داخل ہوتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ایک کمرے میں کھانے پینے کا تمام سامان رکھا ہوا ہے، دوسرا کمرہ غسل کرنے کے لئے ہے، تیسرے کمرے میں پیشاب خانہ اور پاخانہ بنا ہوا ہے، اور اس محل میں ہر قسم کے پھل دار درخت موجود ہیں، شیریں اور ٹھنڈے پانی کے چشمے موجود ہیں، خلاصہ یہ کہ جتنی حاجتیں اس مُسافر کے اندر پیدا ہو سکتی تھیں سب کا انتظام اس محل میں موجود تھا۔ اِن انعامات کو دیکھ کر یہ مسافر خوش ہو جاتا ہے اور فرطِ مسرّت سے ہر نعمت کی قدر دانی کرتا ہے۔ اب اس کے دل میں طبعًا اور فطرةً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ نعمتیں ہم کو کس نے دی ہیں تاکہ ہم اس کا شکریہ ادا کریں شدّتِ پیاس کے وقت میں جس کو کوئی ایک گلاس پانی پلا دیتا ہے یا شدّتِ بھوک میں کھانا کھلا دیتا ہے تو اُس کے دل سے پوچھو کر اُس کو اپنے مُحسِن کے ساتھ اِس احسان سے کیسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور شکر کی زبان تلاش کرنے لگتا ہے، اب یہ مسافر اپنے مُحسِن کی تلاش کے لئے بے چین ہو جاتا ہے کہ وہ کون ایسی کریم اور سخی ذات ہے جس نے ہمیں ایسی غربت کی حالت میں بے شمار نعمتوں سے بھرا ہوا محل عطا فرما دیا اپنے مُحسِن کی تلاش کا داعیہ عین اقتضاءِ فطرت ہے۔ اب یہ مسافر اُس دربان سے پوچھتا ہے کہ بھائی یہ محل کس نے بنایا ہے اور کس نے اس محل کے اندر اس قدر بے شمار نعمتیں بھر دی ہیں اور اس محل کا مالک کس قدر کریم ہے کہ بدونِ کسی معاوضہ اور سوال کے

اُس نے اِتنا بڑا اکرم فرمادیا اور ہماری ذات سے اس کو کوئی نفع نہیں ہے وہ بے غرض محبت کرنے والا اور بے غرض احسان فرمانے والا کون ہے۔ دربان کہتا ہے کہ اس محل کے پاس اور بھی دوسرے محل ہیں اور وہ لوگ پُرانے رہنے والے ہیں ان سے معلوم کرو۔ فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اگر تم نہیں جانتے ہو تو کسی اہلِ علم سے معلوم کرلو۔ اس تمہید کے بعد جاننا چاہیئے کہ انسان کا جسم ایک محل ہے جس کے اندر سَر سے پیر تک نعمتوں کے خزانے رکھے ہوئے ہیں اَب فطرۃً اس کے اندر سوال پیدا ہونا چاہیئے کہ ہماری آنکھیں کس نے بنائی ہیں اور آنکھوں میں روشنی کا خزانہ کس نے رکھا ہے، ہمارے کان کس نے بنائے ہیں اور کانوں میں سُننے کا خزانہ کس نے رکھا ہے، دماغ کس نے بنایا اور دماغ کے اندر عقل و سمجھ کا خزانہ کس نے رکھا ہے۔ اِن سوالات کا پیدا ہونا اقتضاءِ فطرت ہے اِسی کو مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

اے خدا احسانِ تو اندر شمار   می نتانم بازبان صد ہزار

مولانا فرماتے ہیں کہ اے خدا آپ کے احسانات بے شمار ہیں میں سو ہزار زبان سے بھی ان کو شمار نہیں کرسکتا ہوں۔

جان وگوش وچشم وہوش وپا ودست   جملہ از درہائے احسانت پُرست

میری جان میرے کان اور میری آنکھیں اور میرے ہوش وحواس اور ہاتھ پاؤں یہ سب کے سب آپ کے احسان کے موتیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

حاصل یہ کہ جب انسان اپنے اندر بے شمار ظاہری اور باطنی نعمتوں کو دیکھتا ہے تو سوچتا ہے کہ اگر ہماری آنکھوں میں روشنی نہ ہوتی تو ہم کو کتنی پریشانیوں کا سامنا ہوتا وہ کون مُحسن ذات ہے جس نے بدون کسی معاوضے اور بدلے کے اور بدون سوال کے ہماری آنکھوں کو بینا فرمادیا۔ اِسی طرح اگر ہمارے کان بالکل بہرے

ہوتے تو ہم کسی کی بات کو نہ سُن سکتے اور ہم کو نہ جانے کتنی پریشانیاں اُٹھانی پڑتیں وہ کون مُحسِن ذات جس نے ہمارے کانوں کو سُننے والا بنایا۔ اسی طرح زبان کے متعلق سوچتا ہے کہ اگر ہم گونگے ہوتے تو کیا مصیبت ہوتی، مافی الضمیر کو ہاتھوں کے اشاروں سے سمجھانے میں کیسی پریشانی اُٹھانی پڑتی وہ کون مُحسِن ذات ہے جس نے بدون معاوضہ اور سوال کے ہماری زبان کو گویا فرما دیا، اور وہ کون ذات ہے جس نے ہمارے ایسے جوڑ دار ہاتھ پاؤں بنائے کہ جن سے ہم مختلف کاموں کے وقتوں میں مختلف طور سے کام لیتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اپنے اندر ہر نعمت کے متعلق اس قسم کے سوالات کا پیدا ہونا ایک فطری اور عقلی تقاضا ہے۔ پھر جس طرح انسان کو اپنے جسم کے اندر کی تمام نعمتوں میں غور کر کے اپنے مُحسِن کی تلاش کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، اسی طرح جب یہ آسمان کی طرف نگاہ کرتا ہے تو فطرۃ بشریہ کا اقتضاء یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ یہ بے ستون کا ایسا خوبصورت آسمان کس مُحسِن نے ہمارے لئے پیدا فرمایا ہے پھر اس کے اندر سورج چاند اور بے شمار ستاروں کو کس نے جڑ دیا ہے، اسی طرح انسان جب نیچے نگاہ کرتا ہے تو باقتضاء فطرت اس کے اندر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون مُحسِن ذات ہے جس نے ہمارے لئے زمین کے اتنے بے شمار ذرّات کو اکٹھا کر کے ہمارے لئے فرش بنا دیا ہے، اسی طرح بہت سے مناظرِ فطرت مثلاً صحراءِ لق ودق، کوہ ہائے بلند، بحر ناپیدا کنار وغیرہ کو دیکھ کر سوچتا ہے کہ وہ کون مُحسِن ذات ہے جس نے ہمارے لئے ایسے ایسے اونچے پہاڑوں کو اور ناپیدا کنار سمندروں کو مُسخّر فرما دیا ہے۔ پانی کے اتنے قطرات سمندر میں کس نے جمع کر دیئے ہیں، خلاصہ یہ کہ اپنے مُحسِن کی پہچان کا تقاضا پیدا ہونا انسان کا فطری اقتضاء ہے اور یہ اقتضاءِ بشریت اس قدر اہمیت اپنے اندر لئے ہوئے ہے کہ اس کی وجہ سے فقہاء میں باہمی اختلاف اس مسئلے میں ہو گیا ہے یعنی ایک جماعت فقہاء کی یہ کہتی ہے کہ جس مقام پر کوئی نبی یا رسول نہیں پہنچا اور نہ اُن کے نائبین پہنچے وہاں کے لوگوں پر خدا کی پہچان

فرض نہیں ہے اور فقہاء کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ نہیں ان لوگوں پر بھی خدا کی معرفت فرض ہے نفس توحید کے لئے انسان کی عقل کافی ہے خدا کو پہچاننا اقتضاء بشریت ہے البتہ ان لوگوں سے اُن فروعی احکام کا مطالبہ نہیں ہو گا جن کو خدا کا رسول خدا کی طرف سے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ اس اقتضاء فطرت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے

کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ (او کما قال الحدیث)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے اس کے ماں باپ اگر یہودی ہوتے ہیں تو اپنی صحبت سے یہودی بنا لیتے ہیں اگر نصرانی ہوتے ہیں تو نصرانی بنا لیتے ہیں اگر مجوسی ہوتے ہیں تو مجوسی بنا لیتے ہیں۔

اگر ماں باپ کی صحبت سے کسی بچے کو محفوظ رکھا جائے تو باقتضاء فطرۃ وہ عالم کے تمام آثار اور تصرفات کو دیکھ کر توحید کا قائل ہو جائے گا۔ حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں

گر تو اورا می نہ بینی در نظر   فہم کن اما با ظہارِ اثر

مولانا فرماتے ہیں اگر تم خدا کو اپنی ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھتے ہو تو خدا کی مخلوقات میں غور کر و اثر کو دیکھ کر مؤثر کے وجود کا یقین کر و کیونکہ بغیر مؤثر کے کسی اثر کا وجود عقلاً محال ہے۔

دُنیا میں اس کے تمام نظائر اور شواہد موجود ہیں کہ جب کوئی صانع کسی صنعت کو مُرتّب کرتا ہے تو اس ترتیب اور ترکیب سے پہلے اس کے ذہن میں اس مصنوع کا مقصد اور نصب العین متعیّن ہوتا ہے۔

موجد اور صانع حقیقی مُرتّب کا لفظ میں نے اس لئے اختیار کیا ہے کہ اصل مُوجد درحقیقت تمام مصنوعات کا وہی صانع اور خلاقِ عالم ہے جو ازلی ابدی اور قدیم ہے۔ بندوں کے ہاتھوں سے وہ کام لیتے ہیں بندے کسی شے کو

عدم سے وجود میں نہیں لا سکتے ہیں البتہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں حسب ضرورت وقتاً فوقتاً ہر نئی چیز کے متعلق اس کی پوری صنعت گری مع اس کے اجزاء ترکیبیہ کے الہام فرماتے رہتے ہیں پھر حکم الٰہی اور ارادۂ الٰہی کا تابع ہو کر وہ بندہ اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کئے ہوئے ان اجزاء میں ترکیب اور ترتیب دیتا ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ اپنے بندوں کے ہاتھوں سے اسی طرح نئی نئی مصنوعات ایجاد فرماتے رہتے ہیں، چنانچہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ	حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اور واقعی تمہارا
وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ	رب بڑی شفقت والا اور رحمت والا ہے
لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ط	(کہ تمہارے آرام کے لئے کیا کیا سامان پیدا کئے)
وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○	گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کئے تاکہ تم ان
(پ ۱۴ سورہ نحل)	پر سوار ہو اور نیز زینت کے لئے بھی اور وہ

ایسی ایسی چیزیں (تمہارے فائدے کیلئے) بناتا ہے جن کی تمہیں خبر بھی نہیں (بیان القرآن)

وَيَخْلُقُ مضارع ہے اور مضارع میں خاصیت تجدّد استمراری ہوتی ہے یعنی یہ فعل تخلیق برابر جاری رہے گا اور اس خاصیت تجدّد استمراری کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اور اللہ تعالیٰ ایسی ایسی چیزیں بناتا رہتا ہے جن کی تمہیں خبر بھی نہیں۔ پس اس آیت يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں قیامت تک کی تمام نئی نئی ایجادات داخل ہیں۔ دہریوں کی عقل ماری گئی ہے جو سائنس کی نئی نئی تحقیقات سے متاثر ہو کر اپنے پیدا کرنے والے ہی کو بھول گئے۔

سائنس کی حقیقت

سائنس تو خود مخلوق ہے سائنس کی حقیقت کیا ہے سائنس میں اگر کچھ دم ہے تو ایک مکھی یا مچھر کا پَر بنا دے جس کا ظاہر اور باطن مکھی یا مچھر کے پَر سے سر مو فرق نہ رکھتا ہو یا ایک درخت کی ایک پتی ہی بنا دے جس کے اندر بالکل اسی درخت کی پتی کے خواص پیدا ہو جائیں۔

سائنس کا کوئی دعویٰ ہو تو پیش کرو، سائنس کو تو بلا وجہ لوگ بدنام کرتے ہیں سائنس بیچاری تو گونگی بہری اندھی ہے مگر اس کے وکلاء یعنی اہلِ سائنس اس کی طرف سے بول رہے ہیں مدعی سُست گواہ چُست کا معاملہ ہے، اچھا ہم سائنس کے وکلاء ہی سے خطاب کرتے ہیں کہ یہی لوگ اس کی طرف سے مکھی کا ایک پَر بنالائیں یا کسی درخت کی ایک پتی بنائیں مگر ظاہری اور باطنی خواص میں سرمو فرق نہ ہو۔

لوہا۔ تانبا۔ آگ۔ پانی۔ ہوا جن اَجزاء سے سائنس والے کام لیتے ہیں کیا ان اَجزار کو سائنس دانوں نے پیدا کیا ہے۔ اور جس عقل اور فہم سے اشیاء کے خواص کی تحقیقات کرتے ہیں وہ عقل اور فہم ان کی ذاتی ملکیت ہے یا وہ کسی کی عطا ہے۔ یہ برّی جہازوں کو جس کرّہ ہوا پر لیکر اُڑتے ہیں اس کرّۂ ہوا کو کس نے پیدا کیا ہے۔ بحری جہازوں سے جس سمندر پر مسافت قطع کرتے ہیں وہ سمندر کس ذات پاک کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اگر نعوذ باللہ سائنس خالق ہے تو خالق کو اپنے مخلوق کے ظاہر اور باطن سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ رات دن اشیاء کے خواص کی تحقیقات میں مصروف ہیں یہ نت نئی تحقیقات خود بے خبری کی دلیل ہے پھر ان کی تحقیقات میں اکثر غلطیاں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ آج سے چند دن پہلے جس تحقیق کا اعلان کرتے ہیں چند دن بعد اُسی تحقیق کے خلاف اعلان کرتے ہیں اور اوّل تحقیق سے رجوع کرکے اپنی جہالت کا اقرار کرتے ہیں اور خالق کی شان کیا ہوتی ہے ارشاد فرماتے ہیں

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (پ ۲۹ سورہ ملک)

بھلا وہ ہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے وہ باریک بیں پُورا باخبر ہے۔

خالق حقیقی کے کلمات کبھی تبدیل نہیں ہوتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا

اور آپ خدا کے دستور میں کوئی بدل نہ پائیں گے۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جب اہلِ سائنس اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو ان کے

تمام وہ افکار اور اِن کے وہ ہاتھ اور ان کی تمام ظاہری اور باطنی قوتیں بھی مخلوق ہیں جنکے ذریعے یہ نت نئی مصنوعات تیار کرتے رہتے ہیں نیز جن اجزا کی ترتیب اور ترکیب سے نئی نئی چیزیں بنتی ہیں یہ اجزاء بھی مخلوق ہیں۔ اور اسی مجموعۂ مخلوقات کا نام سائنس رکھا ہے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ چند عاجز اور محتاج مخلوقات کا مجموعہ سائنس کے نام سے خدا بن بیٹھے اور اس خدا کے ماننے والے بندے بھی نکل آئیں یہ تو ایسا ہی ہوا کہ ایک اندھے نے خدائی کا دعویٰ کیا تو اس کے بھی ساٹھ عدد ماننے والے بندے نکل آئے کسی نے ایک دن پوچھا کہ اگر آپ خدا ہیں تو آپ کی آنکھیں کیوں درست نہیں ہیں تو اس اندھے نے جواب دیا کہ بندوں کی آزمائش کے لئے یہ آنکھیں عیب دار ہیں تاکہ بندوں کے اخلاص کا پتہ چل جائے کہ کون اس عیب کے باوجود مجھ پر ایمان لاتا ہے اور کون اس عیب سے کفر اختیار کرتا ہے۔ سائنس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ چند اجزاء کی ترتیب اور ترکیب سے کوئی نئی صنعت بنالی جائے لیکن یہ اجزاء اور ان اجزاء میں خواص کہاں سے آئے ہیں۔ حضرت عارف رومی فرماتے ہیں ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند | بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

مولانا فرماتے ہیں:۔ جن عناصر سے تم کام لیتے ہو یہ مٹی ہوا پانی آگ سب خداوند تعالیٰ کی مخلوقات ہیں اور ان کا تعلق اپنے خالق سے تعبدی ہے یعنی شان غلامی کا ہے ہماری نگاہ میں اگرچہ یہ بے جان اور بے حس نظر آتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ انکی اطاعت کا تعلق زندوں ہی جیسا ہے۔

گر تو خواہی آتش آب خوش شود | ور نخواہی آب ہم آتش شود

گر تو خواہی عین غم شادی شود | عین بند پائے آزادی شود

(عارف رومی)

مولانا فرماتے ہیں:۔ کہ اے اللہ آپ ایسے صاحب قدرت ہیں کہ اپنی قدرت قاہرہ سے اگر چاہیں تو آگ کو پانی کردیں اور اگر نہ چاہیں تو پانی آگ ہوجائے (جیسا کہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کے لئے نمرود کی آگ کو آپ نے اپنے حکم قہری تکوینی سے گلزار فرمادیا اور فرعونیوں کے لئے دریائے نیل کو دریائے خون کردیا) چنانچہ دوستوں کے لئے دریائے نیل میں بارہ ۱۲ راستے خشکی کے پیدا فرمادیئے بس حکم ہوگیا کہ اے پانی تو پتھر ہوکر خشک راستہ بن جا بس بن گیا پھر جب فرعون مع اپنی لشکر کے ان راستوں میں داخل ہوا کہ پار ہوکر موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کا تعاقب کروں تو حکم ہوگیا اے پتھر اب پھر پانی ہو جا بس وہ سب غرقِ آب ہوگئے۔ اسی کا نام قدرتِ قاہرہ ہے قہر کا ترجمہ حضرت والاؒ نے غلبۂ قدرت سے کیا ہے اور آپ کے اس نوع کے تصرفات تو محسوسات خارجیہ میں ہوتے ہی رہتے ہیں اس کے علاوہ ہماری باطنی کیفیات مثل غم و خوشی وغیرہ جو محسوساتِ باطنیہ سے ہیں وہ ہر لحظہ آپ کے تصرفاتِ تکوینیہ کے تابع ہیں اگر آپ چاہیں تو اپنی قدرتِ کاملہ سے ہمارے عین غم کو خوشی سے تبدیل فرمادیں اور جس خلافِ طبع امر کو ہم اپنے لئے اپنے پیر کی بیڑی سمجھتے ہیں وہی عین آزادی ہو جائے۔

یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ	اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور
یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ○	حکم کردیتا ہے اس بات کا جس کا ارادہ کرتا ہے۔

اللہ والے اسباب کے پردے میں مسبّب الاسباب کو پہچان لیتے ہیں کیونکہ ان کے پاس نورِ معرفت سے نورانی بصیرت ہوتی ہے۔ جس کو باطنی نگاہ کہتے ہیں اور دوسرے اہلِ بصارت تو ہوتے ہیں مگر بصیرت سے محروم ہوتے ہیں چنانچہ کافروں کے متعلق حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ	بات یہ
وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ	ہے کہ ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا
الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ○	کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے
(سورۂ حج پ ۱۷)	ہو جایا کرتے ہیں۔

بصیرتِ قلب کا ثبوت

دِل کو اَندھا فرمانا ثبوت ہے دل کی بینائی پر۔ کافروں کے دِل اَندھے ہوتے ہیں، مؤمنین کاملین کے دِل بینا ہوتے ہیں۔ اِسی وجہ سے صوفیہ عارفین کو

"دُور بینانِ بارگاہِ الست" کہتے ہیں۔

جن کے پاس صرف ظاہری آنکھیں ہیں وہ اشیاء کے باطنی حقائق سے بے خبر ہیں۔

ظاہری حیاتِ دنیا اور اس کی حقیقت

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ حق تعالیٰ کافروں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں، کہ یہ لوگ صرف دنیوی زندگانی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے غافل ہیں۔

دُنیاءِ فانی کے چند روزہ نقش ونگار پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ موت اور مابعد الموت کا کبھی خیال بھی نہیں گزرتا دنیا کی حقیقت کو ہمارے خواجہ صاحب نے خوب بیان فرمایا ہے —— ایک بار خواجہ صاحب کا اور ہمارا لکھنؤ میں ساتھ ہوا شہر کے اندر وائسرائے کی آمد تھی استقبال کیلئے راستے کاغذی پھُولوں سے خوب سجائے گئے تھے خواجہ صاحب نے اس خوشنمائی اور سجاوٹ کو دیکھکر مجھ سے فرمایا کہ دنیا کی اس عارضی اور فانی نقش ونگار پر اس وقت ایک شعر وارد ہوا ہے ؎

رنگ رلیوں پہ زمانے کے نہ جانا اے دِل　　یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

چشمِ ظاہر بیں اور عقل کا فرقِ اِدراک

بعض وقت بجاستوں پر سبزہ لہلہاتا ہوا دیکھکر چشمِ ظاہر بیں دھوکہ کھاجاتی ہے۔ اسیطرح جب سیاہ نمدے پر کوئی چیونٹی دانۂ گندم لیے ہوئے چلتی ہے تو ظاہر بیں اس دانے کو متحرک سمجھ کر اصل محرک سے بے خبر ہوتا ہے۔ اور عاقل

آدمی ظاہری آنکھ کے فیصلے پر اپنی عقل سے تبصرہ کرتا ہے اور دانے کے چیونٹی کے مُنھ میں ہونے اور دانے کی حرکت سے چیونٹی کی حرکت کا علم حاصل کر لیتا ہے اسی طرح انسان کو انسان کی رُوح اِدھر اُدھر لیے ہوئے چلتی پھرتی ہے اور رُوح جسم سے کس قدر قریب ہے لیکن جسم کی حرکت تو ظاہر ہے اور رُوح باوجود اِس درجہ قُرب کے ظاہری آنکھوں سے مخفی ہے۔ اسی کو حضرت عارف رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں ۔۔۔ لیک از جنبیدن تن جاں بداں

مولانا فرماتے ہیں کہ جسم کی حرکت رُوح کے سبب سے ہے اور رُوح کو تم دیکھتے نہیں ہو لیکن جسم کی حرکت سے جان کے وجود کو پہچان لیا کرو۔

چہرہ آنکھوں سے کس قدر قریب ہے لیکن انسان اپنا چہرہ دیکھنے کیلئے آئینہ کا محتاج ہے۔ اسی کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:-

اَلْمُسْلِمُ مِرْاٰۃُ الْمُسْلِمِ ۔۔۔ ایک مسلم کامل دوسرے مسلم ناقص کے امراض اور عیوب کا آئینہ ہے۔

یہی مسلم کامل اس کا مُصلح ہے، اپنا عیب مسلم ناقص کو خود نظر نہیں آسکتا ہے اسی سبب سے ضرورت ہے آئینہ کی یعنی مصلح کامل سے تعلق اور اس کی صحبت کے بدون اپنے امراض کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ رُوح کے علاوہ اور بھی ایسے نظائر موجود ہیں جن کے وجود کو بدون دیکھے ہوئے محض ان کے آثار و نشانات سے تسلیم کرتے ہو اور بے چون وچرا تسلیم کرتے ہو۔

ایمان بالغیب کے نظائر اور نمونے

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے ایمان بالغیب کے لیے دُنیا میں بہت سے نمونے پیدا فرما دیئے ہیں تاکہ اہلِ عقل اور اہلِ نظر اُن سے عبرت حاصل کریں اب اُن نظائر کو مولانا بیان فرماتے ہیں ؎

5091

خاک را بینی بہ بالا اے علیل | باد را نے جز بہ تعریف و دلیل
تیر پیدا بین و ناپیدا کمان | جانہا پیدا و پنہاں جانِ جان
دستِ پنہاں و قلم بیں خط گذار | اسپ در جولان و ناپید اسوار

یعنی تم خاک کو ہوا میں اُڑتی ہوئی دیکھتے ہو لیکن جو ہوا اس خاک کو فضا میں اُڑانے والی ہے اور خاک کو اس کے طبعی مرکز سے جُدا کرنے والی ہے اس کو بدوں دیکھے ہوئے اس کے وجود پر عقلی دلیل سے یقین کرتے ہو وہ عقلی دلیل کیا ہے ؎

پس یقین در عقل ہر دانندہ است | این کہ باجنبیدہ جنبانندہ است

وہ عقلی دلیل یہ ہے کہ ہر عاقل یقیناً اس بات کا جاننے والا ہے کہ ہر حرکت کرنے والی چیز کا کوئی محرّک درپردہ ضرور ہے جو اس کو حرکت میں لاتا ہے پس خاک کی گُرّہ کا ارض سے جُدا ہو کر فضاء میں حرکت کرنا یقیناً اس امر پر دلیل ہے کہ درپردہ کوئی اس متحرّک[۱] کا محرّک[۲] ہے جس کو ہم بدوں دیکھے ہوئے ہوا کہتے ہیں۔

پھر مولانا تیسری نظیر بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح جسم کی حرکت روح کے سبب سے اور خاک کی حرکت ہوا کے سبب سے بیان کی گئی اور ان دونوں نظیروں میں تم حرکتِ جسم اور حرکت گرد و غبار سے وجود رُوح اور وجود ہوا پر بدون دیکھے ہوئے یقین لاتے ہو۔ اب ایمان بالغیب کی تیسری نظیر سُنو تم اپنی آنکھوں سے تیر اُڑتا ہوا دیکھتے ہو اور کمان نظر سے غائب ہے لیکن تیر کا پرّاں ہونا کمان کے وجود پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ تیر پرّاں از کہ گردد از کماں" تیر تو کمان ہی کے ذریعے چلایا جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے اَرواح کے وجود ظاہر روح الارواح کے وجود مخفی پر دلالت کرتے ہیں۔ اب چوتھی نظیر ایمان بالغیب کی مولانا بیان فرماتے ہیں کہ ہاتھ پوشیدہ ہوتا ہے اور قلم کی حرکت سامنے ہوتی ہی مگر عاقل جانتا ہے کہ قلم اگر کسی زندہ کے

---

[۱] حرکت کرنے والی شے [۲] حرکت میں لانیوالی شے۔

ہاتھ میں نہ ہو تو حرکت سے مجبور ہے پس قلم کی حرکت سے ہاتھ کا وجود بدون دیکھے تسلیم کرلیتا ہے۔ اسی طرح مولانا پانچویں نظیر بیان فرماتے ہیں کہ میدان میں جب گھوڑا تیز دواں ہوتا ہے تو تیز رفتاری کے سبب گرد وغبار میں سوار مخفی ہو جاتا ہے لیکن گھوڑا دوڑتا ہوا دیکھکر بدون دیکھے یقین کرلیتے ہیں کہ اس گھوڑے پر کوئی سوار ضرور ہے۔ چھٹی نظیر یہ ہے کہ تم پھول کی خوشبو سونگھ کر بدون دیکھے ہوئے پھول کے وجود پر اس کی خوشبو سے دلیل قائم کرتے ہو۔ ساتویں نظیر یہ ہے کہ شراب کے جوش اور اس کے نشے سے شراب کو بدون دیکھے ہوئے مان لیتے ہو۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں ؎

بوئے گل دیدی کہ آنجا گل نبود — جوشِ مل دیدی کہ آنجا مل نبود

فرماتے ہیں کہ اے مخاطب کیا تو نے پھول کی خوشبو ایسی جگہ محسوس کی جہاں پھول موجود نہ ہو یا شراب کا جوش ایسی جگہ دیکھا جہاں شراب موجود نہ ہو۔ پھر مولانا بطور نصیحت کے بیان فرماتے ہیں کہ ؎

صورتِ دیوار سقف ہر مکان — سایۂ اندیشۂ معمار دان

یعنی ہر دیوار کی صورت اور مکان کی چھت دیکھ کر اس کو اس کے معمار کی فکر کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے، یعنی اولاً معمار مکان کا ایک نقشہ اپنے ذہن میں متعین کرلیتا ہے جو نظر سے غائب ہے پھر اسی نقشۂ ذہنیہ کے مطابق مکان کی تعمیر وجود خارجی میں آتی ہے اور اس ظاہری تعمیر سے معمار کی استعداد باطنی اور تشکیل ذہنی پر استدلال کرتے ہیں۔ اسیطرح دنیا میں اور بھی نظائر و مثالیں موجود ہیں کہ سبب نظر سے مخفی ہوتا ہے اور مسبّب کو دیکھ کر اس کے مخفی سبب پر یقین کرتے ہیں مثلاً گریہ وزاری یا چہرہ کی افسردگی کسی مخفی خیالِ غم کے تابع ہوتی ہے اور چہرے کی بشاشت و تازگی کسی باطنی مسرّت کی مخبری کرتی ہے۔ اسی طرح یہ غذائیں جو باعتبار وجود کے ظاہر ہیں انسان کے اندر بینائی شنوائی وغیرہ پیدا کرتی ہیں جن کو ہم دیکھنے سے

قاصر ہیں۔ اس قدر نظائر کے بعد اب سمجھنا چاہیئے کہ دنیا میں بہت سے مغیبات یعنی مخفی موجودات کو ہم بدون دیکھے ہوئے محض ان کے آثار اور انکی نشانیوں سے تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سب ایمان بالغیب کے نمونے ہیں۔ پس وہ ذات پاک کہ جسکے وجود پاک پر تمام عالم کا ہر ایک ذرہ ایک ایک پتّہ نشان دہی کرتا ہو جسکی نشانیوں کو ہم شمار تک نہیں کر سکتے ہیں ایسی ذات پاک پر ایمان نہ لانا ان بیشمار نشانیوں کے ہوتے ہوئے سخت نادانی اور کھلی گمراہی ہے۔ اِسی لیئے حق تعالےٰ نے کافروں کو اکثر جگہ لَا یَعْقِلُوْنَ فرمایا ہے اور لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ فرمایا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں ؎

گر تو اورا می نہ بینی در نظر — فہم کن اما با ظہار اثر

اگر تم ان ظاہری آنکھوں سے اللہ کو نہیں دیکھتے ہو تو اللہ کو اللہ کی ان تمام نشانیوں سے پہچان لو جو تمام زمین اور آسمان میں پھیلی پڑی ہیں۔

آفتاب کیلئے کیا دلیل ہے

خود نباشد آفتابے را دلیل — جز کہ نور آفتاب مستطیل

آفتاب نکلا ہوا ہو اور کوئی نادان دلیل طلب کرے تو بجز اس کے کوئی دلیل نہ ہوگی کہ اس کا کان پکڑ کر دکھا دیا جاوے کہ تمام عالم کو کس نے روشن کر رکھا ہے۔

امتناع رؤیت فی الدنیا پر ممکنات سے استدلال جب ممکنات میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن کو ہم دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں مثلاً رُوح اور ہوا اور خوشبو وغیرہ وغیرہ اور ان ادنیٰ مخلوقات پر ایمان بالغیب میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ پھر اللہ جو ان تمام مخلوقات کا خالق ہے ان کی ذات پاک پر ایمان بالغیب کے لئے عقل کہاں چلی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کے اتنے نمونے پیدا فرما کر بندوں پر

حجت قایم فرمادی ہو روح کی لطافت کے سبب جب ہم روح کو دیکھنے سے عاجز ہیں تو جو ذات روح کی خالق ہو اس کو ہم اس عالم ناسوت میں کیسے دیکھ سکتے ہیں کیا اللہ کی لطافت نعوذ باللہ روح جیسی مخلوق شے سے بھی کم ہو۔ نیز اسی طرح ہم سورج کو نصف النہار کے وقت دیکھنے کی قدرت اپنی آنکھوں میں نہیں پاتے ہیں حالانکہ سورج ایک ادنیٰ مخلوق ہو۔ پھر حق تعالیٰ کی ذات پاک جو نور السموٰت والارض ہو انکو ہم اس عالم میں کیونکر دیکھ سکتے ہیں، آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام تجلی طور سے بے ہوش ہو کر گر پڑے اور طور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

وقوع رویت باری تعالیٰ فی الآخرۃ البتہ اس عالم فانی میں ہماری آنکھیں ایمان بالغیب اور اعمال صالحہ کے انوار سے بنائی جارہی ہیں اور یہ آنکھیں آخرت میں کھولدی جائیں گی۔ ان کے اندر وہاں مشاہدۂ تجلیات الٰہیہ کی صلاحیت پیدا فرمادیں گے۔

حکمت امتناع رویت فی الدنیا اور اس عالم میں اپنے کو حق تعالیٰ دکھادیں تو سارا عالم فنا ہو جاوے ان مادیات میں انکی تجلیات کا تحمل نہیں ہو۔ ملائکہ حق تعالیٰ کی ایک مخلوق ہیں لیکن حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہو کہ اگر فرشتہ نبی بنا کر بھیجدیا جاتا تو تمہارا کام ہی تمام ہو جاتا "لقضی الامر" دیکھتے ہی روح فنا ہو جاتی تو جس ذات پاک کی مخلوقات میں یہ کرشمہ ہو تو

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند　　　صاف گر باشد ندانم چوں کند

اسی کو حضرت عارف فرماتے ہیں ؎

زانکہ نامحدود ناید در حدود　　　بحر مطلق چوں در آید در قیود

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی ذات پاک غیر محدود ہو اور یہ عالم ناسوت اور اسکی تمام مخلوقات ممکنہ سب محدود ہیں پس حق تعالیٰ شانہ حدود میں نہیں آسکتے ہیں۔ بحر

ناپیدا کنار ظرف محدود میں مقید نہیں ہو سکتا ہے۔

تفکر فی اللہ سے ممانعت اور تفکر فی المخلوقات کا حکم اسی سبب سے سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں غور و فکر سے منع فرمایا ہے (کیونکہ عقل محدود میں غیر محدود ذات کا ادراک ناممکن اور محال ہے) اور فرمایا کہ تفکروا فی الاٰءِ اللہِ۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے لئے تمام نشانیاں زمین میں موجود ہیں انھیں نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا چاہیئے۔

کسی بدوی سے کسی نے دریافت کیا کہ تو خدا کو کیسے پہچانتا ہے اس دیہاتی عرب نے جواب دیا کہ:۔ البعرۃ تدل علی البعیر واثارۃ الاقدام علی المسیر فسماءٌ ذات ابراج وارضٌ ذات فجاج کیف لا تدل علی اللطیف الخبیر جس طرح اونٹ کی مینگنیاں گواہی دیتی ہیں کہ اس راہ سے اونٹ گزرا ہے اور قدموں کے نشانات چلے ہوئے راستوں کا پتہ بتاتے ہیں پس آسمان برجوں والا اور زمین کشادہ راستوں والی اس ذات پاک لطیف خبیر کے وجود پاک پر کیونکر دلالت نہ کریں گے کسی نے خوب کہا ہے۔

کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی   ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

ایک بدوی کا اور قصہ یاد پڑا جس وقت اس بدوی نے یہ آیت سنی

فورب السماء والارض انه لحق مثل ما انكم تنطقون ٥ (سورۂ ذاریات)	تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی کہ وہ روز جزاء برحق ہے اور ایسا یقینی ہے جیسا تم باتیں کرتے ہو اور کبھی اس میں شک نہیں ہوتا اسیطرح اسکو یقینی سمجھو (بیان القرآن پ ۲۶ ذاریات)

پس اس آیت کو سنتے ہی اس بدوی نے چیخ ماری اور غلبۂ حال میں کہا وہ کون ظالم تھا جس نے میرے رب سے ایسی قسم کھلائی۔

سورۂ فاتحہ سے استدلال وحدانیت۔ سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنی

وحدانیت اور اُلوہیت کو بیان فرمانے کے بعد اس دعویٰ کی دلیل میں رب العالمین فرمایا ہے۔ الحمد للہ میں اگرچہ خود اجمالی دلیل بھی موجود ہے کیونکہ اللہ کہتے ہی ہیں ایسی ذات پاک کو جو جامع ہو تمام صفات کمالیہ کو۔ لیکن چونکہ بندوں میں مختلف درجات عقل کے افراد ہوتے ہیں اسلئے اس اجمالی دلیل کے باوجود ایک تفصیلی دلیل بھی بیان فرمائی جو بندوں کے ہر وقت مشاہدات میں ہے اور کوئی سلیم العقل اور سلیم الفطرۃ انسان کھلی آنکھوں مشاہدات کا انکار نہیں کرسکتا ہے وہ دلیل رب العالمین ہے۔

معرفتِ الٰہیہ کا ربوبیت الٰہیہ سے تعلق رب العالمین میں حق تعالیٰ نے اپنی پہچان کی اتنی نشانیاں رکھدی ہیں جس کا احاطہ انسان کے علمی احاطے سے باہر ہے۔ کیونکہ تمام عالم کے ہر ایک ذرّے میں ایک ایک پتّی اور اس کے باریک سے باریک رگ و ریشے میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت الٰہیہ کارفرما ہے کائنات عالم کا ہر ذرہ ربوبیت الٰہیہ کا مرہون ہے زمین اور آسمان میں ربوبیت الٰہیہ کے کارخانے پھیلے ہوئے ہیں ؎

وفی کل شئ لہ اٰیۃ تدل علی انہ واحد

(ترجمہ) ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی نشانی موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔

تربیت کی تعریف ربٌّ مصدر ہے جو معنی میں اسم فاعل کے ہے یعنی تربیت کرنے والا۔ تربیت کہتے ہیں کسی چیز کو اس کے درجۂ نقصان سے تدریجاً اس کے درجۂ کمال پر پہنچا دینا۔ مثلاً ایک قطرہ منی میں تدریجاً تربیت کرکے اس کو انسانی قد و قامت کے درجۂ کمال تک پہنچا دینا۔ یا بقدر ذرہ بیج میں تربیت کرکے تدریجاً اس کو اس کے پورے درخت کی قد و قامت پر پہنچا دینا۔ عالم کے ہر ذرّے کا کسی ذرّے سے اتصال یا انفصال حق تعالیٰ ہی کی تربیت کے تحت ہوتا ہے۔

عالَم کی تعریف عالَم عَلَم سے مشتق ہے عَلَم کے معنی نشان کے ہیں چونکہ ہر ذرہ

عالم کا اپنے پروردگار کے وجود کی نشاندہی کرتا ہے اس لئے ہر ما سوا اللہ کو عالم کہتے ہیں۔ اور ربُّ العالمین میں عالمین عالم کی جمع ہے۔ مخلوقات کی الگ الگ جنس ایک ایک عالم کہلاتی ہے مثلاً عالم ملائکہ۔ عالم انسان۔ عالم جن وغیرہ۔

ماں باپ کی تربیت کا ربوبیت الٰہیہ سے تعلق
ماں باپ کی تربیت جو اولاد سے متعلق ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تربیت کا پَرتو ہے۔ ماں باپ اولاد کے ساتھ شفقت اور محبت کو کہاں سے لائے ہیں۔

حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

مادراں را مہر من آموختم — چوں بود شمعے کہ من افروختم

حق تعالیٰ کی طرف سے مولانا فرماتے ہیں کہ ماں کو اولاد کے ساتھ محبت کرنا میں نے ہی سکھایا ہے کیسی شمع ہوگی جس کو میں نے روشن کیا ہو۔

ماں باپ جب مخلوق ہیں تو ان کی تمام کیفیات محبت و شفقت وغیرہ بھی مخلوق ہیں جو خالق حقیقی کی عطا سے ملی ہیں حق تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو غیر جنس سے اولاد جیسی محبت عطا فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم مبارک سے جب کیڑے نکلنا چاہتے تو آپ محبت کی وجہ سے انکو نہ نکلنے دیتے اسی کو مولانا فرماتے ہیں

دادہ من ایوب را مہر پدر — بہر مہمانی کرماں بے ضرر

میں نے ایوب علیہ السلام کو باپ کی سی محبت دی تھی کیڑوں کی مہمانی کے لئے بدون ضرر پہنچانے کے۔

اولاد کی پرورش کی خدمت والدین کے سپرد فرما کر ان کے حقوق بھی مقرر فرما دیئے کیونکہ ان کے ہاتھوں سے کام لیا گیا ہے ماں کے شکم میں ایسی مہربانی کے ساتھ پرورش فرمائی ہے کہ ماں کو خواہ تکلیف ہو جاوے لیکن ہم کو تکلیف نہیں ہونے دی فرماتے ہیں حملته امه کرها ووضعته کرها ماں نو مہینے تک بچہ کا بوجھ

اُٹھاتی پھرتی ہے اس میں کیسی کیسی تکلیفیں جھیلتی ہے پھر وضع حمل کے وقت کیسی تکلیف اُٹھاتی ہے اور اس کی تکلیف کو بھی لذیذ فرمادیا اس اُمید سے کہ میرا بچہ ہے کس کا بوجھ اُٹھاتی ہوں اپنے بچہ کا وضع حمل کی تکلیف کو یہ اُمید آسان کردیتی ہے کہ ابھی تھوڑی دیر میں میرا بچہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک بن کر میری آنکھوں کے سامنے آجاوے گا اور بچے کو اپنی ماں سے کیسا تعلق ہوتا ہے ماں کالی کلوٹی اور کیسے ہی گندے لباس میں ہو لیکن بچے کو اپنی وہی پھوہڑ ہی ماں پیاری ہوتی ہے دوسری عورت جو ماں سے بہت خوبصورت ہو اور عمدہ لباس میں ہو اگر بچے کو گود میں لینا چاہے تو بچہ منھ پھیر لیتا ہے اپنی اُسی میلی کچیلی ماں سے اسکو سکون ملتا ہے۔ اسیطرح بچہ کیسا ہی ہو کانا ہو لنگڑا ہو گونگا ہو بہرا ہو ہزار عیب ہوں لیکن ماں کے دل سے اس بچے کی محبت پوچھو کوئی اگر درخواست بھی کرے کہ میرے صحیح سالم تندرست بچے سے اپنے بچے کو بدل لے تو ماں ہرگز راضی نہ ہوگی یہ سب عبرت کی باتیں ہیں۔

تصرفات بالوسائط کی حکمت

اسباب کے پردے ڈالدیتے ہیں تاکہ بندوں کے لئے یہ عالم امتحان کا عالم رہے اگر اسباب ہٹادیئے جائیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے براہ راست تصرفات مشاہد ہوجائیں تو پھر ایمان بالغیب کہاں رہا اور حق تعالیٰ اپنے بندوں سے ایمان بالغیب چاہتے ہیں ؎

یومنوں بالغیب می باید مرا	تا بہ بستم روزن فانی سرا

مولانا رومی حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت بیان فرماتے ہیں کہ اے بندگان جن اور انس میں تم سے ایمان بالغیب چاہتا ہوں اس لئے اس عالم فانی میں کوئی روزن میں نے نہیں رکھا جس سے مجھے دیکھ سکو۔

مگر ان اسباب کے پردے میں میری ربوبیت کار فرما ہے یعنی یہ اسباب میری مشیت اور حکم کے تابع ہیں۔ جب میں چاہتا ہوں ان اسباب سے کام لے لیتا ہوں یعنی

ان میں اثر پیدا کر دیتا ہوں اور جب چاہتا ہوں ان اسباب کو بے اثر کر دیتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی اسباب کے باوجود تم نامراد اور مقصود سے محروم رہتے ہو۔

تخلف فی الاسباب کی حکمت اس تخلف اسباب کی صد ہا نظیریں ہر وقت تمہارے مشاہدات میں ہیں مثلاً ایک آدمی اولاد کیلئے شادی کرتا ہے شوہر اور بیوی کے تعلقات کے باوجود اولاد سے محروم رہتا ہے اسیطرح دو شخص سامان تجارت لیکر دوکان کھولتے ہیں ایک اسی سرمایے سے ترقی کرتے کرتے مالداروں میں شمار ہونے لگتا ہے۔ دوسرا اصل سرمایہ بھی کھا پی کر تہیدست پھرتا ہے۔

دو آدمیوں نے ایک ہی قسم کی کھیتی کی اور تمام اسباب زراعت کا کاوش کے ساتھ پورا پورا انتظام کیا لیکن ایک شخص غلّے سے مالا مال ہو جاتا ہے اور دوسرا باوجود اسباب کے محروم رہ جاتا ہے۔ اسیطرح گاہ گاہ حق تعالیٰ ان اسباب عادیہ کے خلاف اپنی قدرت کا ظہور فرما دیتے ہیں تاکہ اسباب سے تکیہ اور اعتماد اٹھ جائے۔ اسباب اور تدابیر کو میں بھیک کے پیالے سے تشبیہ دیا کرتا ہوں۔ اور وہ پیالہ بھی ٹوٹا ہوا ان کا حکم سمجھ کر تدابیر اختیار کرتے ہیں بھیک ملے گی کس میں۔ عادۃ اللہ یہی ہے کہ بندے جب اپنی طرف سے تدبیر اختیار کرتے ہیں حق تعالیٰ شانہ اُن تدابیر کو مقصود تک پہنچا دیتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ جو متقین بندے ہیں ان کو بدون تدابیر کے ایسی جگہ سے روزی عطا فرماتے ہیں جہاں اُن کا گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ط وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ	اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کیلئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اسکو ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا

عَلَی اللہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ط اِنَّ اللہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ ۝ (پ ۲۸ سورۂ حشر)

اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اس کیلئے کافی ہو اور اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرکے رہتا ہے۔

ایک حکایت۔ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللہِ رِزْقُھَا کی تفسیر میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب میں یہ خیال گزرا کہ تمام روئے زمین کے جانداروں کو حق تعالیٰ شانہٗ کسطرح روزی پہنچاتے ہوں گے۔ یہ خیال گزرنا تھا کہ وحی نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ اس پتھر کو توڑ دو جب ایک پرت توڑ چکے تو حکم ہوا پھر توڑو اسیطرح پتھر کے متعدد پرت توڑنے کے بعد دیکھتے ہیں کہ ایک کیڑا ہے جس کے منہ میں دوسرا کیڑا اس کی خوراک بنا ہوا ہے وہ رب العالمین ہیں سارے عالم کے پروردگار ہیں۔ ماں باپ کی آغوش تربیت میں دینے سے پہلے نو مہینے تک اپنی خاص تربیت میں رکھا تھا نو ماہ تک ماں کو بھی خبر نہیں تھی کہ میرے اندر کیا ہو رہا ہے اس قطرۂ منی میں کیا کیا عجیب تصرفاتِ الٰہیہ ہو رہی ہیں آنکھیں کب بن رہی ہیں اور اس میں بینائی کا خزانہ کب رکھا جا رہا ہے۔ کان کس وقت بنے اور اس میں شنوائی کا خزانہ کس وقت رکھا گیا۔ ہڈیاں کب بنیں اور کب اُن پر گوشت چڑھایا گیا۔ ماں کو جس کے اندر یہ سب کرشمے ہو رہے ہیں کچھ علم نہیں ہے کہ اس بچے کی کس طرح تربیت حق تعالیٰ فرما رہے ہیں۔ اور نہ ماں باپ کو یہ خبر ہے کہ شکم میں بچہ ہے یا بچی ہے یہ حجت قائم فرما دی کہ دیکھ لو۔

تربیت بدونِ واسطہ

بدون واسطۂ اسباب تم اتنے دن تک میری تربیت میں رہے ہو اور یہ تمام اعضاء اور ان کے اندر ظاہری و باطنی قوتیں یعنی یہ جسد مع روح کے تم عطاء حق سے لیکر تب ماں باپ کی گود میں سُپرد کئے گئے ہو۔ اب اسباب کے حجاب ہونے کا عذر نہیں کر سکتے ہو بلکہ یہ اسباب

بھی ہماری طرف سے عطا یا ہیں اور کبھی ہم بدون ان اسباب کے بعض بندوں کی تربیت کرتے ہیں تاکہ بے حجاب میرے الطاف و اکرام کو دیکھ لیں۔

نمرود کی تربیت کا واقعہ مثنوی شریف میں ایک حکایت حق تعالیٰ شانہٗ کے تصرفات عجیبہ سے متعلق لکھی ہے کہ ایک بار حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ کس شخص کی روح قبض کرنے میں تمہارا دل زیادہ مغموم ہوا۔ عرض کیا کہ ایکبار ایک کشتی تیز رو دریا میں چل رہی تھی کہ آپ کا حکم ہوا کہ اس کشتی کو توڑ دو میں نے حکم کے مطابق توڑ دی یہاں تک کہ کشتی ریزہ ریزہ ہو گئی پھر حکم ہوا کہ سب کی جان قبض کرے بجز ایک عورت اور اسکے بچے کے پھر حکم کے مطابق میں نے سب کی جان قبض کر لی بجز ایک عورت اور اسکے بچے کے پھر یہ دونوں ایک تختے پر رہ گئے اور ہوا نے اس تختے کو جب دریا کے کنارے ڈالدیا تو میں بہت خوش ہوا کہ اب ان دونوں کی خلاصی ہو گئی پھر آپ نے حکم فرمایا کہ ماں کی جان قبض کرلے اور بچے کو تنہا چھوڑ دے اس حکم کے مطابق جس وقت میں نے بچے کو ماں سے جُدا کیا ہی خود آپ جانتے ہیں کہ مجھکو کس قدر صدمہ ہوا۔ اس بچے کا غم اب تک میرے خیال میں قائم ہے حق تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اب تم اس بچہ کا حال سُنو کہ میں نے کس طرح اسکی تربیت فرمائی۔ میں نے موج کو حکم دیا کہ اس بچے کو ایک ایسے جنگل میں ڈالدے جو نہایت سرسبز و شاداب ہو اور اس میں میوے دار درخت اور آب شیریں کے چشمے ہوں میں نے اُس بچے کیلئے ہوا کو حکم دیا کہ اس پر آہستہ چل اور خورشید کو حکم دیا کہ اس پر سے مت گزر۔ ابر کو حکم دیا کہ اس پر بارش مت برسا۔ برق کو حکم دیا کہ اسکی طرف میل مت کرنا۔ موسم خزاں کو حکم دیا کہ اس چمن سے اعتدال مت سلب کرنا۔ ایک چیتے نے نیا بچہ جنا تھا میں نے اس کو حکم دیا کہ اس بچے کو دودھ پلا دیا کر میرے حکم سے اُس نے اس بچے کو دودھ پلایا یہاں تک کہ یہ بچہ بالغ ہو گیا اور خوب فربہ اور شیر مرد ہو گیا۔ پھر جب اس کے

دودھ چھڑانے کا وقت ہوا تو میں نے جنات کو حکم دیا کہ اس بچے کو بولنا اور حکومت کرنا سکھاؤ غرض اُس بچے کی میں نے صدہا عنایت اور صدہا کرم کے ساتھ پرورش کی تاکہ وہ میرا لطف بے واسطہ دیکھے اور اس کی ہر استعانت میری طرف سے ہو اور اسباب سے اس کی نظر اُٹھ جاوے اور یہ میرے الطاف وکرم اس پر حجت بن جائیں اور گمراہ ہونے میں آئندہ کوئی عذر نہ کر سکے کہ میں اسباب پر نظر کرنے کے سبب آپ کی انعامات وآیات کی طرف متوجہ نہ ہو سکا اور کسی بُرے ساتھی سے اس کو شکایت نہ ہو کہ فلاں یار بدنے مجھے گمراہ کر دیا۔ کیونکہ بلا اسباب عادیہ میری طرف سے براہ راست اس پر صدہا الطاف وعنایات ہوئے ہیں۔ اب کسی عذر کی گنجائش نہ رہی۔ کیونکہ اس نے اپنی بیتی ہوئی پرورش دیکھی ہے کہ میں نے بلا واسطہ اس کی صدہا ناز ونعمت سے تربیت کی ہے مگر اے عزرائیل اب ہماری ان صدہا نعمتوں کا اس بچہ نے کیا شکر ادا کیا یہ بھی سُن لو وہی بچہ آئندہ نمرود ہو گیا اور میرے خلیل (ابراہیم علیہ السلام) کو آگ میں ڈالنے والا ہو گیا۔ مولانا رومؒ کو حق تعالیٰ شانہ نے معرفت کا بڑا حصہ عطا فرمایا تھا۔ اس قصے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں کہ اگر دوسروں کے لئے ماں باپ حجاب ہو گئے ہوں تو اس نے تو ہم سے براہ راست میری عطایا اور میری ربوبیت کا مشاہدہ کیا تھا۔ واقعی نفس بد بڑا ناشکرا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ غریب اور فاقہ زدہ انسان کبھی خداوندیت کا دعویٰ نہیں کرتا ہے کیونکہ اس کے تکبر کا مادہ خبیثہ افلاس کی تکلیف سے دبا رہتا ہے۔

افلاس کی حکمت۔ روٹی کا غم خدائی کے دعویٰ سے باز رکھتا ہے۔ ہمیشہ پُرشکم اور صاحب اسباب جاہ ومال ہی پر شیطان کا تصرف زیادہ ہوا کرتا ہے

اس لئے فرماتے ہیں۔ کہ ؎

آدمی خود مبتلا بہتر بود   زانکہ زار و عاجز و مضطر بود

پس آدمی بلائے فقر وغیرہ میں مبتلا اچھا رہتا ہے کیونکہ وہ اس حالت میں زار و عاجز اور مضطر رہتا ہے اور عجز و زاری کے ہوتے ہوئے مفاسد لازمہ و متعدیہ سب کم ہوتے ہیں بخلاف اسباب طغیانی اور سرکشی کے جب انسان کو مل جاتے ہیں تو نفس کا خُبث پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔

نفس کی نگرانی اسی لئے مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کا نفس اگر تربیت یافتہ بھی ہو جاوے تب بھی اس کے شر سے غافل نہ ہو

گر معلم گشت ایں سگ ہم سگ است   باش ذلت نفسہ کو بد رگ است

فرماتے ہیں کہ یہ سگ یعنی نفس اگر تعلیم یافتہ بھی ہو جاوے تب بھی یہ سگ ہی ہے۔ پس اس طرح سے نفس کو رکھو جس کا نفس ذلیل ہے کیونکہ نفس بد رگ ہے۔

زیں سبب می گویم اے بندہ فقیر   سلسلہ از گردن سگ وا مگیر

فرماتے ہیں کہ میں اسی سبب سے کہتا ہوں اے بندہ فقیر۔ زنجیر کتّے سے یعنی نفس کی گردن سے مت نکال۔ یعنی ہمیشہ نفس کی نگہداشت رکھنا چاہئے۔

ہمارے خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے اسی مضمون کو اس شعر میں فرمایا ہے

نفس کا اژدھا دلا دیکھ ابھی مرا نہیں   غافل ادھر ہوا نہیں اس نے اُدھر ڈسا نہیں

صفت ربوبیت الٰہیہ کا تمام اسمائے حسنیٰ سے ربط رب العالمین حق تعالیٰ کی ایسی صفت ہے جو تمام صفات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے ربوبیت میں تمام اسمائے حسنیٰ کی توجہ شامل رہتی ہے۔ مثلاً ہر جاندار کو رزق پہونچانے میں صفت رزاقیت کا ظہور ہے اور تمام زندوں کی حیات میں صفت حَیّی کا ظہور ہے اور تمام مخلوقات کی حفاظت میں صفتِ حفیظ کا ظہور ہے۔

اپنے بندوں کے عیوب پر پردہ ڈالنے میں حق تعالیٰ کی صفت ستاریت کا ظہور ہے۔ مجرمین اور سرکش قوم پر عذاب نازل فرمانے میں صفت ذوالانتقام اور قہاریت کا ظہور ہے۔ اور باوجود قدرت کاملہ اور قدرت قاہرہ کے بندوں کی نافرمانیوں پر عذاب میں تاخیر کرنے میں حق تعالیٰ کی صفتِ حلم کا ظہور ہے نیز کافروں کے کفر اور ان کی سرکشی کے باوجود ان پر رزق کی بارش میں صفتِ کرم کا ظہور ہے۔

الغرض شانِ ربوبیت ایسی صفت ہے جو تمام اسمائے حسنیٰ کے فیوض کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے پس پروردگارِ عالم نے اپنی ربوبیت کی دلیل میں الحمد للہ کے بعد رب العالمین فرما کر بتا دیا کہ ہماری شانِ ربوبیت ایسی صفت ہے جو ہماری الوہیت کی تفصیلی دلیل ہے کیونکہ تمام عالم کے ہر ایک ذرّے پر ہماری ربوبیت کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو چونکہ ربوبیت الٰہیہ کو معرفت الٰہیہ میں بڑا دخل ہے۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے الحمد للہ کے بعد اپنی پہچان کے لئے صفت رب العالمین کو بیان فرمایا ہے۔

ہمارے مرشدی مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا ۔۔۔ تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

اور ارشاد فرمایا کہ شاعر عارف نہ تھا اس وجہ سے اس نے کہا تھا

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا ۔۔۔ نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

اگر عارف ہوتا تو ہر پھول اور پھولوں کی ہر ایک پتیاں اس کو معرفت الٰہیہ کے لئے ایک دفتر معلوم ہوتیں ؎

برگ درختان سبز در نظر ہشیار ۔۔۔ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کے مصرعہ ثانی میں یہ ترمیم فرما کر پڑھا کرتے تھے۔

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا ۔۔۔ تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

ہر ایک ذرّہ بتا رہا ہے کہ میرا کوئی پیدا کرنے والا ہی۔ جس طرف نگاہ اُٹھائیے تو اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں پر نظر پڑتی ہی آسمان اور زمین اور ان کے اندر جتنی عجیب اور غریب مخلوقات ہیں۔ یہ چاند، سورج، ستارے، دریا، پہاڑ، سمندر، ہر قسم کے درخت ہر قسم کے پھل پھول اور پھولوں کی ایک ایک پنکھڑی اور پنکھڑیوں کی باریک باریک رگ و ریشہ سب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر گواہی دیتے ہیں تمام عالم میں انھیں کی حکومت ہی انھیں کی تربیت ہی۔ جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہی۔ غیر کون ہی۔ صاحب مامقیمان فرماتے ہیں ؎

کہ بچشمان دل مبین جز دوست ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست

جس طرف نگاہ کیجئے تو یہی معلوم ہوتا ہی کہ ع

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

صرف ہاتھ میاں کا نظر نہیں آتا ہی باقی تصرفات سب انھیں کے ہیں اسیکو حضرتِ عارف رح فرماتے ہیں ؎

شد جہاں آئینۂ رخسار دوست ہر دو عالم در حقیقت عکس اوست

ترجمہ۔ ہر چیز میں عکس رُخ زیبا نظر آیا عالم مجھے بس جلوہ ہی جلوہ نظر آیا (مولانا عبدالرحیم)

ہیچ برگے بر نیفتد از درخت بے قضاء و حکم آں سلطانِ بخت

ترجمہ۔ کوئی پتہ درخت سے جُدا نہیں ہوتا ہی جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے اسے حکم نہ ہو۔

از دہاں لقمہ نشد سوئے گلو تا نگوید لقمہ را حق کا دخلوا

ترجمہ۔ کوئی لقمہ حلق کی طرف دخول کے لئے مائل نہیں ہوتا ہے جب تک حق تعالیٰ کی طرف سے ادخلوا کا حکم اس کو نہیں ہوتا ہے۔

در زمین و آسماں ہا ذرّہ بر نجنباند نگردد پرّہ

زبر- زمین اور آسمان کا کوئی ذرہ حکم الٰہی کے بغیر نہ تو اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہو اور نہ اُڑ سکتا ہے-

اسباب و تدابیر کا درجہ اور ان کی صحیح حقیقت میں تدابیر اور اسباب کو بھیک کے پیالے سے تشبیہ دیتا ہوں یعنی تدابیر کا درجہ ایسا ہی ہو جیسے بھک منگا اپنا ٹوٹا پھوٹا پیالہ لیکر بادشاہ کے دروازے پر حاضر ہو جائے تو ظاہر ہے کہ بھیک ملے گی کس میں- پس تدابیر کو اختیار کرنا ایسا ہی ہو کہ بندہ بھیک کا پیالہ لیکر میاں کے دروازے پر بھیک مانگنے کیلئے حاضر ہو گیا- اب اس تدبیر کا پھل کون دے گا جو اس تدبیر کا بھی مالک اور خالق ہو وہی اس تدبیر میں اثر پیدا کرتا ہو اور وہی تدبیر کی آغوش میں مقصود کا پھل رکھ دیتا ہو-

تدابیر کے موثر بالذات نہ ہونے پر استدلال یہی وجہ ہو کہ ایک ہی تدبیر دو شخص کسی مقصود کے لئے اختیار کرتے ہیں لیکن ایک کامیاب ہو جاتا ہو دوسرا ناکام رہتا ہو- اگر یہ تدابیر فی نفسہٖ اپنی ذات میں اثر رکھتیں تو دونوں کو کامیاب اور فائز المرام ہونا چاہیئے تھا مگر یہ مشاہدات روزمرہ کے ہمارے سامنے موجود ہیں کہ ایک شخص کئی سال محنت کر کے مثلاً سلائی کا کام سیکھتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس کو سلائی میں روزی نہیں دیتے ہیں مجبوراً وہ دوسرا طریقہ روزی کے لئے اختیار کرتا ہو- اور اللہ تعالیٰ اُس راہ سے اس کو روزی عطا فرماتے ہیں- یہ حیرت میں سوچتا ہو کہ اتنی محنت سے سلائی کا کام سیکھا تھا لیکن کیا معلوم تھا کہ میری روزی نجاری میں تھی- اگر معلوم ہوتا تو سلائی میں اتنی مشقت اور اپنی عمر نہ کھوتا- مگر اللہ تعالیٰ بندوں کو دکھاتے رہتے ہیں تاکہ بندوں کو اپنا جہل اور اپنے عجز کا علم الیقین حاصل ہو جائے- اسیطرح ایک شخص انگریزی

تعلیم کی بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کرتا ہے اور دل میں یہ خیال اس کو ہر وقت مسرور رکھتا ہے کہ کسی بڑی ملازمت کی کرسی نشینی حاصل ہو گی لیکن اللہ تعالیٰ اسکی روزی ملازمت کی راہ سے نہیں عطا فرماتے مجبوراً یہ شخص کسی چیز کی دوکان کھول لیتا ہے اور اس دوکان سے اس کو روزی ملتی ہے یہ شخص حیرت زدہ سوچتا ہے کہ کاش معلوم ہوتا کہ میری روزی اسی دوکان میں ہے تو میں اتنی عمر اور اتنا سرمایہ دوکان ہی میں صرف کرتا۔

تخلف اسباب سے مؤثر حقیقی کی پہچان گر اللہ تعالےٰ دکھاتے رہتے ہیں تاکہ بندے اپنے جہل اور عجز کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور سمجھ لیں کہ جب ہم اس طور سے عاجز ہیں تو یقیناً کوئی ایسی ذات پاک ہے جو ان اسباب اور تدابیر کی خالق اور مالک ہے اور سارے جہاں کا انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے جب میاں چاہتے ہیں تو ان اسباب و تدابیر کے ذریعہ مقصود تک پہنچا دیتے ہیں اور جب حق تعالیٰ کو منظور نہیں ہوتا ہے تو یہ تدابیر و اسباب بالکل بے اثر ثابت ہوتے ہیں پس معلوم ہوا کہ یہ تدابیر اور اسباب مطلقاً ہمارے اختیار میں نہیں دیئے گیے ہیں صرف ان کا اختیار کرنا تو ہمارے اختیار میں دیدیا ہے لیکن ان میں اثر پیدا کرنا اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ ان اسباب و تدابیر کے پردے میں ہاتھ انہیں کا کام کر رہا ہے مگر اہل ظاہر اس سے بے خبر ہیں اور عارفین اپنی نگاہ بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں کہ ان اسباب و تدابیر کی باگ ڈور حق تعالیٰ ہی کے دستِ قدرت میں ہے۔

کما قال العارف الرومی رح

از مسبب می رسد ہر خیر و شر   نیست اسباب و وسائط را اثر

ترجمہ- مولانا فرماتے ہیں کہ ہر خیر و شر کے مالکِ حقیقی حق تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے

اسباب اور وسائط میں فی نفسہٖ کچھ اثر نہیں ہے۔ یہ اسباب و تدابیر اپنا کام اسیوقت انجام دیتے ہیں جب ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے اذن اور اشارہ مل جاتا ہے۔ ہماری نگاہ میں یہ اسباب مردہ ہیں لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ ان کا تعلق غلامی کرنے میں زندوں جیسا ہے ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند   با من و تو مردہ با حق زندہ اند

اندریں شہر حوادث میر اوست   در ممالک مالک تدبیر اوست

ترجمہ۔ اس شہر حوادث یعنی دُنیا، فانی کے تمام تصرفات کی مالک حق تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہو تمام ممالک میں تدابیر اور اسباب اپنے اثر کے اعتبار سے انھیں کے مملوک ہیں۔

خرم آنکہ عجز و حیرت قوت اوست   در دو عالم خفتہ اندر ظل دوست

ترجمہ۔ مولانا فرماتے ہیں کہ مبارک ہے وہ شخص جس کی غذا عجز محمود اور حیرت محمودہ ہے یعنی جس کو تدابیر اور اسباب کے تخلف فی الآثار سے مسبب حقیقی کی معرفت نصیب ہوگئی۔ یعنی جب اسباب اور تدابیر کو کبھی کامیاب اور کبھی ناکام دیکھا تو تفکر اور تدبر سے سمجھ گیا کہ یہ اسباب اور تدابیر کسی اور کے قبضے میں ہیں فی نفسہٖ ان کے اندر کچھ اثر نہیں ہے یہ خود اپنے اثر کرنے میں محتاج ہیں کسی موثر حقیقی کے۔ اگر ان کے اندر ذاتی اثر ہوتا تو ان کو ہمیشہ کامیاب ہونا چاہیئے مگر ان کی یہ ناکامی دلیل ہے کہ یہ موثر بالذات نہیں ہیں جب موثر حقیقی اللہ تعالیٰ شانہٗ چاہتے ہیں تو ان میں اثر پیدا فرما دیتے ہیں اور جب ان کو منظور نہیں ہوتا ہے تو تمام اسباب و تدابیر کو بے اثر کر دیتے ہیں۔

ماشاء اللہ کان وما لم یشأ لم   جو اللہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور

یکن   (الحدیث)   جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

چنانچہ آتش نمرود کو جب حکم اور اذن جلانے کا نہ ہوا تو وہ آگ سوزندۂ خلیل نہ ہو سکی۔ اور حکم الٰہی سے گلزارِ جنت ہو گئی لیکن اسی آن میں جس وقت کہ وہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے گلزارِ جنت تھی۔ نمرود مردود کیلئے وہ آگ اس وقت بھی نارِ جہنم تھی۔

تو معلوم ہوا کہ تمام اشیاء کے خواص و اثرات اپنے افعال کی انجام دہی میں حکم الٰہی کے تابع ہیں۔ عارفین پر جب اسباب اور تدابیر کا عجز اور ضعف منکشف ہو گیا تو وہ دونوں عالم میں ظلِ دوست میں سو گئے۔ یعنی ان کی نظر اسباب سے اٹھ گئی اور مسبب الاسباب سے انھوں نے اپنا تعلق قائم کر لیا۔ ہمارے خواجہ صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

کسی کو فکر گوناگوں میں ہر دم مبتلا پایا
کسی کو رات دن سرگرم فریاد و فغاں پایا
بس اک مجذوب کو اس غمکدے میں شادماں پایا
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیرِ آسماں پایا

غموں سے بچنا ہو تو آپ کا دیوانہ بن جائے

میرا ایک واقعہ لفظ دیوانہ پر مجھے اپنا ایک واقعہ یاد پڑا ایکبار حضرت مرشدی مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں ہمراہ تھا حضرت والاؒ کے سر مبارک میں تیل کی مالش کر رہا تھا کچھ احباب و رفقاءِ سفر چنے کے ہولے کھا رہے تھے اور میرے منہ میں بھی اس کے دانے ڈالدیا کرتے تھے اسوقت میں نے یہ مصرعہ پڑھا تھا ع

دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند

کچھ دیر کے بعد حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ہنس کر فرمایا کہ بھائی یہ مولوی صاحب میرے سرپرست ہیں یہ لبطور لطیفہ ارشاد فرمایا۔ کیونکہ مالش کے وقت میرے ہاتھ حضرت والا کے سر مبارک پر خدمت میں مصروف تھے۔

یہ عارفین سایۂ دوست میں دوست پر اعتماد کرکے سوئے ہوئے ہیں یعنی طلب اسباب وتدابیر میں کاوش نہیں کرتے اور اجملوا فی الطلب (الحدیث) پر عمل کرکے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

طلب معاش میں اجمال کا مطلوب ہونا لیکن طلب معاش میں انکا یہ اجمال یعنی عدم کاوش کے ساتھ اسباب معاش کا اختیار کرنا اور ان اسباب اختیاریہ پر اعتماد نہ رکھنا بسبب انکشاف حقائق کے ہے کاہلی مذمومہ کے سبب سے نہیں ہے یعنی جب اہل اللہ پر انوار معرفت الٰہیہ کے سبب یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ یہ تدابیر اور اسباب دنیویہ فی نفسہٖ اپنے اندر اثر نہیں رکھتے ہیں بلکہ ان میں اثر پیدا فرمانے والے حق تعالیٰ شانہ ہیں تو یہ محض حکم سمجھ کر اجمالاً کچھ اسباب بھی اختیار کرلیتے ہیں لیکن ان اسباب کے ضعیف عاجز اور محتاج ہونے کے سبب ان پر اعتماد نہیں رکھتے ہیں اعتماد صرف ذات حق تعالےٰ شانہ پر رکھتے ہیں۔

احتراز از انہماک فی الاسباب پس معلوم ہوا کہ اہل اللہ کا اسباب دنیویہ میں زیادہ انہماک نہ ہونا اس انکشاف حقیقت کے سبب ہے نہ کہ وہ کاہلی مذمومہ ہے جس سے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے نیز بعض اہل ظاہر حقیقت سے بے خبر ان کی اس اجمالی طلب اور عدم انہماک فی الاسباب کو دیکھ کر ان کو کاہل سمجھتے ہیں یہ گمان محض جہل اور بے خبری کے سبب ہے۔

اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

عارفاں از دو جہاں کاہل تر اند　　　زانکہ بے شد یار خرمن می برند

مولانا فرماتے ہیں کہ عارفین دونوں جہاں کے لوگوں سے زیادہ کاہل ہیں۔

مفہوم کاہلی عارفین لیکن اس کاہلی سے مراد تفویض وتوکل اور اپنے ارادوں **از کسب دنیا** کو مرضیات الٰہیہ میں فنا کر دینا ہے جس کی ظاہری صورت عوام کے نزدیک کاہلی سمجھی جاتی ہے۔

سو ایک عالم میں تو کوئی کاہل ہی نہیں ہے یعنی عالم ملائکہ میں کاہلی کا مطلق وجود نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ نے فرشتوں کی تعریف میں یُسَبِّحُوْنَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ارشاد فرمایا ہے۔ (ترجمہ) فرشتے شب وروز تسبیح کرتے ہیں کسی وقت موقوف نہیں کرتے اور اوپر ولا یستحسرون بھی فرمایا ہے یعنی ہماری تسبیح سے تھکتے نہیں ہیں۔ دنیا میں البتہ کاہل بھی ہیں لیکن اہل دنیا کی کاہلی نفس کی شرارت اور آرام طلبی کے سبب سے ہوتی ہے اور عارفین کی کاہلی اسباب دنیویہ میں انہماک نہ ہونے سے ہوتی ہے جس کا سبب غلبۂ تفویض اور توکل وفنا ارادہ ہوتا ہے۔ پھر مولانا اس تفویض اور فنائے ارادہ کی علت بیان فرماتے ہیں ؎

زانکہ بے شد یار خرمن می برند

یعنی ایسا اس لئے ہے کہ بدون اختیار اسباب کے ان کے مقاصد پورے ہو جاتے ہیں آگے فرماتے ہیں ؎

کاہلی را کردہ اند ایشاں سند   کار ایشاں را چوں یزداں می کند

ترجمہ:۔ مولانا فرماتے ہیں کہ انھوں نے تفویض وتوکل کو اپنا تکیہ گاہ اس وجہ سے بنا رکھا ہے کہ ان کا کام حق تعالیٰ کر دیتے ہیں ؎

کار یزداں را نمی بینند عام   می نیاسایند از کد صبح وشام

ترجمہ:۔ مولانا فرماتے ہیں چونکہ عوام اس حقیقت سے یعنی مسبب حقیقی کے تصرفات سے بے خبر ہیں اس لئے عوام اسباب دنیویہ کے اختیار کی محنت اور مشقت سے صبح وشام آسودہ نہیں ہوتے ہیں۔

عارفین کے عدم کاوش فی الاسباب کی وجہ اس تقریر کی تفصیل یہ ہے۔کہ اہل اللہ کے سارے کام بوعدہ نصِ قطعی بآسانی ہوجاتے ہیں یعنی تقویٰ کی برکت سے ان کے ضروری مقاصد کے لئے وہ اسباب قریب کردیئے جاتے ہیں جو علم الٰہی میں ثمر آور ہوتے ہیں۔یعنی مقصود تک پہنچانے والے ہوتے ہیں۔اور اُن اسباب کی مشقت سے ان کو محفوظ کردیا جاتا ہے جو علمِ الٰہی میں بے ثمر اور غیر مفید ہوتے ہیں۔

وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔	اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کی شکل نکالدیتا ہے اور اُس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔
وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ (پ ۲۸)	اور جو اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔

کیونکہ متقین بندوں کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن پاک میں اپنا دوست فرمایا ہے۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ (پ ۱۱)	حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں۔کہ یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا ہے اور نہ وہ کسی مطلوب کے فوت ہونے پر مغموم ہوتے ہیں یعنی ان کو خوفناک اور غمناک حوادث سے بچاتا ہے اور وہ اللہ

کے دوست وہ ہیں جو ایمان لائے اور معاصی سے پرہیز رکھتے ہیں یعنی ایمان اور تقویٰ سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ (بیان القرآن)

یہ ایک مقدمہ ہے کہ پرہیز گار بندے اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔اور دوسرا مقدمہ

یہ ہے کہ ہر دوست اپنے دوست کی ملاقات اور ہمنشینی کو محبوب رکھتا ہے پس حق تعالیٰ اپنے مقبول اور محبوب بندوں کو اپنے ذکر کے لئے فراغ قلب عطا فرماتے ہیں۔ کیونکہ حدیث قدسی ہے انا جلیس من ذکرنی حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنے ذاکر بندے کا ہمنشین ہوتا ہوں۔

اور ظاہر ہے کہ فراغ قلب اسی وقت میسر ہوتا ہے جب انسان احباب طلب معاش میں اجمال اختیار کرے اور تفکر و انہماک تعدد اسباب سے محفوظ ہو۔ یہی راز ہے ارشاد پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجملوا فی الطلب کا۔ یعنی طلب اسباب میں اجمال اختیار کرو۔ کیونکہ رزق تو مقدر اور مقسوم ہو چکا ہے۔

رزق کا مدار کثرت اسباب پر نہیں ہے کثرت اسباب معاش پر کثرت رزق کا مدار نہیں ہے چنانچہ مشاہدات اس امر کو بتلاتے ہیں کہ ایک شخص ایک ہی تجارت سے غنی اور بڑا مالدار ہو جاتا ہے۔ دوسرا شخص متعدد تجارتوں میں ہاتھ مارنے کے باوجود مقروض اور پریشان رہتا ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے اہل عقل فاقے میں مبتلا ہیں اور بہت سے نادان بے وقوف لکھ پتی ہیں اسی کو ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

کم عاقل عاقل اعیت مذاھبہ — وجاھل جاھل تلقٰہ مرزوقا
ھذا الذی ترک الاوھام حائرۃ — وصیر العالم النحریر زندیقا

ترجمہ۔ بہت سے عاقل ایسے دیکھے گئے ہیں کہ ان کو رزق کی پریشانیوں نے تھکا دیا ہے اور بہت سے ایسے جاہل دیکھے گئے ہیں کہ وہ رزق کثیر سے فارغ البال ہیں اور یہ تصرفات عجیبہ ایسے ہیں کہ جس سے لوگوں کے اوہام حیرت زدہ ہیں اور بڑے بڑے اہل علم کو اس امر عجیب نے حیرت مذمومہ میں مبتلا کر کے زندیق بنا دیا۔

مگر یہ وہ اہل علم ہیں جن کو کسی باخبر سے پالا نہ پڑا تھا۔

اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا - رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔ ہمارے حضرت مرشدی مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب ترجمہ فرمایا ہے۔ اس ترجمہ سے وجد آجاتا ہے رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔ اگر کسی باخبر سے ملاقات ہوجاتی تو وہ سمجھا دیتا کہ میاں رزق کا مدار علم یا جہل۔ عقل یا بیوقوفی پر نہیں ہے۔ اس رحمٰن کی شان یہ بھی ہے یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیَقْدِرُ ترجمہ۔ جس کو چاہتا ہے رزق زیادہ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔

رزق میں تنگی اور فراخی کی حکمت رزق کی تنگی اور فراخی کا معاملہ مشیت الٰہی کے تابع ہے۔ دنیا ایک شفاخانہ ہے ہم سب کے سب اس شفاخانہ کے مریض ہیں۔ حق تعالیٰ کی ذات پاک ہماری خالق مالک اور حکیم ہو۔ علم الٰہی میں جس کے لئے جسقدر رزق مفید ہے اس کو اسی مقدار سے عطا فرماتے ہیں۔ شفاخانے میں مریض ہر قسم کے ہوتے ہیں کسی کو حکیم دوا تلخ پلاتا ہے۔ اگر اس کو حلوہ کھلا دے تو اس کا مادۂ فاسد اس حلوے کو بھی متعفن کر کے زہر بنا دے اور بیماری میں شدت پیدا ہوجائے۔ اسی طرح جو مریض صحت یاب ہونے کے قریب ہے اور صرف ضعف رہ گیا ہے اس کے لئے مغز بادام مکھن اور پھل تجویز کرتا ہے تاکہ یہ ضعف جلد طاقت سے مبدل ہوجائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر ان کو روزی کی تنگی اور پریشانی ہو تو وہ کفر میں مبتلا ہوجائیں اور بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر ان کی روزی فراخ کر دی جائے تو وہ طغیانی اور کفر میں مبتلا ہوجائیں۔ ہر ایک کی طبائع اور امزجہ الگ الگ ہیں جیسا جس کا مزاج میاں نے بنایا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں۔ مخلوق کی طبیعت اور مزاج کا صحیح علم خالق ہی کو

ہوتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ بھلا وہی ذات نہ جانے جس نے پیدا کیا ہے وھو اللطیف الخبیر اور وہ باریک بیں پورا باخبر ہے۔

وہ زندیق ہونے والے اہلِ علم عالم باللہ نہ تھے جن کو حقیقی علم عطا ہوتا ہے ان کی شان ہی اور ہوتی ہے ان کی سمجھ اور فہم اولیٰ اُن کے حوصلے دوسرے ہوتے ہیں

عالم باللہ کی شان عالم باللہ مقرب بندہ ہوتا ہے اس کا حوصلہ ایسا پست اور ذلیل نہیں ہوتا ہے جو دنیا، مردار کو علم کی نعمت پر ترجیح دے۔ جو باز کہ پنجۂ بادشاہ اس کا مسکن ہو وہ بجز شیر نر کے دوسرے معمولی جانور کا شکار نہیں کرتا ہے قرب شاہ کے سبب اس باز کی نظر بادشاہ کی نظر کے فیض سے عالی ہمت ہو جاتی ہے۔

اسی کو حضرت عارف فرماتے ہیں ؎

می نگیرد باز شہ جز شیر نر ـــــ شاہی باز بجز شیر نر کے کسی کو نہیں پکڑتا اسی طرح عالم باللہ کی مقرب روحِ پاک کہ وہ شاہباز معنوی ہے بجز اللہ کے کسی ماسوٰی کی طرف رُخ نہیں کرتا ہے۔

شد صفیر بازِ جاں در مرج دیں — نعرہائے لا احب الآفلین

بازِ روح کی آواز شکارگاہ دین میں لا احب الآفلین کے نعرے ہیں۔ یعنی یہ جان سپار و جانباز حق بجز رضاءِ الٰہی کے کسی چیز کو محبوب نہیں رکھتا ہے یہ اپنے صحیح مقصد حیات کا رازدان ہوتا ہے وہ مقصد حیات کیا ہے۔

بہر ایں آورد ما یزداں بروں — ما خلقت الانس الا لیعبدون

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ عالم ارواح سے اس عالم ناسوت میں اس لئے ہمیں باہر لائے ہیں کہ میں نے انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اسی مقصد حیات کے پیشِ نظر ان کی شان یہ ہوتی ہے

بسوائے جانان زجان مشتغل — بذکر حبیب از جہاں مشتغل

بیاد حق از خلق بگریختہ ● چناں مست ساقی کہ می ریختہ

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقربین بندے محبوب حقیقی کے عشق میں اپنی جان سے بھی بے پرواہیں اور محبوب حقیقی کی یاد میں سارے جہان سے بے خبرہیں یاد حق میں خلق سے بھاگے ہوئے ہیں اور اس منعم حقیقی پر ایسے متوالے ہوگئے کہ نعمتوں کی طرف سے التفات جاتا رہا صرف ذات منعم پر ٹکٹکی باندھے ہوئے ہیں یعنی ساقی کی وہ محبت جو پہلے بواسطہ اُمید و حرص مے تھی۔ اب وفور طلب و شوق سے یہ حجاب واسطہ بھی اُٹھ گیا اور محبت کامل ہوگئی اب غلبۂ محبت میں بجز ذات ساقی کے کچھ مطلوب نہ رہا اور قُرب کے اس رفیع مقام پر واسطۂ مے میں بوئے شرک محسوس کر کے جام مے کو زمین پر لڑھکا دیا۔

حضرت حافظ صاحب شیرازیؒ فرماتے ہیں

تو و طوبےٰ و ما و قامت یار ● فکر ہر کس بقدر ہمّت اوست

فرماتے ہیں اے زاہد تو اور طوبےٰ یعنی تو جنت کی نعمتوں میں مست رہ اور میں اور قامت یار یعنی میں محبوب حقیقی کی ذات پاک پر قربان رہوں اور ہر شخص کی بلندیٔ فکر کا مدار اس کی ہمت کی مقدار پر ہے

خوشتر از ہر دو جہاں آنجا بود ● کہ مرا با او سر و سودا بود

مولانا عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں جہاں میں سب سے بہتر جگہ میرے لئے وہ جگہ ہے جہاں وہ محبوب حقیقی ہو اور میں ہوں اور اپنے محبوب سے راز و نیاز اور محبت کا کاروبار ہو۔

حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ غلبۂ محبت میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے

بس من مُوہ لبد گے توہین ● سُمرن تور بسر گے موہین

ترجمہ:- آپ کی محبت نے ہمیں ایسا موہ لیا کہ غلبۂ محبت میں تعریف کرنے کا بھی ہوش نہ رہا۔

اور حضرت شاہ صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ درد کا یہ شعر بھی پڑھا کرتے تھے ؎

جائیے کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ ✽ اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

ایک بزرگ کی حکایت ایک واقعہ حضرت شاہ صاحب گنج مرادآبادیؒ کا یاد پڑا ایک دفعہ نواب رام پور نے اپنے کسی بے تکلف دوست سے جو عالم بھی تھے درخواست کی کہ اگر آپ حضرت شاہ صاحب کو میرے ہاں لے آویں تو میں ایک لاکھ روپیہ نذر پیش کروں گا۔ مولوی صاحب گنج مرادآباد حاضر ہوئے حضرت کی مجلس میں جب مولوی صاحب پہونچے تو شاہ صاحبؒ علوم و معارف بیان فرما رہے تھے انھوں نے ذرا موقع پا کر عرض کیا کہ حضرت آپ ایک بار رام پور تشریف لے چلیں نواب صاحب آپ کی زیارت کے متمنی ہیں اور فرمایا ہے کہ اگر شاہ صاحب میرے ہاں تشریف لائیں گے تو میں ایک لاکھ روپیہ نذر پیش کروں گا۔ شاہ صاحب نے سُنکر فرمایا کہ اجی لاکھ روپے پر ڈالو خاک اور میری بات سُنو۔ پھر شاہ صاحب اپنے علوم اور معارف کے بیان کرنے میں مشغول ہو گئے جب فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب سنئے ؎

جو دل پر ہم اس کا کرم دیکھتے ہیں ✽ تو دل کو بہ از جام جم دیکھتے ہیں

یہ ہے اصلی علم کی شان جو دل کو تمام ماسویٰ سے مستغنی کر دیتا ہے۔

ہمارے مرشد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے چھوٹے بڑے نہ جانے کتنے منی آرڈر واپس کئے تھے اور ایک بار ایک لاکھ روپیہ ہدیہ قبول کرنے سے عُذر فرما دیا۔ ذرا بھی جہاں دین کی توہین اور تحقیر کا شائبہ محسوس کرتے بڑے بڑے امراء کا مزاج درست فرما دیتے۔ رمزی اٹاوی نے خوب لکھا ہے ؎

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکوں کی جھنکاریں
ترے دستِ توکل میں تھیں استغنار کی تلواریں
جلالِ قیصری بخشا جمالِ خانقاہی کو
سکھائے فقر کے آداب تو نے بادشاہی کو

ایسے ہی لوگ عالم ربانی کہلاتے ہیں۔ اسی علم کے متعلق حضرت عارف فرماتے ہیں

دانش نور است در جان رجال — نے ز دفتر نے ز راہِ قیل و قال

ترجمہ۔ مردانِ خدا یعنی اللہ والوں کی جانوں میں عطاءِ حق سے نورانی عقل ہوتی ہے محض کتابوں کے دفتر سے اور محض قیل وقال کی راہ سے یہ نورانی عقل نہیں ملتی ہے۔

خم کہ از دریا درو راہے شود — پیش او جیحو نہا زانو زند

مولانا فرماتے ہیں اللہ والوں کے قلب کی مثال اس مٹکے کی سی ہے جس کا تعلق کسی خفیہ راہ سے سمندر سے ہوتا ہے اور بڑے بڑے جیحون جیسے دریا اس مٹکے کے سامنے اس کے باطنی تعلق من البحر کے سبب زانوئے ادب طے کرتے ہیں (فارسی میں دریا کا اطلاق سمندر پر ہوتا ہے) جیحون جیسے دریا خشک ہو سکتے ہیں لیکن اس مٹکے کا پانی ہمیشہ جوش مارتا رہے گا کیونکہ باطنی راہ سے سمندر کا فیض اس مٹکے میں آرہا ہے۔ یہی حال عارفین کے علوم کا ہے ؎

بینی اندر خود علوم انبیا — بے کتاب و بے معید و اوستا

یعنی عارفین اپنے باطن میں بدون کتاب اور استاد کے علوم انبیاؑ کو موجزن پاتے ہیں یعنی مشکوٰۃِ نبوت سے ان کے قلوب پر فیوض علمیہ کا ورود ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ مواہب علمیہ کب نصیب ہوتے ہیں جب کسی اللہ والے کی جوتی سیدھی کی جاتی ہے۔

قال را بگذار مرد حال شو — پیش مردِ کاملے پامال شو

علوم اور معارف وہبیہ کے حصول کا طریقہ مولانا عارفِ رومی رح فرماتے ہیں ان علوم اور مواہب ربانیہ کی تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ قال کو چھوڑدو صاحب حال بن جاؤ یعنی اولاً غیر مقصود امور سے دل خالی کر دو بقول حضرت خواجہ صاحبؒ کے

ہر تمنّا دل سے رخصت ہوگئی   اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

حضرت مرشدی مولانا تھانوی رح اس شعر سے بہت خوش ہوئے تھے اور فرمایا خواجہ صاحب اگر میرے پاس ایک لاکھ روپیہ ہوتا تو اس شعر پر آپ کو انعام میں دیدیتا۔ حضرت مرشدی رح کا اس شعر سے اس درجہ انبساط حضرت کے باطنی مقام کی غمازی اور مخبری کرتا ہے جو اس شعر میں مذکور ہے یعنی حضرت کا یہی حال مقام بن چکا تھا۔ دوسرے مصرعے میں مولانا رومیؒ نے ترک قال اور حصول حال کا ارشاد فرمایا ہے یعنی صاحب قال صاحب حال اگر بننا چاہے تو کسی مردِ کامل کے سامنے پامال ہوجائے "پیش مرد کامل پامال شو" وہ مرد کامل تمہارے تمام ناز و پندار اور خود بینی کی رگوں کو پائمال کردے جس سے تمام وہ حجابات ظلمانیہ جو قلب میں حق تعالیٰ شانہٗ کے نفحاتِ کرم اور فیوض غیبیہ کے مشاہدے سے مانع ہو رہے تھے مرفوع ہوجائیں گے اور قلب کے دریچۂ باطنی سے ایسے ایسے علوم اور معارف عطا ہوں گے جو تم کو اللہ تک پہنچا دے گا۔

حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب رح اپنے پیر شاہ محمد افاق صاحبؒ کی شان میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

اے شہِ آفاق شیریں داستاں   باز گو از بے نشانِ من نشاں
صرف و نحو و منطقم را سوختی   آتشِ عشقِ خدا افروختی

علم کی نعمت گندے قلب میں نہیں عطاء فرماتے ہیں قیمتی عطر کے لئے شیشی بھی

صاف اور شفاف منتخب ہوتی ہے حضرات صحابہؓ کا پہلے تزکیہ فرمایا گیا تب علم عطا فرمایا گیا۔ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ٥ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیاتِ الٰہیہ کو پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کا تزکیہ فرماتے ہیں تلاوتِ آیات اور تزکیہ میں ربط یہ ہے کہ انوار تلاوت سے حضرات صحابہ کو اپنی ظلمات کا علم ہو گیا ہر شے اپنی ضد سے متعارف ہوتی ہے پس انوار تلاوت کا جب اُجالا ہوا تو حضرات صحابہؓ کو اپنے امراض نظر آ گئے اور ان کے اندر تزکیہ کی فکر اور طلب پیدا ہو گئی پس طلب کا پیدا ہونا تھا کہ رحمۃ اللعالمین کی رحمت تزکیہ میں مشغول ہو گئی تزکیہ کے بعد کتاب اور خوش فہمی کی تعلیم حضراتِ صحابہؓ کو دی گئی ان آیتوں کی ترتیب میں بڑے علوم ہیں۔ معلوم ہوا کہ تعلیم کتاب اور حکمت کے اہل وہی سینے ہوتے ہیں جو رذائل سے پاک وصاف ہو گئے ہوں کسی اللہ والے کی صحبت سے۔

وہ عالم جو عاقلوں پر تنگی معیشت اور نادانوں پر فراخی رزق کو دیکھ کر زندیق ہو گئے وہ دراصل عالم باللہ نہ تھے محض عالم بالکتاب تھے۔ اُن کا علم ان کے گندے سینے میں پہنچکر خود بھی علت ہو گیا ہر چہ گیرد علتی اس لئے وہ علم اُن کے لئے زہر بن گیا ٥

علم چو بر تن زنی مارے بود   علم چو بر دل زنی یارے بود

حضرت رومی رح فرماتے ہیں کہ علم کو اگر تن پروری میں صرف کیا جاوے تو وہ علم سانپ ہو جاتا ہے اور علم کو جب دل میں اُتارا جاتا ہے تو وہ بہترین یار ہے!

علم کا اصلی مقام

اس سے معلوم ہوا کہ علم کا اصلی مقام قلب ہے یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن میں علماء یہود کو بوجھ لدے ہوئے گدھوں سے تشبیہ دی ہے کیونکہ ان کے دلوں پر اُن کے علوم کا اثر نہ تھا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ علم باللہ کے لئے خشیتِ الٰہیہ لازم ہے جیسا

کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا
حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہی بندے اللہ سے ڈرتے ہیں جو اسکی عظمت
کا علم رکھتے ہیں۔ اس آیت سے صاف واضح ہے کہ خشیتِ الٰہیہ علم حقیقی کی ایک
لازمی صفت ہے اگر خشیت نہیں ہے تو وہ عالم اللہ کے نزدیک عالم کے مرتبے میں
نہیں ہے۔

صد ہزاراں فضل دارد از علوم　　　جان خود را می نداند ایں ظلوم

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ شخص سو ہزار فنون علمیہ سے فضیلت رکھتا ہے لیکن یہ ظالم
اپنی جان سے غافل ہے یعنی اپنے علوم کو شکم پروری اور تن آرائی کا ذریعہ بنا
رکھا تھا اس لئے علوم کے انوار اور معارف ان کو نصیب نہ ہوئے۔

اے بسا عالم ز دانش بے نصیب　　　حافظ علم است او کہ نے حسیب

مولانا عارف رومی رحمہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو بہت سے عالم دین کی سمجھ سے محروم
ہیں یہ صرف کتاب کے نقوش ظاہری کے حافظ ہیں حسیب نہیں ہیں۔

صحیح علم کی تعریف

صحیح علم کی تعریف یہ ہے کہ وہ اللہ تک پہنچادے
"علم کز رہ بحق ننماید جہالت است"

جو علم کہ حق تعالیٰ تک نہ پہنچائے وہ جہالت ہے۔ اس کا نام صنعت و حرفت ہے
علم اس کا نام نہیں ہے۔ علم حقیقی کی دولت جس کو عطا ہوتی ہے اس کے سامنے
ہفت اقلیم کی سلطنت گرد ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں جہاں کی نعمتوں
میں سے کسی نعمت کو خیر کثیر نہیں فرمایا ہے مگر دین کی خوش فہمی کو خیر کثیر فرمایا ہے۔
ارشاد فرماتے ہیں (اور سچ تو یہ ہے کہ) جس کو دین کا فہم مل جائے اس کو بڑی
خیر کی چیز مل گئی (بیان القرآن) وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا
خیر اسم تفضیل ہے پس اس آیت سے علم دین کا تمام نعمتوں سے افضل

ہونا ثابت ہوتا ہے۔

نعمت علم دین دونوں جہاں کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے! کیونکہ دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو زوال اور فنا ہے لیکن دین کی خوش فہمی سے حق تعالیٰ کی عظمت اور معرفت جو نصیب ہوگی اور اس معرفت کے ساتھ جو عبادات ہوں گی ان کے انوار ہمیشہ باقی رہیں گے اور جنت تک یہی انوار ابدالآباد کی نعمتوں میں پہنچا دیں گے۔

رنگ صدق و رنگ تقوی و یقین ۔۔۔ تا ابد باقی بود بر عابدین

مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ صدق کا رنگ اور تقویٰ کا رنگ اور یقین کا رنگ ہمیشہ ہمیشہ عابدین پر باقی رہنے والا ہے۔

تمام علوم کا حاصل پس تمام علوم کی روح یہی ہے کہ آدمی کی عاقبت اور آخرت کی زندگی درست ہو جائے۔

جان جملہ علمہا این است این ۔۔۔ کہ بداند من کیئم در یوم دین

مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام علوم کی جان صرف یہی ہے کہ آدمی اپنے متعلق یہ جان لے کہ ہم آخرت کے بازار میں کس بھاؤ بکیں گے دنیا والوں کی واہ واہ سے کچھ کام نہیں چلے گا معاملہ تو میاں سے ہے اور وہ آنکھوں کی چوری اور سینوں کے اندر کی خیانتوں سے باخبر ہیں

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ وَاللّٰهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ۝ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں یعنی اگر گوشۂ چشم سے بھی کسی عورت پر بری نگاہ ڈالی ہے یا دل میں بُرے بُرے خیالات نافرمانیوں کے پکائے ہیں تو ان سب باتوں کی بھی اللہ تعالیٰ کو پوری پوری خبر ہے۔

قارون کے زمانے کا ایک واقعہ

قارون کے زمانے میں جو طبقہ ترقی پسند اور تعلیم یافتہ کہا جاتا تھا۔ اس نے قارون کے خزانے کو اور اس کی ظاہری شوکت وجاہ کو دیکھ کر یہ کہا تھا کہ یَا لَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِیَ قَارُوْنُ اے کاش ایسا ہی خزانہ ہم کو بھی مل جاتا اور جو طبقہ اللہ والوں کا تھا ان کو دینی سمجھ اور علم صحیح کے انوار سے اس خزانۂ قارون کی صحیح حقیقت کا پتہ چل گیا تھا۔ دین کی خوش فہمی سے انھوں نے خزانۂ قارون پر اللہ کا غضب اور قہر دیکھ لیا یعنی علم دین کی روشنی میں انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ کی نافرمانیوں کے ساتھ مال و دولت اور ظاہری شوکت سب سانپ اور بچھو ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے معلوم نہیں کہ کب اللہ تعالیٰ کی قہاریت اور غضب کا ظہور ہو جاوے۔ اس لئے اللہ والوں نے قارون کی ظاہری آرائش کی طرف راغب ہونے والے طبقے کو مخاطب کرکے یہ فرمایا کہ وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ؕ (اے نادانوں) ہلاکت ہو تم پر اللہ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایمان والوں کو اور نیک عمل والوں کو ملتا ہے مغضوب علیہ شخص پر لالچ کی نگاہ ڈالتے ہو۔ یہ کہنے والے کون لوگ تھے قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یہ اہلِ علم کی جماعت تھی یہ عنوان بتاتا ہے کہ صفت علم کا مقتضا یہی تھا جو انہوں نے کہا اور کس عنوان سے کہا دیکھو ناس ہو تمہارا یہ عنوان بتاتا ہے کہ علم کا اثر اور نور ان کے دلوں میں ایسا پیوست اور راسخ تھا جس نے قارون کی مالی ترقی کو ان کے دلوں میں نافرمانی حق کے سبب مبغوض کر دیا تھا۔

جب قارون پر خدا کا قہر نازل ہوا اور وہ مع اپنے خزانے کے زمین میں دھنسا دیا گیا اُس وقت جس ترقی پسند طبقے نے اس کے مال پر رال ٹپکائی تھی

اس کو اپنی جہالت کا علم ہوا اور علم دین کی نعمت کی قدر معلوم ہوئی پس معلوم ہوا کہ جو عالم علم کی نعمت کو دنیا کی نعمتوں کے عوض میں فروخت کرتا پھرے اس کو حقیقی علم نہیں عطا ہوا ہے۔

مُقرب اور اُجرت دار کا فرق

سچا عالم مقرب بارگاہ ہوتا ہے مقرب پر ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک بار حضرت مرشدیؒ سے عرض کیا کہ حضرت ایک بار درود شریف پڑھنے کی فضیلت میں وارد ہے کہ دس نیکیاں ملتی ہیں دس گناہ معاف ہوتے ہیں دس درجے بلند ہوتے ہیں اور تلاوت قرآن شریف کے متعلق اس قدر فضائل وارد نہیں ہیں تو عجیب جواب ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ ایک اُجرت دار ہوتا ہے ایک مقرب بادشاہ ہوتا ہے۔ مقرب کی تنخواہ تو کچھ نہیں ہوتی مگر بڑے بڑے تنخواہ دار حتیٰ کہ گورنر اور وزراء تک مقرب سے کانپتے ہیں اور اپنے اہم امور میں مقرب بادشاہ سے سفارشیں کراتے ہیں۔ درود شریف کے جس قدر فضائل ہیں وہ سب اُجرت کے تحت میں وارد ہیں اور قرآن شریف کی تلاوت صرف ایک ثمرہ انعام قرب کا تمام فضائل سے فوقیت رکھتا ہے (انتہی) قربت اور اُجرت کا فرق فرعون مردود بھی سمجھتا تھا جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے مقابلے کے لئے اپنے بڑے بڑے جادوگروں کو بلایا تو انھوں نے فرعون سے یہ کہا ءَاِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِيْنَ ۝ اگر ہم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے مقابلے میں غالب آگئے تو کیا ہم کو کچھ اجر ملے گا فرعون نے جواب دیا نَعَمْ ہاں اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ بے شک تم لوگ اُس وقت میرے مقرب لوگوں میں سے ہو جاؤ گے چونکہ سلطان کا مقرب ہونا بہت بڑا انعام ہے اس وجہ سے فرعون مردود نے جادوگروں کو اس

انعام عظیم کا لالچ دلایا کوئی خزانہ یا سلطنت کا کوئی حصّہ لکھنے کا وعدہ نہیں کیا کیونکہ انعام قرب سے یہ گھٹیا درجہ کی چیزیں تھیں۔ اور اس وقت فرعون کی آبرو اور جان اور سلطنت سب خطرہ میں تھی اس لئے اس کے ذہن میں سب سے بڑا انعام جو تھا جھٹ اس کا وعدہ کر لیا اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ بحیات طیبہ تشریف فرما ہوتے اور اُجرت و قربت کا جو فرق حضرت والا رح نے بیان فرمایا ہے اگر اسی مضمون کے ساتھ میں یہ آیت پڑھ دیتا قَالُوا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ قَالَ نَعَمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ٥ تو حضرت والاؒ بہت ہی خوش ہوئے۔ کیونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس مضمون کی اس آیت کریمہ سے تائید ہو جاتی ہے۔

تنخواہ دار سے بھید کی باتیں نہیں کی جاتی ہیں مقرب سے بھید کی باتیں کی جاتی ہیں۔ مقرب راز داں اور رازدار سلطنت ہوتا ہے۔ حضرت عارفؒ فرماتے ہیں۔

ہاں وہاں ایں دلق پوشانِ من اند ۔۔۔ صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند

ہاں ہاں یہ گدڑی پوش میرے خاص بندے ہیں لاکھوں انسانوں میں ان کا ایک تن میرے تعلق خاص کی برکت سے ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ سچے عالم تو اشرافِ نفس سے بھی بچتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو چیز اشرافِ نفس یعنی انتظار نفس کے بعد لے اللہ اس میں برکت نہ دے۔

اشرافِ نفس کی تعریف

اشرافِ نفس کی حقیقت ہمارے حضرت مولانا تھانوی رح یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ کسی کی چیز پر نظر کا اس طرح گڑ جانا کہ اس کے نہ ملنے پر دل میں ناگواری پیدا ہو اور اگر دل راغب ہو لیکن اس کے نہ ملنے پر کوئی ناگواری

نہ ہوئی تو یہ اشراف نفس نہیں ہے۔ بزرگوں نے ایسی چیزوں سے سخت اہتمام کے ساتھ پرہیز کیا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدعا جس چیز میں شامل ہو وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

ایک بزرگ کی حکایت

ایک بزرگ کا واقعہ یاد پڑا ایک روز فاقے سے تھے چہرہ متغیر ہو رہا تھا ایک شاگرد سبق پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے چہرے کا رنگ دیکھ کر سمجھ گئے عذر کر دیا کہ آج سبق نہ پڑھوں گا اور استاد کے لئے کھانا لینے کے لئے واپس ہوئے ان بزرگ کے دل میں انتظار پیدا ہو گیا کہ یہ کھانا میرے لئے لائے گا۔ چنانچہ شاگرد جب کھانا لیکر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی میں اس کھانے کو نہ کھاؤں گا کیونکہ مجھے انتظار نفس ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کے لئے بدعا فرمائی ہے۔ شاگرد بہت فہیم تھے فوراً کھانا لیکر نظر سے غائب ہو گئے اور چند منٹ کے بعد پھر کھانا لیکر حاضر ہوئے اور عرض کیا حضرت اب تو انتظار ختم ہو گیا اب کھا لیجئے آپ نے فرمایا بے شک اب مجھے انتظار نہ رہا تھا اور کھانا کھا لیا۔ استاد اور شاگرد دونوں ہی اللہ والے تھے۔ آج کل صحیح خبریں معلوم ہوتی رہتی ہیں کہ لوگ اپنے معتقد کی دوکان پر پہنچے اور پوچھنا شروع کیا بھائی یہ تھان کس حساب سے بکتا ہے اس معتقد نے عرض کیا حضرت یہ تھان آپ کی نذر پیش ہے اور ان کی نظر تو پہلے ہی سے اس پر تھی۔ صرف ایک حرف کا فرق تھا ان کی طرف سے نظر میں ظا تھا اور معتقد کی طرف سے نذر میں ذال تھا۔ یہ نفس کی مکاریاں ہیں یہ باطنی گناہ ہیں اللہ تعالیٰ سینوں کی مخفی باتوں سے باخبر ہیں۔

با خدا تزویر و حیلہ کے رواست

اللہ کے ساتھ یہ حیلہ سازی اور مکر جائز نہیں ہے۔

خدا کے ساتھ حیلہ سازی کا انجام

حضرت مولانا عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ خدا کے ساتھ حیلہ سازی کے انجام کے بارے میں فرماتے ہیں:-

آنکہ سازد در دلت حیلہ وقیاس　　آتشے داند زدن اندر پلاس

(ترجمہ) کہ اے شخص تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی جس قوت اور اختیار سے اللہ تعالیٰ ہی کے خلاف حیلہ سازی اور باطل قیاس آرائیاں کرتا ہے تو وہ صاحب قدرت ذات اس مکروفریب کے ٹاٹ میں آگ لگا دینا بھی جانتی ہے ؎

مکر حق سرچشمۂ ایں مکرہاست　　قلب بین الاصبعین کبریاست

تدبیر حق ان سب حیلوں کا سرچشمہ ہے (کما قال اللہ تعالیٰ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ) اور قلب حضرت کبریا تعالیٰ شانہ کی دو انگشت کے درمیان میں ہے۔ پس اس ذکاوت اور زیرکی کے پلان سے وہ ذات پاک پوری طرح باخبر ہے جب تک چاہے گی تیری ستاری اور عیب پوشی کرے گی اور جب چاہے گی تجھکو رسوا کردے گی۔

حلم حق با تو مواسا ہا کند　　چوں کہ از حد بگذری رسوا کند

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کا حلم وکرم بندوں کے عیوب کی ستاری کرتا رہتا ہے لیکن جب بندہ حد سے گزر جاتا ہے تو اس کو اپنی صفت قہاریت سے مبتلائے قہر فرما کر رسوا فرما دیتے ہیں۔

الغرض عارفین کارہائے دنیا سے اس لئے کاہل ہوتے ہیں کہ ان کے مقاصد توکل کی برکت سے بدون اختیار اسباب پورے ہو جاتے ہیں جس کی تفصیلی تقریر بیان ہو چکی۔ اب آگے مولانا عارفین کی ایک شان اور بیان فرماتے ہیں جس سے ان کی عالی ہمتی اور چستی محمود کا ثبوت ہوتا ہے۔

اُمورِ آخرت میں عارفین کی عالی ہمتی

کارِ دنیا را ز کل کاہل ترند
در رہِ عقبےٰ زمہ گو می برند

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارفین دنیا کے کاموں میں تو سب سے کاہل ہوتے ہیں لیکن آخرت کے کاموں میں چاند سے بھی زیادہ تیز رفتاری میں سبقت لیجاتے ہیں۔

جس کو مولانا نے دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے

عقل ابدالاں چو پرِّ جبرئیل
می پرد تا ظل سدرہ میل میل

یعنی اولیاء اللہ کی عقل مثل پرِ جبرئیل کے ہے جو کہ سایہ سدرۃ المنتہیٰ تک درجہ بدرجہ اُڑتا ہے۔

ظل او اندر زمیں چوں کوہ قاف
رُوحِ او سیمرغ بس عالی طواف

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ حضرات عارفین اولیاء اللہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے اجسام تو زمین پر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں مگر ان کی رُوح مثل سیمرغ کے عرشِ عظیم کا طواف کرتی ہے مُراد اس سے مولانا کی یہ ہے کہ انکی روحوں کو عالم قدس سے ایک خاص اتصال ہوتا ہے عوام اس اتصال سے بیخبر ہوتے ہیں۔

ماہیان قعر دریائے جلال
بحر شاں آموختہ سحر حلال

یعنی عارفین قعر دریائے جلال کی مچھلیاں ہیں یعنی یہ رازداں اور رازدار بارگاہ حق ہیں اس بحر نے ان کو سحر حلال سکھا دیا ہے یعنی ان کی باتوں میں ایسے انوار ہوتے ہیں جو دوسروں کو متاثر کر دیتے ہیں۔

قلب عارف اور حق تعالیٰ کے درمیان مخفی راہ

درمیان شمس دیں روزن رہی
ہست روز نہانشد زاں آگہی

مولانا رومی رح فرماتے ہیں کہ اس آفتاب حقیقی اور ان کے قلب کے درمیان ایک مخفی راستہ ہوتا ہے جس سے حق تعالیٰ شانہ کے نفحات کرم پے در پے آتے رہتے ہیں دوسرے لوگ اس دریچۂ باطنی سے آگاہ نہیں ہیں۔

ہمارے خواجہ صاحبؒ نے خوب کہا ہے ؎

شاید کوئی اس رمز سے آگاہ نہیں ہو　　　باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہو

یہی وجہ ہے کہ ان عارفین کے ساتھ جو لوگ تعلق پیدا کرتے ہیں اور جو اُن کی صحبتوں کو اختیار کرتے ہیں وہ بھی عارف باللہ ہو جاتے ہیں اور علائق فانیہ سے ان کی روحوں کو خلاصی مل جاتی ہے۔

عارفین کا مرتبہ رُوح میں چاہ دُنیا سے خارج ہونا

کیونکہ عارفین مرتبہ روح میں علائق فانیہ سے آزاد ہو چکے ہیں اور مرتبہ جسم میں یہ عام انسانوں کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں اگر ان کی روح دنیا کے قید خانے سے آزاد نہ ہوتی تو دوسرے قیدیوں کو کس طرح آزاد کر سکتے تھے ایک قیدی دوسرے قیدی کو کب آزاد کر سکتا ہے ؎

کے دہد زندانئے در اقتناص　　　مرد زندانیِ دیگر را خلاص

یعنی ایک زندانی جو خود شکار کردگی میں ہو دوسرے زندانی شخص کو کب رہائی دے سکتا ہے۔

جز مگر نادر یکے۔ فرد انئے　　　تن بزنداں روح او کیوانئے

یعنی بجز نادر کسی یکتا مرد کامل کے جس کا تن تو زنداں میں ہو یعنی دنیا میں ہو مگر رُوح عالی عالم غیب سے تعلق رکھتی ہو۔ کیونکہ جو شخص خود کنوئیں کے اندر ہو وہ دوسرے کو کنوئیں سے نہیں نکال سکتا ہے اسیطرح جو شخص خود تعلقات ماسوی اللہ میں آلودہ ہو اس کی تعلیم و تربیت اور صحبت

میں عادۃً یہ اثر نہیں ہوتا کہ دوسرے کے یہ تعلقات قطع ہوجائیں۔ اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ عارف کو بھی تو ہم کنوئیں کے اندر یعنی چاہ دنیا میں دیکھتے ہیں پس جب یہ خود چاہ میں ہے تو دوسروں کو کس طرح نکالے گا۔ حضرت عارف رومی رحؒ نے اس اشکال کو حل فرمایا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ عارف باعتبار اپنے مرتبۂ روح کے اس چاہ دنیا سے خارج ہے اور باعتبار مرتبہ جسم کے اس چاہ دنیا میں موجود ہے اور اس کا یہی جسم دوسرے کیلئے آلۂ اخراج ہے جس طرح سے کہ ڈول کنوئیں کے اندر ہوتا ہے مگر اس میں محبوس اور مقید نہیں ہوتا ہے بلکہ اگر کسی محبوس کو نکالتے ہیں تو اس کا ذریعہ یہی ڈول ہوتا ہے پس اسی طرح عارفین اپنے جسم سے یہاں ہیں تاکہ تم کو اپنے اندر لیکر پھر تم کو اپنی روح کے افعال سے نکال لیں ورنہ اگر وہ جسم سے بھی تمہارے ساتھ نہ ہوتے تو تمہاری خلاصی کی کوئی صورت نہ ہوتی یا اگر عارفین میں روح کا مرتبہ چاہِ دنیا سے خارج نہ ہوتا تب بھی تمہارے اخراج کے لئے وہ کافی نہ تھے جیسے فرض کرو کوئی ڈول میمت کنوئیں کے اندر آگرے وہ دوسرے کو نہیں نکال سکتا۔

لیکن واضح رہے کہ یہ ڈول دوسروں کو اسیوقت تک نکال سکتا ہے جبتک کہ اس ڈول کا تعلق رسّی کے ذریعہ کنوئیں کے اوپر نکالنے والے کے ہاتھ سے قائم ہو۔ اسیطرح عارف کے جسم کی صحبت و خدمت و تعلق اسی وقت تک مفید ہے جب تک اس جسم کا علاقہ روح سے قایم ہے ورنہ بعد انتقال ہوجانے کے جب روح عارف کا تعلق جسم عارف سے الگ ہوگیا تو اب جسم عارف سے طالبین کی تربیت اور تعلیم نہیں ہوسکتی ہے جیسا کہ عابدین قبر نادانیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ پھر مولانا فرماتے ہیں کہ عارفین کے اجسام میں

اور عوام کے اجسام میں فرقِ عظیم ہے عوام کے اجسام چاہ دنیا میں لذات دنیویہ کے طالب ہیں اور عارفین کے اجسام لوگوں کو اس چاہ سے نکالنے میں مشغول ہیں عوام کے اجسام کا تمام تر تعلق عالم عناصر سے ہے اور اس عارف کے جسم کا معتدبہ تعلق حق تعالیٰ سے ہے کما ورد کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ اور حقیقت یہ ہے کہ عارفین کے مراتبِ قرب اور ان کی جلالتِ شان کے لائق دنیا میں کوئی مثال نہیں ہے یہ تمام تمثیلات مذکورہ محض توضیح کی غرض سے لائی گئی ہیں ان مثالوں سے مماثلت من کل الوجوہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے خصوص روح عارف کہ اصل عارف ہے وہ خود غیر محسوس ہے خصوص جب اس میں نسبت مع اللہ کا لحاظ کیا جاوے پس غیر اشرف میں اشرف کا مماثل اور محسوسات میں غیر محسوس کا مماثل اور متعلقات بماسوی اللہ میں متعلق مع اللہ کا مماثل کہاں پایا جاسکتا ہے۔ (مستفاد من کلید مثنوی)

عارف باللہ کی شان

عارف باللہ کی تنہا ذات لاکھوں انسانوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا ارشاد فرماتے ہیں ؎

ہاں وہاں ایں دلق پوشاں من اند ۔۔۔ صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند

یعنی اے لوگو! خوب غور سے سُن لو کہ یہ گدڑی پوش ہمارے خاص بندے ہیں میرے تعلق خاص کی برکت سے ان کا ایک تن لاکھوں انسانوں میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے۔

صد ہزاراں مرد پنہاں در یکے ۔۔۔ صد کمان و تیر در جے ناوکے

مولانا رومی رحہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں اس کی مثال موجود ہے کہ جب آدمی کسی خاص ادا پر فریفتہ ہوجاتا ہے تو اس معشوق کی جنبش مژگاں میں اس عاشق کو سَو کمان اور سَو تیر معلوم ہوتے ہیں۔ عشق بھی عجیب چیز ہے۔

مجنوں کی طرف سے مولانا فرماتے ہیں ؎

مجنوںؒ کا احترامِ عشق

؎ آں سگے کو باشد اندر کوئے او
من بشیراں کے دہم یک موئے او

آں سگے کو گشت در کویش مقیم
خاک پایش بہ ز شیرانِ عظیم

مجنوں کہتا ہے کہ وہ کتا جو لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے میرے دل میں اس کی اسقدر عظمت ہے کہ میں شیروں کو اس کتّے کا ایک بال بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا ہوں۔ اور وہ کتا جو لیلیٰ کی گلی میں مقیم ہے اس کے پَیر کی خاک شیرانِ عظیم سے بہتر ہے۔

نسبت خود بسگت کردم وبس منفعلم
زانکہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

ایک عاشق کہتا ہے کہ اے محبوب میں نے ادب عشق سے اپنی نسبت آپ کے کُتّے کی طرف کی لیکن پھر بھی مجھے اس انتساب سے شرمندگی ہے کیونکہ آپ کی گلی کے کتّے کی طرف بھی نسبت کرنا طریق عشق میں بے ادبی ہے عشق کا راستہ بہت ادب کا راستہ ہوتا ہے۔ طرق العشق کلہا ادب یعنی عشق کا ہر ایک راستہ سرتاپا ادب کا راستہ ہے۔

ایک مُردار لیلیٰ کے عشق میں مجنوں نادان کا یہ حال ہوگیا تھا یعنی کسقدر ادب کا غلبہ ہوگیا تو پھر عشق مولیٰ تو عجیب وغریب چیز ہے ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہراو اولیٰ بود

اللہ کا عشق جس پر اثر کرجائے اس کا کیا حال ہوگا۔ اللہ جس نے لیلیٰ کو

لیلیٰ بنایا تھا اور لاکھوں لیلیٰ کو بناتا ہے اور پھر خاک میں ملا دیتا ہے اس کی محبت لیلیٰ کی محبت سے کب کم ہو سکتی ہے ؎

جُرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند   صاف گر باشد ندانم چوں کند

عاشق اللہ تعالیٰ کے راستے کو بہت جلد قطع کر لیتا ہے۔ کیونکہ عشق کامل معرفتِ کاملہ سے پیدا ہوتا ہے۔

معرفت سے محبت پیدا ہونے کی ایک عجیب مثال!

معرفت الٰہیہ کے لئے محبت الٰہیہ لازم ہے اور محبت موقوف ہے معرفت پر میں اس کی ایک مثال سے توضیح کرتا ہوں اور یہ مثال ایسی ہے جس سے اکثر سابقہ بھی پڑتا رہتا ہے۔ کسی جگہ پر دو شخص گفتگو کر رہے ہیں اور ایک دوسرے کو پہچانتا نہیں ہے ایک تیسرا شخص آتا ہے وہ دونوں میں تعارف کرا دیتا ہے اب یہ دونوں اس جان پہچان کے بعد یک بیک کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو سینے سے لگا لیتے ہیں اور ان دونوں میں جس درجہ کا تعلق ہوتا ہے اسی درجۂ محبت کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس تعارف کرانے والے کو مُعرِّف کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور بندوں میں جان پہچان کرانے کے لئے انبیاء علیہم السلام مُعرِّف بنا کر بھیجے جاتے ہیں پھر ان کے سچے متبعین اور نائبین سے یہی کام حق تعالیٰ لیتے ہیں۔

طریق زہد اور طریق عشق

طریق[1] زہد اور طریق عشق[2] یہ دو طریق وصول الی اللہ کے ہیں۔ طریق زہد میں بہت دیر لگتی ہے اور طریق عشق بہت جلد مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

ہمارے حضرت مرشد مولانا تھانوی رح اس کو یوں سمجھایا کرتے تھے کہ

ایک زمین ہے جس میں کھیتی کرنا ہے اور یہ زمین یوں تو غیر مزروعہ ہے لیکن خاردار درختوں سے پُر ہے اب اس زمین کو قابل زراعت بنانے کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ ایک ایک خاردار درخت کو کاٹ کاٹ کر باہر پھینکدیں اور اسطرح کرتے کرتے عرصہ دراز کے بعد یہ زمین ایک نہ ایک دن صاف ہوکر قابلِ کاشت ہوجاویگی۔ دوسری صورت یہ ہی کہ تمام درختوں پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگادیں اور سب جل کر رکھ کا ڈھیر ہو جاویں۔

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت　　ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

یعنی عشق وہ شعلہ ہے کہ جب روشن ہو جاتا ہے تو معشوق کے علاوہ تمام غیر ضروری تعلقات کو سوختہ کر دیتا ہے۔

بس یہی دوسرا طریقہ طریق عشق ہے اور پہلا طریقہ طریق زہد ہے قلب میں جس قدر اخلاق رذیلہ اور علائق فانیہ اپنی جڑ پکڑے ہوئے ہیں ان کو ایک ایک کر کے الگ کرنے میں ایک عمر چاہیئے اور اس زمانہ میں یونہی اوسطاً لوگوں کی عمر زیادہ سے زیادہ صرف ساٹھ یا ستر سال کی ہوتی ہے اور اللہ کی محبت کی آگ تمام غیرحق کے تعلقات کو سوختہ کر دیتی ہے۔ اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

صنما رہ قلندر سزد ار بمن نمائی　　کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

صنم سے مراد شیخ کامل ہے یعنی اے محبوب شیخ اگر میرے لئے آپ مناسب سمجھیں تو طریق عشق سے میرا راستہ قطع کرا دیجئے کیونکہ طریق زہد کا راستہ بہت لمبا ہے۔

فرق سیر زاہد و سیر عارف - اسی کو حضرتِ عارفؒ فرماتے ہیں:۔

سیر زاہد ہر مہے یکروزہ راہ　　سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

کہ زاہد طریق زہد سے ایک ماہ میں ایک روز کی مسافت طے کرتا ہی اور عارف

کا سیر ہر سانس میں تختِ شاہ تک ہوتا رہتا ہے۔

مذاقِ قلندری کی تحقیق

حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ "رہِ قلندر" ایک خاص اصطلاح ہے "قلندریہ" ایک طبقہ اولیاء اللہ میں ہوتا ہے جو ایک خاص مذاق اور ایک مخصوص رنگ نسبت سے مشرف ہوتا ہے۔ جن اولیاء اللہ کو ہر وقت حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ ایک خاص کیفیت استحضاری نصیب ہو جاتی ہے اور ان کے سر پر ہر وقت نسبت کا گویا ایک پہاڑ رکھا ہوتا ہے ایسے حضرات اگرچہ بظاہر تکثیر نوافل اور تکثیر وظایف میں مشغول نظر نہیں آتے ہیں لیکن ان کے باطن پر کسی وقت غفلت اور ذہول نہیں طاری ہوتا ہے۔ یہ حضرات تکثیر اوراد اور وظائف سے زیادہ اس امر کا اہتمام رکھتے ہیں کہ قلب ایک لمحے کو بھی حق تعالیٰ شانہ سے غافل نہ ہو۔ اسی مذاق کا نام مذاقِ قلندری ہے۔

حضرات صحابہ رضؓ کی شانِ محبت

طریق عشق میں بڑی برکت ہوتی ہے محبت تمام تلخیوں کو آسان کردیتی ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب طریق عشق سے راستہ قطع کرنے والے تھے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ الآیہ۔

اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ رضؓ کی شان میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اور جو لوگ میری ذاتِ پاک پر ایمان لائے ہیں یہ اپنے اللہ کی محبت میں نہایت سرگرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی شدتِ محبت کی شہادت دے رہے ہیں۔ اور اس شدتِ محبت کے ثبوت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا

سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسولِ پاکؐ کی معیت کے فیض سے ہمیں پہچان گئے ہیں اور ہماری معرفت کاملہ کے صدقے میں ہماری محبت کاملہ سے مشرف ہو گئے ہیں اور اس قدر گہرا تعلق میری ذاتِ پاک کے ساتھ ان کی جانوں کو ہو گیا ہے کہ یہ میری رضا اور خوشی کے لئے اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لئے

سرِ میدان کفن بر دوش دارم

کا نعرۂ عشق بلند کر رہے ہیں شدّتِ محبت کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک تو محبوب کا محبوب محبوب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ محبوب کی گلی کا ایک ادنیٰ کُتّا بھی محبوب ہو جاتا ہے۔

مجنوں کی حکایت

واقعہ ہے کہ ایک بار مجنوں ایک کُتّے کو گود میں لیکر اُس کے پیر کی خاک چوم رہا تھا مخلوق نے کہا اے مجنوں یہ تو کیا کر رہا ہے مجنوں نے جواب دیا کہ ؎

کایں طلسم بستہ مولیست ایں پاسبانِ کوچۂ لیلیست ایں

یعنی یہ کُتّا لیلیٰ کی گلی کا چوکیدار ہے اس کا حسین نقشہ حق تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے ؎

آں سگے کو گشت در کویش مقیم خاک پایش بہ ز شیرانِ عظیم

وہ کُتّا جو لیلیٰ کی گلی میں قیام کرتا ہے اس کے پیر کی خاک بڑے بڑے شیر دل سے بہتر ہے ؎

آں سگے کہ باشد اندر کوئے او من بشیراں کے دہم یک موئے او

وہ کتا جو لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے میں اس کا ایک بال شیروں کو کب دے سکتا ہوں۔

اے کہ شیراں مرسگانش را غلام   گفتن امکاں نیست خامش والسّلام

محبت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ محبوب کا دشمن مبغوض ہو جاوے یہاں تک کہ مبغوضین کی خاص وضع اور ان کے طرز و اطوار خاصہ اور ان کے خصوصی شعار سے بھی نفرت ہو جاوے۔ یہ محبت کا ایک ذاتی خاصہ ہے۔ اور محبت میں ایک تیسرا پہلو اور بھی ہے جو اِن دونوں پہلوؤں کی روح ہے وہ محبوب کی اطاعت اور اس کی یاد ہے اور یہ بھی محبت کی ایک ذاتی صفت ہے۔ اسی کو صاحب قصیدہ بردہ فرماتے ہیں ؎

ایحسب الصب ان الحب منکتم   ما بین منسجم منہ و مضطرم

محبّت کے دو گواہ

کیا عاشق اس بات کا گمان کرتا ہے کہ اس کی محبت پوشیدہ رہ سکتی ہے درانحالیکہ اس عاشق کی آنکھیں محبوب کی یاد میں رونے والی ہیں اور قلب حرارت عشق سے مشتعل ہو رہا ہے ان دو گواہوں کی شہادت کے بعد اس کا عشق کب چھپ سکتا ہے۔

حضرات صحابہؓ کی شدّت محبّت کا ایک رُخ

حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرات صحابہؓ کی تعریف میں اس مقام پر محبت کی ان تینوں صفتوں کو بیان فرمایا ہے۔

ایک تو یہ کہ میری محبت کی وجہ سے میرے منکرین سے اور میری شان میں گستاخی کرنے والوں سے یہ لوگ جاں ستانی اور جاں بازی کا معاملہ کرنے والے ہیں ؎

حُسن جب مقتل کی جانب تیغِ برّاں لے چلا
عشق اپنے مجرموں کو پا بہ جولاں لے چلا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری محبت میں جان دینے کے لئے اور جان لینے کے لئے میدان جہاد میں اس طرح باہمت کھڑے ہوتے ہیں کہ گویا یہ ایک عمارت ہیں جس کے اندر سیسہ پگھلا کر ڈال دیا گیا ہو۔

مولانا عارف رومی رح فرماتے ہیں ؎

بر سر مقطوع اگر صد خندق است   پیش درد او مزاح مطلق است

یعنی جو سر عشق سے مقطوع ہو اس کے سامنے اگرچہ سو خندق ہوں لیکن سر بریدۂ عشق کے درد کے سامنے یہ صدہا خندق محض ایک مزاح کی حیثیت رکھتے ہیں ؎

عشق خونی چوں کند بر زہ کمان   صد ہزاراں سر بپولے آں زماں

مولانا رح فرماتے ہیں کہ عشق خونی جب چلّہ کمان پر چڑھا لیتا ہے تو ہزاروں سر اس وقت میں ایک پیسے میں بک جاتے ہیں۔

اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ کی صفت کو حق تعالیٰ نے رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ کی صفت پر مقدم فرمایا ہے۔ اس میں عجیب راز ہے جس کو مولانا رومؒ حل فرماتے ہیں ؎

عشق از اوّل چرا خونی بود   تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

مولانا فرماتے ہیں کہ عشق کا منظر اوّل وہلہ میں بہت خونی معلوم ہوتا ہے تاکہ غیر عاشق نہ داخل ہو سکے کیونکہ دربار عشق دربار خاص ہے یہاں تو صرف سراپردہ جلال ہے اس کا گزر کب ہو سکتا ہے جس کے دل میں نفاق اور ملال ہے ؎

نماند سراپردہ الاجلال   بدر دیقیں پردہ ہائے خیال

اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ میں چونکہ جاں بازی کا معاملہ تھا اور جانبازی ہی عشق کا خاص جھنڈا ہے جو سلطنت عشق کو دوسری سلطنتوں سے

ممتاز کردیتا ہے۔

من علم اکنوں بصحرا می زنم　　　یا سر اندازی دیا روئے صنم

مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میدان میں اب اپنی محبت کا جھنڈا گاڑدوں گا یا تو سر دیدوں گا یا محبوب کی زیارت کروں گا۔ یعنی عاشقین صادقین کو محبوب کے لئے جان دیدینا آسان ہوتا ہے۔

پس اس آیت میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اولاً حضراتِ صحابہؓ کی جانبازی کے تمام جہادی کارناموں کا ایک ایسا اجمال رکھدیا ہے جو تمام تفصیل کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ موقع جہاد میں ایسے بھی مواقع حضرات صحابہؓ کو پیش آئے ہیں کہ باپ صحابی ہے اور مقابلے میں بیٹا کافر ہے اللہ کی محبت کی سرگرمی کا مظاہرہ اس وقت قابل دید تھا۔ اس سرزمین کا ہر ذرہ مست ہوگیا ہوگا کہ میرے اوپر اللہ کی محبت میں یہ رجال اللہ یعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ کارزار میں آج اپنی اس محبت کا حق ادا کر رہے ہیں

ساقیِ اَلَست کا انعام

جو ان کو ساقیِ الست نے روز میثاق عَالَمِ اَرواح میں پلادی تھی۔

جُرعۂ مے ریخت ساقی الست　　　بر سرِ ایں خاک شد ہر ذرہ مست

مولانا رح فرماتے ہیں ساقیِ الست نے مئے معرفت اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا ایک جُرعہ اس خاک پر ڈالدیا تھا جس کے فیض سے اِس خاک کا ہر ذرہ مست ہوگیا۔ عَالَمِ اَرواح سے ہم کو انھیں کارنامہائے محبّت کے لئے الگ کیا گیا ہے کیونکہ عَالَمِ ارواح میں جانبازی اور سر اندازی کے آلات نہ تھے اُس عالَمِ پاک میں مادیات کا گزر نہیں ہوسکتا ہے اور یہ آلات ہاتھ۔ پاؤں۔ سر۔ دل۔ دماغ سب مادی ہیں اور حق تعالیٰ کو اپنے بندوں کا اپنی راہ میں گرم بازاریِ عشق

کا مظاہرہ دیکھنا منظور تھا اس لئے عالم ارواح سے اس عالم ناسوت میں ایک مدت معینہ کے لئے آلات محبت دیگر یعنی اجسام کا خلعت انعام فرما کر بھیجدیا ہے جسم تو ہمارا خاکی ہے لیکن روح عالم امر سے کٹ کر آئی ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند　　کز جدائیہا شکایت می کند

یعنی بانسری کی آواز سنو کہ جس وقت وہ حکایت بیان کرتی ہے یعنی جب وہ اپنی جدائی کا غم بیان کرتی ہے۔

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند　　از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

یعنی بانسری کا نالۂ نے بزبان حال یہ کہتا ہے کہ مجھکو نیستاں سے یعنی میرے اصل مرکز سے مجھکو جدا کر دیا ہے اسی جدائی کے غم سے آج میرے نالوں سے تمام مرد و زن نالاں ہیں یعنی میری آواز دردناک سننے والوں پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش　　باز جوید روزگار وصل خویش

یعنی مولانا قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں کہ ہر شخص جو اپنے اصل مرکز سے دور ہوگا تو پھر وہ اپنے زمانۂ وصل کا طلب گار ہوگا۔

مولانا روم رحنے روح کو بانسری سے تشبیہ دی ہے اور یہ تشبیہ محض سمجھانے کے لئے ہے ورنہ ظاہر ہے کہ روح کا عالم عالم امر ہے اور بانسری عالم ناسوت کی چیز ہے چہ نسبت خاک را با عالم پاک - یہاں تشبیہ من کل الوجوہ نہیں ہے بلکہ صرف اس جہت سے تشبیہ دی ہے کہ بانسری کو اس کے اصل مرکز سے کاٹ کر جدا کرتے ہیں اور اس بانسری میں رونے کی سی آواز جو نکلتی ہے اس کو نالۂ غم جدائی از اصل سے تشبیہ دی ہے پس اسی طرح روح کو اس کے اصل مرکز سے یعنی قرب خاص عالم امر سے جدا کر کے ایفاءِ عہدِ الست کے لئے دنیا میں بھیجا ہے۔

اسی کو حضرت رومی رح فرماتے ہیں ؎

ناف ما بر مہر خود ببرید اند　　　　عشق خود در جان ما کاریدہ اند

(اصل شعر میں "بر مہر او" اور "عشق او" ہے ضرورت کیلئے ترمیم کرلی گئی ہے)

یعنی حق تعالیٰ نے پیدائش کے وقت میری ناف کو ایفاء عہد وفا اور محبت کی شرط پر کاٹا ہے مراد یہ ہے کہ عالم امر سے بشرط ایفاء عہد الست جُدا فرمایا ہے۔ اور اپنی محبت کو اَلَسْتُ بِرَبِّکُم فرما کر ہماری جان میں بو دیا ہے۔ محبت کا بیج وہیں سے رکھدیا ہے دنیا میں اس کے پھل پھول پیدا ہوں گے۔

اسی کو ہمارے خواجہ صاحب مجذوبؒ فرماتے ہیں ؎

دل ازل سے ہے کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی وہ اُبھر آئی ہے

الحمدللہ! آیتِ مذکورۃ الصدر پر میری ایک عجیب الہامی تقریر ہے اگر آج میرے مرشد حضرتِ تھانوی قدس سرہٗ العزیز بحیاتِ طیبہ تشریف فرما ہوتے تو اس تقریر کو سُنکر بہت خوش ہوتے اور یہ سب انھیں کی غلامی کا صدقہ ہے واللہ میں کچھ نہیں ہوں جو لوگ مجھ سے اعتقاد ظاہر کرتے ہیں تو مجھے اپنے اوپر ہنسی معلوم ہوتی ہے کہ اس خالی خولی بندے سے کیوں ایسی عقیدت رکھتے ہیں۔ درحقیقت اچھے اچھے بندے جب اُٹھ جاتے ہیں تو بقول شخصے گندم اگر بہم نہ رسد بُھس غنیمت است یعنی گیہوں جب نہیں ملتا ہے تو لوگ گیہوں کی بُھوسی ہی کو غنیمت سمجھنے لگتے ہیں وہی حال میرا ہے۔

حضرت حاجی صاحب مہاجر مکّی دادا پیر قدس سرہٗ کا ارشاد ہے ؎

جو تھے نوری وہ گئے افلاک پر　　　　مثل تلچھٹ رہ گیا میں خاک پر

حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمۃ کا دوسرا ارشاد ہے ؎

بلبلوں نے گھر کیا گلشن میں جا　　　　بوم ویرانے میں ٹکراتا رہا

حضرت مرشدی تھانوی رح کے نام پاک کی طرف جو ایک نام کا انتساب ہی آج اِسی کا یہ بیچارے لحاظ کرتے ہیں- میں سچ کہتا ہوں کہ قیامت کے دن جب حق تعالیٰ مجھ سے دریافت فرمائیں گے کہ میں نے تجھکو ایسا پیر دیا تھا جو اپنے وقت کا غوثِ زماں اور مجدد زماں تھا اور روئے زمین پر آجاۃ آیات کبریٰ میں سے ایک ممتاز فرد تھا- ہائے جن کی شان میں رمزی اٹاوی نے خوب لکھا ہے-

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ

بدل دیتا ہی جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

تو تو نے میری اس نعمت عظمیٰ اور آیتِ کبریٰ کا کیا حق ادا کیا تو میں اس وقت حق تعالےٰ شانہ کے سامنے اس سوال سے شرمندہ ہو جاؤں گا اور یہی عرض کروں گا کہ اے اللہ مجھ سے کچھ حق ادا نہ ہوا-

تقریرِ اَلَسْتُ بِرَبِّکُم وہ تقریر الست بربکم کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے روز میثاق عالم ارواح میں ارواح سے ایک معاہدہ لیا ارشاد فرماتے ہیں وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ج اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اور جب کہ آپ کے رب نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انھیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں- سب نے کہا کیوں نہیں ہم سب گواہ بنتے ہیں جب حق تعالیٰ نے ارواح سے یہ سوال فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو اس سوال کے اندر ربوبیت کے انوار موجود تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات

پاک نور ہے ان کا کلام نور ہے اس سوال کے ساتھ ساتھ انوار ربوبیت ارواح پر پھیل گئے۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُم کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کیا میں تمہارا اللہ نہیں ہوں رب فرما کر اپنی ربوبیت کی تجلی دکھلا دی اسی سوال میں ارواح نے اپنے رب کو دیکھا اور رب کی ربوبیت کو دیکھا اور دیکھ کر کہا بلیٰ کیوں نہیں یعنی بے شک آپ ہمارے رب ہیں۔ نور کی شان ظاہر لنفسہٖ اور مظہر لغیرہٖ ہے یعنی نور خود ظاہر ہوتا ہے اور اپنے غیر کو بھی ظاہر کر دیتا ہے۔ پس حق تعالیٰ شانہ کی صفت ربوبیت کی جب ارواح پر تجلی ہوئی تو ارواح پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تفصیلی کمال اور اپنی تفصیلی احتیاج وفقر کا انکشاف ہو گیا اور دیکھ کر اقرار کیا کہ بے شک آپ ہمارے رب ہیں۔ جس وقت اَلَسْتُ بِرَبِّکُم فرمایا تو اسم پاک رب کے انوار نے ارواح کو مست کر دیا ہمارے خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لَو شمعِ محفل کی
پتنگوں کے عوض اڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

جرعۂ مے ریخت ساقیِ اَلَست　　　بر سرِ ایں خاک شد ہر ذرہ مست

مولانا رحؒ فرماتے ہیں کہ ساقیِ الست بربکم نے عالم ارواح میں اپنی محبت کی شراب کا جو جرعہ خاک پر ڈال دیا تھا اس کے فیض سے ہر ذرہ خاک کا مست ہو گیا۔ اور اسی دیوانگی اور محبت میں اس خاکی پتلے نے اس امانت کا بار اٹھا لیا جس کے بارسے ہفت آسمان اور زمین کانپ اٹھے

تھے فَاَبَیْنَ اَن یَّحْمِلْنَهَا اس کے اُٹھانے سے اِنکار کر دیا مگر یہ انکار سرکشی کے سبب نہ تھا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا سے اس شبہ کو رفع فرما دیا یعنی ڈر کے مارے اِنکار کیا تھا۔ اور انسان نے اس امانت کو اُٹھالیا۔

اِطاعت کی صحیح تعریف

محبت عجیب چیز ہے۔ احکام الٰہیہ کے بار کو محبت نے بار نہیں سمجھا۔

محبت اطاعت کو آسان کر دیتی ہو اور اطاعت بھی درحقیقت وہی ہے جو محبت کے ساتھ ہو۔ کیونکہ اطاعت طوع سے ہے اور طوعؑ کراہت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِئْتِیَا طَوْعًا اَوْکَرْهًا قَالَتَا اَتَیْنَا طَائِعِیْن۔ ترجمہ:۔ سو اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حق تعالےٰ شانہ کے سامنے زمین اور آسمان مثل زندوں کے غلام ہیں اور ان کی ایک مخصوص حیات ہو اسی کو حضرت عارف رومی رح نے فرمایا ہے ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند　　　با من و تو مردہ با حق زندہ اند

مولانا رح فرماتے ہیں کہ مٹی ہوا پانی آگ سب حق تعالیٰ کے سامنے دست بستہ غلام ہیں۔ ہمارے تمھارے سامنے بظاہر مردہ ہیں مگر حق تعالےٰ کے ساتھ ہر ایک کا زندوں جیسا تعلق ہے۔ اور اس آیت میں طوعؑ کو کراہت کے مقابلہ میں استعمال فرمانا بتاتا ہے اس امر کو کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت خوشی محبت کے ساتھ مطلوب ہے یعنی عقلاً اور اعتقاداً کسل اور کراہت نہ ہونا چاہئے رہا طبعی کسل اور کاہلی یہ اُمور

غیر اختیاریہ ہیں جن کا بندہ مکلّف نہیں ہے۔ ہمارے مرشد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسل طبعی مُضر نہیں ہے۔ کسل اعتقادی مُضر ہے۔ کسل طبعی کبھی صحت کی خرابی سے بھی لاحق ہو جاتی ہے۔

بعض لوگ نادانی سے احکام شرعیہ کو بار سمجھتے ہیں اور یہ شعر حیلہ سازی کے لئے پڑھتے ہیں ؎

ایک مشہور شعر سے غلط فہمی اور اُس کا جواب

در میان قعر دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

— تو درحقیقت اس شعر کو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف خطاب کرنا سخت گستاخی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا۔ اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہیں رکھتے ہیں۔

ہم لوگ علائق غیر ضروریہ سے اپنے قلب کو مقید کر کے ذکر اللہ سے اپنے کو غافل کر دیتے ہیں۔ پھر یہ شکایت کرتے ہیں کہ معمولات میں سُستی اور ناغہ ہو جاتا ہے اور ہمارا دل ہمیں مخاطب کر کے کہتا ہے او نادان

در میان قعر دریا تختہ بندم کردہ   باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

ہمارا دل مستحق ہے اس بات کا کہ وہ ہمیں اس شعر سے خطاب کرے۔ اس شعر کا اصلی مصداق ہمارا نفس ہے ہم خود ایسے اسباب غفلت میں اپنے کو گھیر لیتے ہیں جو ہمیں ذکر اللہ کے لئے فرصت نہیں دیتے۔ یہی راز ہے جو حق تعالیٰ نے وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ کو خشوع فی الصلوٰۃ کی آیت کے بعد ارشاد فرمایا ہے یعنی نماز میں خشوع انھیں لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو لوگ تمام لغو باتوں سے اعراض

کرتے ہیں۔

نماز میں خشوع کی تعریف

خشوع کی حقیقت یہ ہی کہ اللہ کی عظمت کا ایسا دھیان غالب ہوجائے جس سے بندہ دب جائے۔ نماز میں کھڑا ہے اللہ کی عظمت کے سامنے دبا ہوا کھڑا ہے۔ رکوع میں ہے عظمتِ الٰہیہ کے سامنے دبا ہوا جھکا ہے سجدہ میں ہے عظمت الٰہیہ کے سامنے دبا ہوا پڑا ہے۔ تو یہ کیفیت انھیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو لغو باتوں سے بچتے ہیں۔ اپنے تمام اعضاء کو نافرمانیوں کی گندگی سے بچاتے ہیں۔ جو خارج نماز میں اپنی شان غلامی کا حق ادا کرتا ہے وہ داخل نماز میں بھی غلامی کا تاج سر پر رکھتا ہے پنجگانہ نمازوں کے درمیانی وقفات اور اوقات میں بھی بندہ غلام ہی نماز کے بعد غلامی سے آزاد نہیں ہوجاتا ہے کہ اب جو جی چاہے کریں۔ خواہ جھوٹ بولیں یا کسی عورت پر بدنگاہی کریں۔ یا دل کو ذکر اللہ سے غافل کرکے اسباب معاش میں حلال وحرام کی تمیز چھوڑ بیٹھیں۔ بندہ تو ہر وقت بندہ ہے اور خارج نماز میں بھی بندہ ہی غلام کی ہر سانس غلام ہے۔

حصولِ خشوع فی الصلوٰۃ کا طریقہ

جو شخص خارج نماز میں اپنے اعضاء کی جس قدر حفاظت رکھتا ہی اور گناہوں کی گندگی سے پاک رکھتا ہے اسی قدر داخل نماز میں اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص حضوری اور خشوع میسر ہوتا ہے۔ یہی وہ بندے ہیں کہ نماز میں بھی غلامی کا تاج سروں پر ہے اور خارج نماز میں بھی غلامی کا تاج سروں پر ہے۔

غلام نرگس مست تو تاجداراند خراب بادۂ لعل تو ہوشیار اند

پیر ما سرّ عالم مستی　　　　با دل ہوشیار می گوید

اَمانتِ الٰہیہ کا بار کِس نے اُٹھایا

الغرض انسان نے روز میثاق ر الست بربکم کے سوال میں جو انوار اور تجلیات ربوبیت کے دیکھے تھے اس کی لذت اور کیفیت نے اس امانتِ الٰہیہ کو یعنی احکام شرعیہ کے بار کو اُٹھانے پر آمادہ کر دیا- اور خوشی خوشی بزبانِ حال اَرواح نے یہ کہا ؎

رو روا اے جاں زود زنجیرے بیار ـــــــ یعنی اے جان جا اور جلد اس محبت کی زنجیر کو ہاتھ میں لے لے-

آسماں بار امانت نتوانست کشید　　　　قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

اَلَسْتُ بِرَبِّکُم کے انوار ربوبیت میں میاں نے اپنے کو دکھا دیا اور ارواح نے دیکھ کر کہا بے شک آپ ہمارے رب ہیں لفظ بلیٰ نفی توڑنے کیلئے استعمال ہوتا ہے (لانتقاض النفی) قَالُوْا بَلٰی کا عنوان بتاتا ہی کہ اَرواح نے دیکھ کر کہا کہ کیوں نہیں- بدون دیکھے ہوئے ایسا عنوان نکل ہی نہیں سکتا ہے اور اس آیت سے متصلاً شَهِدْنَا فرمانا اس کی اور تائید کرتا ہے قَالُوْا شَهِدْنَا ہم سب گواہ بنتے ہیں یہ گواہی بتاتی ہے کہ اَرواح نے انوار ربوبیت کو دیکھا اور دیکھ کر گواہی دی کہ ہم سب آپ کی ربوبیت کے گواہ ہیں- شَهِدْنَا سے اس تقریر کی اور بھی تائید ہو جاتی ہی کیونکہ شہادت تو دیکھکر ہی معتبر ہوتی ہے- پیدا فرما کر اپنی تربیت میں رکھ کر تب فرمایا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں، تھے تو اس وقت چیونٹی جیسے مگر بیج ہی میں تو پورا درخت ہوتا ہے- اَرواح نے اپنے وجود کو اور اپنے وجود پر تربیت کے آثار کو دیکھکر عرض کیا بے شک آپ ہمارے رب ہیں اور بیتی ہوئی ربوبیت کا

اقرار کیا تھا۔

اس تقریر کے بعد میں نے جب حضرت مرشدی قدس سرہٗ کی تفسیر بیان القرآن میں اس مقام کو دیکھا تو بیحد خوشی ہوئی کیونکہ حضرت نے بین القوسین جو عبارت تحریر فرمائی ہے اس میں میری تقریر کی تائید موجود ہے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے پہلے بین القوسین یہ عبارت تحریر فرمائی ہے اور (ان کو سمجھ عطا فرما کر) ان سے انہیں کے متعلق اقرار لیا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے (اس عقل خداداد سے حقیقت امر سمجھ کر) جواب دیا کہ کیوں نہیں (واقعی آپ ہمارے رب ہیں حق تعالےٰ نے وہاں جتنے ملائکہ اور مخلوقات حاضر تھے سب کو گواہ کر کے سب کی ——— طرف سے فرمایا) ہم سب اس واقعہ کے گواہ بنتے ہیں۔ صاحب روح المعانی نے حضرت ذوالنون مصری رح کا قول نقل کیا ہے کانہ الان فی اذنی کسی نے آپ سے سوال کیا تھا کہ کیا آپ کو روز میثاق کا وہ سوال اللہ تعالیٰ کا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ اور وہ جواب ارواح کا بلیٰ کہنا یاد ہے تو آپ نے فرمایا مجھے اس طرح یاد ہے کہ گویا میرے کان میں اس وقت بھی وہ آواز گونج رہی ہے۔ (از تفسیر بیان القرآن)

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ میں ذکر صفت ربوبیت کی حکمت

حق تعالیٰ شانہ نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے سوال سے ارواح میں اپنی ربوبیت کی معرفت کی ایک خاص استعداد عطا فرمادی اور اس سوال سے یہ بتادیا کہ ہماری پہچان ہماری صفت ربوبیت سے ہوگی ہماری شانِ ربوبیت ہماری جملہ صفات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے پس ربوبیت کے باب سے ہماری جملہ صفات

کی معرفت ہو جاوے گی - اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کو معرفت میں بڑا دخل ہے کیونکہ سارے عالم میں ان کی ربوبیت کا کارخانہ پھیلا ہوا ہے جس کو دن رات ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں آسمان زمین سورج چاند ستارے پُروا پچھوا گرم سرد ہوائیں دریا پہاڑ رات دن کا آنا جانا - موسموں کے تغیرات - ہر درخت ہر ایک پھول ہر ایک پتی اور پتیوں کے باریک رگ و ریشے میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہمارے مشاہدات میں ہے - ہر ذرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور معیت کا لگاؤ ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں - فذالکم اللہ ربکم دیکھتے نہیں ہو یہ کیا ہے تمہارا اللہ تمہارے سامنے جو تمہاری تربیت فرما رہا ہے اور سارے عالم کا پروردگار ہے - فَمَاذَا بَعْدَ الحق الا الضلال ج فانی تصرفون پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے پھر کہاں تم پھرے جاتے ہو -

تمام مصنوعات اور مخلوقات میں تربیت کے سارے تصرفات اللہ تعالیٰ ہی کے دستِ قدرت سے ہو رہے ہیں اللہ کی ربوبیت اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کو بالکل سامنے کر دیتی ہے - ارشاد فرماتے ہیں -

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا -

تقدیم صفت شدت علی الکفار کی حکمت

حق تعالیٰ نے حضرت صحابہؓ کی شان میں اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کی صفت کو مقدم فرما کر منافقین کا قلع قمع فرما دیا - کیونکہ جان دینا منافق کا کام نہیں ہے -

کار مرداں روشنی و گرمی است　　کار دوناں حیلہ و بے شرمی است

یعنی مردوں کا کام روشنی و گرمی ہے اور کمینوں کا کام حیلہ سازی اور بیحیائی ہے اس صفت کی تقدیم میں بڑے علوم رکھدیئے ہیں۔

عشق اوّل از چرا خونی بود　　تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

مولانا رح فرماتے ہیں کہ عشق کا دروازہ اولاً خونی کیوں نظر آتا ہے تاکہ بیرونی لوگ یعنی غیر مخلصین بھاگ جائیں اور جو اپنے محب خاص ہوں وہ داخل ہوجائیں

دررہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں　　شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

ہمارے حضرت مرشد مولانا تھانوی رح اپنے وعظ میں عجیب وجد کے ساتھ یہ شعر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

عاشق صادق کہتا ہے کہ اے محبوب دشمن کو یہ نعمت نصیب نہ ہو کہ وہ تیری تیغ سے سر بریدہ ہو ہم دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو ہمارے سروں پر خنجر آزمائی کیا کرے۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر بھی اکثر اس موقع پر پڑھتے تھے ؎

جاں دی دی ہوئی انہیں کی تھی　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اللہ تعالیٰ نے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ میں حضرات صحابہ رضؓ کی جس شدّت محبت کی شہادت دی ہے اس کے لئے پہلا ثبوت ان کی یہی جانبازیاں ہیں جو میدان کارزار میں انھوں نے کرکے دکھادیا۔

عدم اعتبار شجاعت قبل جنگ یوں دعویٰ کرنا محبّت میں جاندہی کا آسان ہے لیکن کرکے دکھانا

امر مشکل ہے۔

گفت پیغمبر سپہدار غیوب　　　لاشجاعۃ یافتی قبل الحروب (عارف رومیؒ)

یہ شعر حدیث لاشجاعۃ قبل الحرب کا ترجمہ ہے۔ یعنی شجاعت کا اعتبار قبل موقع امتحان جنگ نہیں ہوتا ہے۔ اور حضرات صحابہ رضؓ نے میدانِ کارزار میں دکھا دیا کہ مومن باپ کی تلوار کافر بیٹے کی گردن پر اللہ کی محبت میں بے دریغ چل جاتی تھی اولاد کی محبت اللہ کی محبت کے سامنے ان کو استقامت علی الایمان سے ہٹنے نہ دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس امر کی شہادت میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اٰبآءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم ط اولٓئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ (پ ۲۸)

حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخص سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو اپنے فیض سے قوت دی ہے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد　　　فدائے یک تن بیگانہ کآشنا باشد

یعنی ہزار اپنا ہو لیکن اگر خدا سے بیگانہ ہے تو اس سے کیا محبت ہو سکتی ہے اور ایک بیگانہ ہو لیکن اللہ والا ہو تو میں اس پر قربان ہوں اسی کو حضرت عارف رومی رحؒ فرماتے ہیں ؎

مہر پاکاں درمیان جاں نشاں　　دل مدہ الا بمہر دل خوشاں

مولانا فرماتے ہیں کہ پاک بندوں کی محبت کو جان میں پیوست کر لو۔ اور دل ہرگز کسی کو نہ دو مگر ان کو جن کے دل اللہ کی محبت سے اچھے ہو گئے ہیں الا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ میں حضرات صحابہؓ کی ایسی جامع تعریف موجود ہے جو ہر صحابی کے تمام کارنامہ محبت کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

حضراتِ صحابہؓ کی شدّتِ محبّت کا دوسرا رُخ

محبتِ حق میں ان کی سرگرمی کی ایک شان تو اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ میں بیان فرمائی گئی اور دوسری شان رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ جس طرح یہ اللہ کی خوشنودی کے لئے اللہ کے دشمنوں پر سخت تھے اسیطرح اللہ کی خوشنودی کے لئے اللہ کے دوستوں پر نرم اور رحمدل تھے۔ جس طرح اپنے ظاہری اور باطنی اعضاً کو پابند محبت کر دیا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا دیا تھا اسی طرح اپنے جذبات اور کیفیات کو بھی اللہ تعالیٰ کی بندگی سکھا دی تھی اب عداوت اور بغض اگر کسی سے ہے تو محض اللہ کے لئے ہے محبت اور نرمی اگر کسی سے ہے تو محض اللہ کے لئے ہے۔ اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کے سچے مصداق بن گئے تھے یہ محبت کی دوسری ذاتی صفت ہے کہ محبوب کے دوستوں کے ساتھ محبت ہو جائے۔

اللہ کی خوشنودی کے لئے ایمان والوں کے ساتھ ایسی اخوت اور رحمت کا تعلق تھا کہ حق تعالیٰ ان کی تعریف میں ارشاد فرماتے ہیں۔

یُحِبُّوْنَ مَنْ ھَاجَرَ اِلَیْھِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِھِمْ

حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ (ان کی رحمت و محبت کا یہ عالم ہو کہ) جو اِن کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبّت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ مالِ غنیمت وغیرہ سے ملتا ہے اس سے یہ انصار بوجہ محبت کے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر محبت کرتے ہیں کہ اطعام وغیرہ میں ان کو مقدم رکھتے ہیں اگرچہ اُن پر فاقہ ہی ہو یعنی بسا اوقات فاقہ سے بیٹھ رہتے ہیں اور مہاجرین کو کھلا دیتے ہیں (پ ۲۸ تفسیر القرآن سورہ حشر)

حدیث شریف میں ہو کہ ایک صحابی کے یہاں ایک صحابی مہمان ہوئے کھانا کم تھا جو کچھ تھا حاضر کردیا اور چراغ کو گل کردیا خود بھی ساتھ بیٹھ گئے اور یونہی منہ کو کھانے والوں کی طرح حرکت دیتے رہے تاکہ مہمان کو یہ علم نہ ہو کہ میزبان کھانا کم ہونے کے سبب نہیں کھا رہا ہو اور اسی مصلحت سے چراغ بھی گُل کردیا تھا کہ مہمان کو اس خوش حیلہ کا علم نہ ہو سکے ۔ میدانِ کارزار میں تیر اور تلوار سے زخم کھائے ہوئے صحابہ العطش العطش یعنی پیاس پیاس کی آواز لگا رہے تھے ایک شخص پانی لیکر جاتا ہو ایک زخمی صحابی کو پانی پیش کرتا ہو قریب سے آواز دوسرے مجروح صحابی کی آتی ہو العطش یعنی پیاس فوراً لب تشنہ کو پانی سے ہٹا لیتے ہیں اور فرماتے ہیں میرے اس بھائی کو دو جس کی آواز العطش کی آئی ہو جب یہ پانی ان کے پاس لے جاتے ہیں تو تیسرے زخمی صحابی کی آواز آتی ہو العطش اس آواز کو سنتے ہی خود پینے سے اِنکار فرماتے ہیں اور حکم دیتے ہیں میرے اس پیاسے بھائی کو پلا دو جس نے ابھی آواز دی ہو العطش یعنی پیاس ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر صحابی اپنی پیاس پر اپنے بھائی کی پیاس کو ترجیح دیتا رہا

حتیٰ کہ سب کے سب شہید ہو گئے اور پانی پیالے میں باقی ہی رہ گیا۔ یہ موقع جنگ کا واقعہ ہے ایک طرف شدّت علی الکفار کی موج اٹھتی تھی تو دوسری طرف رُحَماءُ بینہم کی لہر اُٹھتی تھی۔

حضرات صحابہؓ کی شدّت محبّت کا تیسرا رُخ ـــــ

تیسری صفت جو محبت کی دونوں شانوں کی رُوح ہے وہ مالک اور معبود حقیقی کی یاد ہے۔

اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ اوست　　اے ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست

مولانا عارف رومی رح فرماتے ہیں کہ بڑی مبارک وہ آنکھیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں رونے والی ہیں اللہ تعالیٰ کی یاد میں جو آنسو گرتے ہیں حق تعالیٰ کے نزدیک ان اشک محبت کی قدر شہیدوں کے خون کے برابر ہے۔

حضرت عارف رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

کہ برابر می کند شاہ مجید　　اشک را در وزن با خون شہید

اور وہ دل بہت مبارک دل ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں سوختہ ہو۔

حضرات صحابہؓ کی شدت محبت کی اس شان کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ یہ ہمارے سرگرمِ محبت ہمارے دشمنوں پر ایسے سخت ہیں کہ جان لے لیتے ہیں اور جان دے دیتے ہیں اور ہمارے دوستوں کے ساتھ بڑے مہربان اور رحمدل ہیں اور ہماری یاد تو ان کی اصلی غذا ہے۔ کبھی ہمارے سامنے ہماری محبت میں ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اور کبھی رکوع میں جھکے ہوئے ہیں قیام کو اس لئے نہیں فرمایا کہ رکوع کی حالت قیام کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے پس قیام کا ثبوت اس کے اندر خود مندرج ہے۔

اپنی بندگی اور غلامی کی شان کا اظہار کر رہے ہیں رکوع کے بعد سجدے میں اپنے کو مٹا رہے ہیں۔

انسان کی پیدائش میں وحدانیت کی دلیل

انھوں نے اپنی حقیقت کو سمجھ لیا تھا اور اللہ کی عظمت کو پہچان لیا تھا۔ اپنی حقیقت کو یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم ایک قطرۂ منی تھے پھر اس پانی پر میرے اللہ نے میری کیسی صورت گری فرمائی ہے۔

کہ کرد ست بر آب صورت گری دہد نطفہ را صورتے چوں پری

یعنی یہ ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان اور ان کے اندر پکڑنے چلنے دیکھنے سونگھنے اور سننے کے خزانے بخشے زبان کو گویائی بخشی۔ دماغ میں عقل کا خزانہ ودیعت فرمایا ماں باپ کا ظاہری تعلق ضرور ہوا لیکن وہ صرف اُس امانتِ الٰہیہ کو جو حضرت آدم علیہ السلام سے منتقل ہوتی آرہی تھی رحمِ ماں میں سُپرد کرنے کے لئے تھا۔ باپ کو صرف اتنا ہی دخل ہوا کہ جس نطفہ میں ہمارے ذرّاتِ آفرینش کو حق تعالیٰ نے غذاؤں کے ذریعے اقصاءِ عالم سے سمیٹ کر جمع فرما دیا تھا اس امانت کو ماں کے شکم میں پہنچا دے۔ اور ماں باپ میں ایسی خواہشات رکھدیں کہ ان کو اس امانت کے سپرد کرنے میں کچھ مجاہدہ نہیں کرنا پڑا بلکہ ایک خاص لُطف اور لذّت کے ساتھ ان کی رحمت بے پایاں ان امانات کو اصلاب آبار اور بطون اُمّہات سے نسلاً بعد نسلٍ منتقل کرتی رہتی ہے۔

اب ماں کے شکم میں جب پہنچے تو اس وقت ہم کیا تھے ایک نجس پانی جس کو حق تعالیٰ شانہ نے ماء مھین سے تعبیر فرمایا ہے ماء مھین کا ترجمہ ذلیل پانی ہے۔

یہی ہماری کُل پونجی اور ہماری بنیاد تھی۔ پھر اُس محسن حقیقی نے اس ذلیل قطرۂ منی کو آنکھ کان ناک ہاتھ پاؤں زبان بخشے اور ان کے اندر تمام خزانے بینائی شنوائی وغیرہ کے رکھدیئے اور ماں باپ کو اس میں کچھ بھی تو دخل نہیں ہو ماں باپ کو تو خبر بھی نہیں ہو کہ اس نطفہ کے اندر کیا بخیہ گری ہو رہی تھی — بہت بڑی عبرت کی بات ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے حُجت تمام فرمادی کیونکہ ماں اپنے پیٹ میں بچے کو لئے ہوئے چلتی پھرتی ہے لیکن اس کو خبر نہیں کہ پیٹ کے اندر کیا ہو رہا ہے اس خدائی کارخانے میں ماں باپ کا ہاتھ لگنے نہیں دیا ورنہ بعض نادان ماں باپ ہی کو اپنا خالق سمجھ بیٹھتے۔ ماں باپ کو نو مہینے تک بالکل بے خبر رکھتے ہیں تاکہ ان کی اس بے خبری سے ہمارے بندے عبرت حاصل کرلیں کہ ماں باپ اگر خالق ہوتے تو ان کو علم بھی ہماری خلقت کا ہوتا خالق اپنی مخلوق ہی سے جاہل اور بے خبر ہو یہ عقلاً محال ہو پس اپنے مشاہدے کے مطابق یقین کرلیں کہ ہم کو ماں باپ نے پیدا نہیں کیا ہے ماں کے شکم میں کوئی اور ہاتھ تھا جو کام کر رہا تھا۔ وہی ہمارا اللہ ہو صرف اُن کا ہاتھ نہیں دکھائی دیا باقی اُس ہاتھ کی بخیہ گری جو اس قطرۂ منی پر ہوئی ہو اس کو ہم نو مہینے کے بعد عالم وجود میں مشاہدہ کرلیتے ہیں کیا کوئی دعویٰ کرسکتا ہو کہ ماں کے پیٹ میں میرا ہاتھ تھا نہ ماں دعویٰ کرسکتی ہے نہ باپ دعوے کرسکتا ہے۔ تو دوسرا کون دعویٰ کرسکتا ہے۔ اسی کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ۔ اور خود تمہاری ذات میں ہماری نشانیاں موجود ہیں تو کیا تم کو سوجھائی نہیں دیتا ہے۔ اسی کا نام اپنی حقیقت کو سمجھ لینا ہے جس کی ابتداء ایک ناپاک قطرۂ منی سے ہو وہ اپنے کو بڑا سمجھے۔ تف ہے اس بے غیرتی پر۔

حضرات صحابہؓ نے معیت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار میں اپنی حقیقت سمجھ لی تھی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور برتری پہچان لی تھی اپنا بندہ ہونا سمجھ گئے تھے اللہ کا معبود ہونا سمجھ گئے۔ تھے اپنا سراپا محتاج ہونا اور اللہ تعالیٰ کا اپنا محسن اور پروردگار ہونا سمجھ گئے تھے۔

حق تعالیٰ کے احسانات کا استحضار محبت پیدا کرتا ہے

اس معرفت کاملہ نے انکو محبت الٰہیہ میں سرگرم کردیا۔ احسان سے آدمی عقلاً اور طبعاً دب جاتا ہے بشرطیکہ عقل سلیم اور طبیعت سلیمہ ہو—— ایک گلاس پانی کسی پیاسے کو کوئی پلا دیتا ہے یا کسی مسکین کو ایک وقت کھانا شدت بھوک میں کھلا دیتا ہے۔ یا کسی ننگے کو کپڑا پہنا دیتا ہے تو اس محسن کی طرف سے اس پیاسے اور بھوکے پر کیا کیفیت گزرتی ہے دنیا میں دن رات اس کے مشاہدات موجود ہیں۔

شدت پیاس میں ایک گلاس پانی شدت بھوک میں ایک وقت کا کھانا انسان کو عمر بھر کے لئے دبا دیتا ہے اب اگر یہ غریب بھوکا پیاسا بادشاہ بھی ہو جائے لیکن جب کبھی اپنے اس محسن کو دیکھے گا تو اس احسان کو یاد کرکے اس کے سامنے دب جائے گا اور اس محسن کے شکر میں اس پر ایک عجیب احسانی کیفیت طاری ہو جائے گی۔

جُرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند　　　صاف گر باشد ندانم چوں کند

ہم موجود نہ تھے نہ ہماری طرف سے کوئی درخواست گزری تھی مگر حق تعالیٰ نے بے مانگے ہم کو وجود انسانی بخشا اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

ما نبودیم و تقاضا ما نبود　　　لطف تو ناگفتۂ ما می شنود

اللہ تعالیٰ کے احسانات کو تو ہم شمار ہی نہیں کرسکتے ہیں۔

عَدمِ قدرت بر احصاءِ نِعمِ الٰہیہ

ارشاد فرماتے ہیں وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے ہو۔ اور ارشاد ہوتا ہے ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ اس لَکُمْ میں جو لام ہے وہ نفع کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور مَا فِی الْاَرْضِ میں لفظ مَا تمام روئے زمین کی نعمتوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے اس کے بعد جَمِیْعًا سے اور تاکید فرمادی۔

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اور وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب) خواہ کسی قسم کا فائدہ ہو کھانے کا پینے کا۔ پہننے کا۔ نگاہ کو تازگی بخشنے کا یا نفس و روح کو حظ دینے کا۔ کسی چیز کو دیکھ کر علم صحیح توحید کے حاصل ہو جانے کا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اور اس پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ پھر سب چیزیں حلال ہونا چاہئیں کیونکہ سب میں کچھ نہ کچھ تو فائدہ ہے ہی۔ بات یہ ہے کہ صرف کوئی سا فائدہ ہونے سے اس چیز کا قابلِ استعمال ہونا لازم نہیں آتا کیا سمیات قاتلہ میں بھی کچھ نہ کچھ نفع نہیں ہوتا پھر اطبا ان کے استعمال سے کیوں روکتے ہیں؟ فقط اسی واسطے کہ گو اس میں نفع ضرور ہے مگر غالب ضرر ہے اسی طرح محرمات شرعیہ کو سمجھئے کہ گو ان میں کچھ نفع بھی سہی مگر چونکہ غالب ضرر تھا جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا جاننا کافی ہے ہمارے جاننے کی ضرورت نہیں ہے جس طرح وہاں طبیب کا جاننا کافی ہے عوام کا آگاہ ہونا ضروری نہیں اسلئے

اللہ تعالیٰ نے اس کو ممنوع الاستعمال ٹھیرا دیا دپ الم۔ بیان القرآن)

ایک اعتراض اور اس کا حل

کوئی اعتراض کر سکتا ہو کہ جب تمام زمین کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفع کے لئے پیدا فرمائی ہیں تو سانپ اور بچھو اور سنکھیا کے زہر تو بجائے نفع پہنچانے کے انسان کے لئے سخت ضرر اور تکلیف کے موجب ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو ان چیزوں سے ہلاکت کی نوبت آجاتی ہے پھر اس آیت کا کیا مطلب ہو اس اعتراض کو ہمارے مرشد حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیان القرآن میں حل فرمادیا ہی جس کا خلاصہ یہ ہو کہ سانپ بچھو اور سنکھیا سے اطباء انسان کے بعض امراض کے لئے نہایت مفید دواء تیار کرتے ہیں۔ سنکھیا کا جب کشتہ بنا لیتے ہیں تو یہ بے مثل اور بے نظیر دواء ہو جاتی ہو اسی طرح بچھو کا بھی کشتہ بناتے ہیں جو کشتۂ عقرب کے نام سے گردے کی پتھری میں استعمال کرتے ہیں۔ سانپ کے زہر سے بھی دوائیں بنتی ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہر گھاس بولتی تھی کہ میں فلاں مرض کی دواء ہوں۔ میرے اندر فلاں خاصیت ہے

ربوبیتِ الٰہیہ کی تفصیل

اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کے سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی بندوں کے لئے ایک دواء تیار کرنی چاہی اور اس دواء کا نام شفاءٌ للنّاس یعنی شہد ہے اور یہ دواء ایسے اجزاء سے بنے گی جن کا حاصل کرنا آسان نہیں ہو یہ ہمارا ہی کام ہے اور کسی کے بس میں نہیں ہو لیکن ہم چاہیں گے تو ایک

معمولی مخلوق سے کام لے لیں گے عجیب ان کی رحمت ہو کہ بندوں کے لئے تمام پھولوں کی اور پھلوں کی لطیف شیرینی سے دوا، تیار فرما رہی ہیں تاکہ ہمارے کمزور بندے اس کے استعمال سے آرام اور نفع حاصل کریں۔ اور اس دوا، کے لئے شہد کی مکھی کے جی میں الہام فرمایا کہ اس دوا، کے اجزا، تلاش کرو اور تلاش میں خواہ کتنا ہی دور تک جانا پڑے بیفکری سے جا کر حاصل کر ہم راستے سے تجھے بھٹکنے نہ دیں گے۔ اور اس دوا، کو رکھنے کے لئے پہلے گھر بنالے اور وہ گھر بھی کیا انوکھا گھر ہے شہد کے الگ خانے ہیں اور مکھیوں کے فضلات کے لئے الگ خانے ہیں۔

شہد کی مکھیوں سے اللہ تعالے نے وہ کام لیا جو بڑی بڑی قوت والوں سے نہیں لیا۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (پ ۱۴ سورۂ نحل)

ترجمہ:۔ آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں گھر (یعنی چھتہ) بنالے اور درختوں میں بھی اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں بھی چھتہ لگالے چنانچہ ان سب موقعوں پر وہ چھتہ لگاتی ہو پھر ہر قسم کے مختلف پھلوں سے جو تجھ کو مرغوب ہوں چوستی پھر۔ پھر چوس کر چھتہ کی طرف واپس آنے کے لئے اپنے رب کے رستوں پر چل جو تیرے لئے باعتبار چلنے کے اور یاد رہنے کے آسان ہیں چنانچہ بڑی بڑی دور سے بے رستہ بھولے ہوئے

اپنے چھتے کو لوٹ آتی ہے پھر جب چوس کر اپنے چھتے کی طرف لوٹتی ہو تو اس کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہو (یعنی شہد) جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کی بہت سی بیماریوں کے لئے شفا ہے اس میں بھی ان لوگوں ے لئے توحید کی اور منعم ہونے کی بڑی دلیل ہو جو سوچتے ہیں (از بیان القرآن)

شہد کی مکھیوں کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کا کتنا بڑا کارخانہ الہام فرمایا ہے اور کیسا کام لیا ہے پھولوں کی پنکھڑیوں میں کسی انسان کا ہاتھ اس رس کو نہیں نکال سکتا تھا اس کی انگلی ہی نہیں وہاں داخل ہو سکتی تھی جہاں سے اس کی باریک سوئی داخل ہو کر رس کو چوس لیتی ہے اپنے بندوں کے لئے کیا کیا انتظامات فرمائے ہیں۔ ان مکھیوں سے میاں کی قدرت نے کیا کام لیا ہے۔ بس انسان سوچتا ہی رہ جائے اور اپنے اللہ کے احسان پر قربان ہو جائے۔

اور ارشاد فرماتے ہیں:۔

اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ج نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ (پ ۱۴ س نحل)

ترجمہ:۔ اور تمہارے لئے تمہارے مواشی میں غور درکار ہے دیکھو ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون کا مادہ ہے اس کے درمیان میں سے دودھ کا مادہ کر وہ ایک حصہ خون کا ہے جس کو بعد ہضم کے جدا کر کے تھن کے مزاج سے اُس کا رنگ بدل کر اس کو صاف اور گلے میں آسانی سے اُترنے والا دودھ بنا کر ہم تم کو پینے کو دیتے ہیں۔

اس آیت سے یہ مُراد نہیں کہ پیٹ میں ایک طرف گوبر ہوتا ہو اور ایک طرف خون اور دونوں کے درمیان میں دودھ رہتا ہو بلکہ پیٹ میں

جو غذا ہوتی ہے اس میں وہ اجزاء جو آگے چل کر دودھ بنیں گے اور وہ اجزاء جو گوبر بن جاویں گے سب مخلوط ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جدا جدا کرتے ہیں کچھ گوبر بن کر دفع ہو جاتا ہے اور کچھ ہضم کبدی میں اخلاط بنتے ہیں جن میں خون بھی ہے پھر اس خون میں وہ حصہ جو آگے چل کر دودھ بنے گا اور وہ حصہ جو دودھ نہ بنے گا یہ دونوں مخلوط ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک حصہ جدا کر کے پستان تک پہنچا دیتا ہے اور وہاں پہنچکر وہ دودھ بن جاتا ہے جیسا کہ انثیین میں خاصیت رکھی ہے کہ خون وہاں پہنچکر مادہ منویہ بن جاتا ہے پس اجزائے دمویہ خاصہ جو آخر میں مستحیل الی اللبن ہوئے ہیں یعنی جو اجزاء خون کے آخر میں جاکر دودھ ہوئے ہیں وہ ایک بار تو ان اجزاء سے جدا کئے گئے جو گوبر بنے ہیں اور دوسری بار ان اجزاء سے جدا کئے گئے ہیں جو صرف خون رہنے والے تھے اور دودھ نہیں بننے والے تھے۔

اور شہد کی مکھی جو ایک زہریلا جانور ہے چنانچہ اس کے کاٹنے سے شدید درد ہوتا ہے اس کے اندر سے شہد کا پیدا فرمانا جو تریاق اور شفاء ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عجیبہ ہے۔ (از بیان القرآن)

ظہور شانِ ربوبیّت سے توحید پر استدلال

اور اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

هُوَ الَّذِىٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

اور وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ ایسے صاحبِ قدرت ہیں جس نے

تمھارے واسطے آسمان سے پانی برسایا جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے اور جس سے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں تم اپنے مویشی کو چرنے چھوڑ دیتے ہو اور اس پانی سے تمھارے فائدے کے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اگاتا ہے بے شک اس مذکور میں سوچنے والوں کے لئے توحید کی دلیل موجود ہے ——— وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۙ (ترجمہ) اور اس اللہ نے تمھارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند مسخر بنایا اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں بے شک اس میں عقلمند لوگوں کے لئے توحید کی چند دلیلیں موجود ہیں۔

وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝ اور اسی طرح ان چیزوں کو بھی مسخر قدرت بنایا جن کو تمھارے فائدے کے لئے اس طور پر پیدا کیا ہے کہ ان کے اقسام یعنی اجناس و انواع و اصناف مختلف ہیں (اس میں تمام حیوانات و نباتات و جمادات بسائط و مرکبات داخل ہوگئے بے شک اس مذکور میں بھی سمجھدار لوگوں کے لئے توحید کی دلیل موجود ہے۔ (از بیان القرآن)

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۙ وَعَلَامَاتٍ ط وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝ أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ ط أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ط إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

(تفسیر: ترجمہ از بیان القرآن) اور وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو بھی مسخر قدرت بنایا تاکہ اس میں سے تازہ تازہ گوشت یعنی مچھلی نکال نکال کر کھاؤ اور تاکہ اس میں سے موتیوں کا گہنا نکالو جس کو تم مرد عورت سب پہنتے ہو اور اے مخاطب اس دریا کا ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ تو کشتیوں کو خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی ہوں جیسے جہاز تو ان کو دیکھتا ہے کہ اس دریا میں اس کا پانی چیرتی ہوئی چلی جا رہی ہیں اور نیز اس لئے دریا کو مسخر قدرت بنایا تاکہ تم اس میں مال تجارت لے کر سفر کرو اور اس کے ذریعہ سے خدا کی روزی تلاش کرو اور تاکہ ان سب فائدوں کو دیکھ کر اس کا شکر ادا کرو اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے تاکہ وہ زمین تم کو لیکر ڈگمگانے اور ہلنے نہ لگے اور اس نے چھوٹی چھوٹی نہریں اور رستے بنائے تاکہ ان رستوں کے ذریعے سے اپنے منزلِ مقصود تک پہونچ سکو اور ان راستوں کی پہچان کے لئے بہت سی نشانیاں بنائیں جیسے پہاڑ درخت وغیرہ جن سے راستہ پہچانا جاتا ہے۔ ورنہ اگر تمام زمین کی سطح یکساں حالت پر ہوتی تو راستہ ہرگز نہ پہچانا جاتا۔ اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔ چنانچہ ظاہر و معلوم ہے سو جب اللہ تعالیٰ کا خالق اشیاء مذکورہ ہونا اور اس میں اس کا متفرد ہونا ثابت ہو چکا تو کیا جو شخص پیدا کرتا ہو یعنی اللہ تعالیٰ وہ اس جیسا ہو جاوے گا جو پیدا نہیں کر سکتا کہ تم دونوں کو معبود سمجھنے لگے تو اسمیں اللہ تعالیٰ کی اہانت ہے کہ اس کو بتوں کے برابر کر دیا۔ پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے اور اللہ تعالیٰ نے جو اوپر دلائلِ توحید میں اپنی نعمتیں تبلائی ہیں ان پر کیا حصر ہے وہ تو اس کثرت سے ہیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو گننے لگو تو کبھی نہ گن سکو گے مگر مشرکین شکر اور قدر نہیں کرتے اور یہ جُرم اتنا عظیم تھا کہ نہ معاف کرانے سے معاف ہوتا اور نہ اس جُرم پر اصرار

کے باوجود یہ نعمتیں ملتیں لیکن واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے اور بڑی رحمت والے ہیں کہ کوئی شرک سے توبہ کرے تو مغفرت ہو جاتی ہے اور نہ کرے جب بھی تمام نعمتیں حیات تک منقطع نہیں ہوتیں۔

اور یہاں دنیا کی نعمتوں کے فائض ہونے سے کوئی یوں نہ سمجھے کہ کافروں کو کبھی سزا نہ ہوگی۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ اِلٰــهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝

(ترجمہ و تفسیر از بیان القرآن) کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے پوشیدہ اور ظاہری احوال سب جانتے ہیں پس ان کے موافق سزا دیں گے یہ تو حق تعالیٰ کے خالق اور منعم ہونے کا بیان تھا اور جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں اور اوپر قاعدہ کلیہ گزر چکا ہے کہ غیر خالق اور خالق مساوی نہیں ہو سکتے ہیں۔ پس خالق کے علاوہ دوسرے یہ معبودین کیسے مستحق عبادت ہو سکتے ہیں اور یہ معبودین (مردے) اور بے جان ہیں خواہ دوامًا جیسے بت یا فی الحال جیسے جو مر چکے یا فی المآل جو مریں گے مثلاً فرشتے اور جن اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام وغیرہم) زندہ رہنے والے نہیں ہیں پس خالق تو کیا ہوتے۔ اور ان معبودین کو اتنی بھی خبر نہیں کہ قیامت میں مردے کب اٹھائے جائیں گے (یعنی بعض کو تو علم نہیں اور بعض کو تعیین معلوم نہیں اور معبود کے لئے علم تو محیط چاہیئے۔ خصوصًا بعث کا کہ اس پر جزا ہوگی

عبادت وعدم عبادت کی تو اس کا علم تو معبود کیلئے بہت ہی مناسب ہوا پس خدا کے برابر تو علم میں کیا ہوں گے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے تو اس ایضاح حق پر بھی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اسی لئے ان کو ڈر نہیں کہ توحید قبول کریں معلوم ہوا کہ ان کے دل ہی ایسے ناقابل ہیں کہ معقول بات کے منکر ہو رہے ہیں اور معلوم ہوا کہ وہ قبول حق سے تکبر کرتے ہیں۔ (از بیان القرآن)

ایک اشکال اور اس کا حل

اب کوئی یہ اشکال پیش کرسکتا ہے کہ مشرکین اور کفار جب قبولِ حق سے تکبر کرتے ہیں تو ان دشمنوں کے اوپر دنیا ہی میں ان کی زندگی کو حق تعالیٰ تلخ فرما دیتے اور تنگی معیشت اور تکلیف دہ امراض میں مبتلا فرما دیتے حالانکہ حال اس کے برعکس ہے چنانچہ کفار اکثر بڑے بڑے عیش و راحت کے سامان میں چین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تو اس اشکال کو ہمارے حضرت مرشد تھانوی رح نے ایک عجیب مثال سے حل فرمایا ہے۔ فرمایا کہ جج جب قتل کے ملزم کو پھانسی کی سزا سُنا دیتا ہے تو لطور مراحم خسروانہ سپاہیوں کو حکم کرتا ہے کہ اس ملزم کی جو خواہش ہو اس کو پوری کردو۔ خوب مٹھائیاں اور پوریاں کھلادو بال بچوں کو دیکھنا چاہے تو دکھا دو تو کیا جج کی اس عنایت کو کوئی دوسرا شخص دیکھ کر اس راحت و عیش کی تمنا کرسکتا ہے۔ ہرگز نہیں پس یہی حال کفار و مشرکین کا ہے حق تعالیٰ نے اپنے علم میں ان کے لئے چونکہ ابدالآباد کے لئے جہنم کی سزا کو تجویز کرلیا ہو اس لئے چند دن کے لئے متاع قلیل ان کے سپرد فرما دیا ہے اسی کو حق تعا

ارشاد فرماتے ہیں کُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ٥ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ - اللہ تعالیٰ کافروں کو خطاب فرماتے ہیں کہ تم تھوڑے دن اور کھا لو اور چند روزہ حیات دنیویہ کو برت لو عنقریب کمبختی آنیوالی ہے تم بے شک مجرم ہو اس روز حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی - حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر دنیا کی قدر اللہ تعالےٰ کے نزدیک مچھر کے پر برابر بھی ہوتی تو کافروں کو ایک گھونٹ پانی نہ دیتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان الدنیا جیفة وطالبوھا کلاب دنیا ایک مردار چیز ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں --- اور حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو کافروں کے مکانات سب سونے چاندی کے بنا دیتے لیکن ہمارے بندے فتنے میں مبتلا ہو جاتے یعنی سب کے سب کافر ہو جاتے واضح رہے کہ نافرمان بندے باوجود سامان عیش و راحت کے تلخ زندگی میں رہتے ہیں -

از بروں چوں گور کافر پر حُلَل ۔ واندروں قہر خدائے عزوجل

مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ باہر سے کافر کی قبر پر خوب پھولوں کے ہار ہیں اور بینڈ باجے ہیں اور اندر قبر کے خدائے عزوجل کا قہر ہو رہا ہے - دنیا میں بھی نافرمانوں کا یہی حال ہے کہ ان کے قلوب ہزاروں عیش کے ہوتے ہوئے بے چین اور پریشان رہتے ہیں کیونکہ قلب کی راحت کا مدار اللہ تعالیٰ کی یاد پر ہے غافل قلب کو اطمینان میسر نہیں ہو سکتا - بعض لوگ اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ جب دل کو فلاں فلاں کاموں سے اطمینان ہو جائے تو ذکر شروع کریں پھر جب وہ کام پورے ہو جاتے ہیں تو دوسرے کام پیش آجاتے ہیں اسی طرح ساری زندگی انتظار اطمینان میں بے ذکر کے گزر جاتی

ہے۔ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ذکر کے لئے جمعیت خاطر کا انتظار نہ
چاہیئے جس حال میں ہو بس ذکر کی پابندی شروع کردو ذکر ہی سے اطمینان بھی
میسر ہوگا۔ اطمینان خود موقوف ہے ذکر پر ذکر کے لئے اطمینان کا کہاں سے
انتظار کرتے ہو۔

ایک حکایت ایک واقعہ یاد پڑا۔ حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ
نے وعظ میں فرمایا تھا کہ ایک شخص کو حضرت
خضر علیہ السّلام سے ملنے کا بہت شوق تھا اتفاق سے کہیں ملاقات ہوگئی
اس شخص نے دعا کی درخواست کی حضرت خضر علیہ السّلام نے فرمایا بھائی
کس بات کی دعا کریں عرض کیا کہ اطمینان قلب میسر ہونے کی دعا کردیں
فرمایا جس شخص کو تم بڑے چین اور اطمینان میں پاتے ہو اُس جیسا تمہیں
بنانے کی دُعاء کردوں اور تم کو اس کے لئے چھ ماہ کی مہلت دیتا ہوں اتنی
مدت میں تم تلاش کرلو کہ کون آدمی بڑے عیش و راحت سے اپنی زندگی
گزارتا ہے۔ چھ مہینے تک یہ شخص تلاش کرتا رہا بالآخر ایک جوہری پر اس کی
نظر انتخاب پڑی وہ جوہری بڑے درجے کا رئیس تھا اس کے نوکر چاکر مال و
دولت اور عالی شان مکان کو دیکھ کر اس کو حرص ہوئی کہ اسی جیسا بننے کی
دعا کراؤں گا لیکن دل میں خیال گزرا کہ ذرا اس سے معلوم بھی کرلیں کہ بھائی
تمہاری زندگی کیسی گزرتی ہے۔ چنانچہ اس شخص نے جوہری سے دریافت کیا
اس سے اپنا سب قصّہ بھی کہہ سنایا اس جوہری نے رو کر کہا کہ بھائی خدا
کے لئے مجھ جیسا ہونے کی دُعا مت کرانا بڑی تلخ زندگی میری ہے بڑا غمزدہ میرا
دل ہے پھر اس جوہری نے اپنا سب قصّہ سُنایا کہ میری ایک حسین بیوی
تھی جس پر میں عاشق تھا ایک بار وہ قضاء الٰہی سے بیمار ہوئی تو اس نے

کہا کہ تمہارا عشق سب زبانی ہے میرے مرنے کے بعد تم دوسری شادی کرلو۔ بس غلبۂ محبت میں مجھے ایسا جوش آیا کہ میں نے اپنا عضو مخصوص ہی کا[ٹ] دیا تاکہ میرے عشق کا اس کو یقین ہو جائے اور میں نامرد ہو گیا مشیت ا[یز]د سے وہ اچھی ہو گئی اب میں نامرد ہوں اور اُس نے میرے نوکروں سے تعلق کر رکھا ہے مجھے اس امر کی اطلاع ہر وقت خودکشی کے لئے آمادہ ک[رتی] ہے ایک ایک لمحہ میری زندگی کا مشکل سے کٹتا ہے۔ اسی کو حضر[ت] عارف رومی رح فرماتے ہیں ؎

راہ لذّت از دروں داں نز بروں | ابلہی داں جُستن قصرِ حصون
آں یکے در کنج مسجد مست و شاد | واں یکے در باغ ترش و بے مراد

مولانا فرماتے ہیں کہ لذت کا راستہ داخل سے جان نہ کہ خارج سے۔

اطمینان اور لذّت کا مدار اسباب خارجیہ پر نہیں ہے

یعنی لذّت کا مدار اسباب خا[رجیہ] پر نہیں ہے بلکہ اس کا مدار قلب پ[ر ہے] اس میں چین ہوتا ہی تو ا[سباب] ظاہرہ اگرچہ خلاف طبع ہی کیوں نہ ہوں اطمینان میسر رہتا ہے اور اطمینا[ن] بدون ذکر اللہ کے میسر نہیں ہوتا کیونکہ دل کے خالق نے اس کی غذا صر[ف] اپنی یاد رکھی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب (الآیہ) خوب غور سے سُن لو کہ دلوں کو اطمینان صرف [خدا] ہی یاد سے میسر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص گوشۂ مسجد میں مس[ت] اور شاد ہے اور بظاہر مسجد میں کوئی سامان عیش موجود نہیں ہے۔ ایک شخص باغ میں ترش رو اور نامراد غمگین بیٹھا ہوا ہے۔ اسکی [وجہ] یہی ہے کہ پہلے شخص کے قلب میں کوئی خوشی کا خیال ہے، اور دو[سرے]

ںص کے قلب میں کوئی غم کا خیال ہے۔ بڑے بڑے سلاطین کو افکار سلطنت
ے نیند نہیں آتی ہے اس مقصد کے لئے تنخواہ دار قصہ گو رکھتے ہیں تاکہ
نوں سے خیالات یکسو ہوں اور نیند آجائے۔ اور ایک بوریہ نشین اللہ والا
ین اور اطمینان کے ساتھ پاکیزہ زندگی گزارتا ہے۔ کیونکہ اللہ والا صرف
للہ کی محبت کا لذیذ غم اپنے دل میں رکھتا ہے اور بزبان حال یہ کہتا ہے۔

فکر این و آں نے جب مجھکو پریشاں کردیا
میں نے سر نذر جنونِ فتنہ ساماں کردیا

اب تو میں ہوں اور شغل یاد دوست
سارے جھگڑوں سے فراغت ہو گئی

(خواجہ مجذوب)

للہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ
ختیار کرتا ہے اس کو ہم ایک ستھری زندگی عطا فرماتے ہیں

حیوٰۃِ طیّبہ کی تعریف

ستھری زندگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پلاؤ قورمہ کھانے کو ملتا ہے بلکہ
طلب یہ ہے کہ میری مرضی کے مطابق زندگی گزرتی ہے اور میری یاد سے
اس کا دل چین میں رہتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اسباب تکلیف ہی کے کیوں
ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنے ساتھی سے قید خانے
سے رہائی چاہی تھی کہ جب تم بادشاہ کے روبرو جانا تو میرا بھی ذکر کرنا۔ تاکہ
ے بھی اس حبس سے خلاصی مل جائے اسی کو حق تعالےٰ ارشاد
رماتے ہیں وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ اور
اس شخص پر رہائی کا گمان تھا اس سے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ
پنے آقا کے سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا۔ لیکن شیطان نے اس کو اس بات

کی نقل سے بھلا دیا اور آپ سات برس تک قید میں رہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کے درجات کو اسی طرح بلند فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السّلام خلیفۃ اللہ فی الارض علم الٰہی میں تو پہلے ہی سے تھے لیکن و خلافت ملے گی کب جب رُلا لیں گے تب۔ رُلا کر سر پر خلافت کا تاج رکھ صاحب سُبحۃ المرجان نے اپنی کتاب سُبحۃ المرجان میں تحریر کیا ہی۔

حضرت آدم علیہ السّلام کی گریہ و زاری ——!

کہ حضرت آدم علیہ السّلام اپنی لغزش پر اس قدر روئے ہیں کہ آپ کے آنسوؤں سے چھوٹے چھوٹے چشمے پید ہو گئے اور اسی پانی سے حق تعالےٰ نے خوشبودار پھول پیدا فرمائے اللہ تعالےٰ نے آپ کی ندامت اور گریۂ و زاری سے آپ کی عبدیت کو پختہ فرما کر اس درجہ پر پہنچا دیا جس درجۂ عبدیت پر کہ تاج خلافت عطا ہونا علم الٰہی میں تجویز ہوا تھا۔

قصہ حضرتِ یوسف علیہ السّلام

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس قیدی سے اپنی خلاصی کے متعلق جو بات کہی تھی۔ اس پر حق تعالےٰ نے آپ کو ادب سکھلایا کہ یہ استعانت اگرچہ ناجائز نہیں۔ لیکن آپ کے شایانِ شان نہ تھی آپ کی شانِ نبوت کا مقتضایہ تھا کہ فاضل کو چھوڑ کر افضل کو اختیار فرماتے یعنی صرف مجھ سے درخواست کرتے۔ چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس شانِ عتاب کو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے بایں انداز بیان فرماتے ہیں۔

کرچہ تقصیر آمد از خورشید داد　　تا تو چوں خفاش افتی در سواد

ترجمہ۔ کون سی کمی ہوئی تھی خورشید عطا کی طرف سے جس سے تم خفاش کی طرح ظلمت

شب میں پڑ جاؤ۔

ہین چہ تقصیر آمد از بحر و سحاب تا تو یاری خواہی از ریگ و سراب

ترجمہ۔ ہاں کونسی کمی ہوئی تھی بحر اور سحاب کی طرف سے۔ جس سے تم ریگ اور سراب سے یاری چاہنے لگو۔

عام اگر خفاش طبعند و مجاز یوسفا داری تو آخر چشم باز

ترجمہ۔ عوام اگر خفاش طبع اور مجاز پرست ہیں۔ مگر اے یوسف آخر تم تو چشم کشادہ رکھتے تھے۔

گر خفاشے رفت در کور و کبود باز سلطان دیدہ را بارے چہ بود

ترجمہ۔ اگر کوئی خفاش کوری و کبودی میں چلا گیا تو تعجب نہیں مگر اس باز کو جو سلطان کو دیکھے ہوئے ہے آخر کیا ہو گیا۔

پس ادب کردش بدیں جرم اوستاد کہ مساز از چوب پوسیدہ عماد

ترجمہ۔ پس اس لغزش پر ان کو مصلح حقیقی نے تادیب فرمائی کہ آئندہ کو چوب پوسیدہ سے ستون مت بنانا۔

لیک یوسف را بخود مشغول کرد تا نیاید در دلش زاں حبس درد

ترجمہ۔ لیکن چونکہ اس حالت میں بھی یوسف علیہ السلام مقبول و محبوب تھے اس لئے عین اس عتاب میں یہ عنایت بھی فرمائی کہ یوسف علیٰ نبینا علیہ السلام کو اپنے میں مشغول فرما لیا یعنی تجلیات خاصہ میں مستغرق فرما دیا تاکہ ان کے دل میں اُس حبس سے کُلفت نہ پیدا ہو۔

آنچناں اش انس و مستی داد حق کہ نہ زنداں یادش آمد نے غسق

ترجمہ۔ یعنی ان کو حق تعالیٰ نے ایسا اُنس اور سُکر عطا فرمایا کہ ان کو نہ زنداں کا خیال آیا نہ تاریکی کا جو کہ زنداں میں تھی۔

قصہ حضرتِ ایوب علیہ السلام

حق تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو جب طویل بیماری میں مبتلا فرمایا تو جسم میں جو کیڑے پڑ گئے تھے ان کی محبت آپ کے دل میں ایسی ڈال دی کہ اولاد کی طرح کیڑوں کو چاہتے تھے ان کی محبت اس درجے تھی کہ اگر کوئی کیڑا جسم سے باہر نکلتا تو آپ اس کو پکڑ کر اپنے جسم میں رکھ لیتے اسی کو حضرتِ عارف باللہ مولانا رومی رح فرماتے ہیں ؎

دادہ من ایوب را مہر پدر   بہر مہمانی کرماں بے ضرر

یعنی میں نے ایوب علیہ السلام کے قلب میں کیڑوں کی مہمانی کے لئے باپ کی سی محبت دی تھی یعنی اولاد کی طرح سے کیڑوں پر ان کو شفقت عطا فرمائی۔ پھر جب حضرتِ ایوب علیہ السلام کے ابتلاء اور امتحان کا زمانہ ختم ہوا تو آپ فرمایا کرتے تھے نعمت صحت پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں لیکن حق تعالیٰ کی اس مزاج پرسی کی لذت یاد آتی ہے جو صبح و شام دریافت حال فرمانی کے لئے ارشاد فرماتے تھے کہ اے ایوب کیسا مزاج ہے۔ صبح کی ہمکلامی شام تک ایک خاص حالت سکر میں رکھتی تھی اور شام کی ہمکلامی صبح تک اسی کیف میں مستغرق رکھتی تھی۔ اب وہ لذت میاں کی ہمکلامی اور مزاج پرسی کی نہ رہی۔

اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے۔ کہ

عیادت کو آئے شفا ہو گئی   علالت ہماری دوا ہو گئی
تماشائے مقتل کو آئے جو وہ   تڑپنے کی لذت سوا ہو گئی

قصہ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رح

شیخ ابوالحسن خرقانی رح کی بیوی بڑی تندمزاج

تھیں شیخ کی زندگی کو اپنی بد خلقیوں سے تلخ کر رکھا تھا ایک بار ایک مرید حضرت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے شیخ جنگل تشریف لے جا چکے تھے مرید نے دروازے پر آواز دی شیخ کی اہلیہ نے کہا کہ کیوں آئے ہو مرید نے باصد احترام حضرت شیخ کا نام لیا اور عرض کیا کہ زیارت کی غرض سے حاضر ہوا ہوں بیوی نے شیخ کا نام سنتے ہی سینکڑوں شکایتیں شیخ کی بیان کر کے کہا کہ احمق ہوئے ہو کیوں عمر ضائع کرنے کے لئے اتنا طویل سفر کیا۔ مجھ سے زیادہ شیخ کی حقیقت سے کون آگاہ ہو سکتا ہے مرید بہت آزردہ خاطر ہوا اور روتا ہوا جنگل کی طرف گزرا دیکھتا ہے کہ وہ مظہرِ عشق اور محبوبِ حق شیر پر بیٹھے ہوئے لکڑی کا ایک گٹھا بھی شیر پر لادے ہوئے اور سانپ کا کوڑا ہاتھ میں لئے تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت شیخ نے مرید کی افسردگی سے سمجھ لیا کہ یہ بیچارہ گھر میں کا تنگ کیا ہوا تھا آپ نے فرمایا کہ کچھ غم نہ کرو۔ حق تعالیٰ نے بیوی ہی کی بد مزاجی پر صبر سے مجھے یہ درجہ عطا فرمایا ہے۔

گر نہ صبرم می کشیدے بارِ زن　　کے کشیدے شیرِ نر بیگارِ من

اگر بیوی کا بار میرا صبر نہ کھینچتا تو یہ شیر نر کب میری بیگار اُٹھاتا۔

قصہ حضرت حاجی صاحبؒ

ہمارے دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جب غدر کے زمانے میں عرب ہجرت کر گئے تو وہاں آپ کا کوئی اس وقت شناسا نہ تھا چالیس روز تک فاقے ہوتے رہے یہاں تک کہ فرض نماز کھڑے ہو کر ادا کرنے کی طاقت نہ باقی رہی ایک روز سجدے میں رو کر عرض کیا کہ اے اللہ یہ امداد اللہ آپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے در پر سوال نہیں کر سکتا اسی رات آپ نے خواب میں ایک ہاتفِ غیبی

سے سنا کہ یہ خزانے کی کنجی لے لو آپ نے عرض کیا کہ میں خزانہ نہیں چاہتا ہوں بس یہ چاہتا ہوں کہ صرف اللہ کا محتاج رہوں۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے اس کے بعد پھر آپ کو کبھی فاقے کی تکلیف نہ ہوئی اور فتوحاتِ غیبیہ کھل گئیں۔ اور کچھ دن بعد تو جوق در جوق طالبین آنے لگے اور آپ شیخ العرب والعجم ہو گئے۔ لیکن حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُس زمانۂ تنگی اور فاقہ زدگی میں حق تعالیٰ کی طرف سے جو انوار اور فیوض اور نفحاتِ کرم قلب پر وارد ہوتے تھے اس لُطف کو اب دل ترستا ہے۔

اللہ والوں کا اپنی گدڑی میں اطمینان

اللہ والے اپنے پیوندی لباس اور بوریہ نشینی میں جس چین اور محبتِ الٰہیہ کی لذت میں رہتے ہیں اگر سلاطین کو ان کے اس باطنی لذت کی خبر ہو جائے تو تلواریں لیکر چڑھائی کر دیں لیکن یہ نعمت تلواروں سے نہیں ملتی ہے یہ نعمت تو کسی اللہ والے کی جوتی سیدھی کرنے ہی سے ملتی ہے۔ اور وہ اللہ والا اپنی اس شکستہ حالی میں بزبانِ حال یہ کہتا ہے کہ

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم　　مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

اگرچہ ہم قلاش اور دیوانے ہیں لیکن دنیائے مردار کے طالب نہیں ہیں اس ساقی ازل اور اس پیمانے کے مست ہیں جس نے روزِ ازل اپنے دستِ کرم سے ہمیں پلایا تھا۔

انسان کی خمیر میں حق تعالیٰ کی محبت

جرعۂ مے ریخت ساقی الست
برسرِ ایں خاک شد ہر ذرہ مست
اس ساقی ازل نے ایک جرعۂ محبت

ارواح پر ڈالا تھا آج ہر ذرہ اس خاک کا مست اور سرشار ہے یعنی اس خاکی انسان میں حق تعالیٰ کی محبت وہیں سے رکھدی گئی تھی لیکن وہ علائقِ فانیہ اور رذائل نفسانیہ سے دبی ہوتی ہے جو لوگ کسی اہلِ دل سے یعنی اللہ والے سے اپنی اصلاحِ نفس کی فکر میں لگ جاتے ہیں اور اللہ اللہ کرنے لگتے ہیں ان کی وہ چنگاری دبی ہوئی روشن ہونے لگتی ہے اور محبتِ حقیقی کا جو بیج ارواح میں حق تعالیٰ نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُم فرما کر بو دیا تھا وہ نشو و نما پانے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ معرفت اور محبتِ الٰہیہ کے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں تک اس بندۂ عارف کو پہنچانا علمِ الٰہی میں تجویز ہوتا ہے۔ معرفت اور محبت کا پھل مجاہدہ پر موقوف ہے۔

برسائیں گے جب خونِ دل اور خونِ جگر ہم
دیکھیں گے تب ہی نخلِ محبت میں ثمر ہم (مؤلف)

کامیابی تو کام سے ہوگی   نہ کہ حُسنِ کلام سے ہوگی
ذکر کے التزام سے ہوگی   فکر کے اہتمام سے ہوگی (مؤلف)

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ فرماتے ہیں کہ جو بندے ہماری راہ میں کوششیں کرتے ہیں ہم ان کے لئے اپنی راہیں کھولدیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو اپنی محبت سے نوازا ہے اُن سے پوچھو کہ ان کی محبت میں کیا لُطف ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا۔ مرشدی حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا عجیب ترجمہ فرمایا ہے۔ رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔ سبحان اللہ قابلِ وجد ترجمہ فرمایا ہے۔

پیر ما سر عالم مستی   با دل ہوشیار می گوید
کہ بچشمان دل مبیں جز دوست   ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست

لیلیٰ کی محبت میں مجنوں کی نادانی

مجنوں نادان تھا جو لیلیٰ کی محبت میں اُلجھ کر محبوب حقیقی سے دور رہا۔ کیونکہ مخلوقات کا حُسن عکس اور پرتو ہے اور قاعدہ کلیہ ہے کہ جو شخص عکس کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ اصل سے محروم ہو جاتا ہے کسی باخبر سے اس کو پالا نہ پڑا تھا ورنہ وہ اسے آگاہ کرتا کہ او نادان لیلیٰ کو کس نے لیلیٰ بنایا تھا۔ اور وہ عارف باللہ مشق نام لیلیٰ کو مشق نام مولیٰ سے تبدیل کر دیتا۔

اسی کو حضرت عارف رومی رح فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود   گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا عشق عشق لیلیٰ سے کیونکر کم ہو سکتا ہے جبکہ وہ خالق لیلیٰ ہیں پس مولیٰ کی محبت میں گیند ہو جانا ہی اولیٰ ہے یعنی گیند کو جس طرف چاہتے ہیں قدم کی ضرب سے حرکت دیتے رہتے ہیں اسیطرح حق تعالےٰ کے ہاتھ میں اپنے کو سپرد کر دو۔

عشق را با حیّ با قیوم دار   عشق با مردہ نباشد پائیدار

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ عشق حقیقی زندہ اور حقیقی سنبھالنے والے سے یعنی حق تعالیٰ سے کرنا چاہیئے۔ جو ایک دن مرنے والے ہیں ان کی محبت پائیدار نہیں ہے۔

از شراب قہر چوں مستی دہد   نیستہا را صورت ہستی دہد

مولانا فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت میں اہل دنیا جو سرمست نظر آتے ہیں یہ مستی شراب قہر کی مستی ہے ایک دن خدا کا عذاب اس مستی کو ختم کرنیوالا ہے

پھر دار الجزا میں پہنچکر ندامت اور پچھتانے سے کچھ بھی نتیجہ مرتب نہ ہوگا چنانچہ کفار عذاب آخرت کا مشاہدہ کرکے تمنا کریں گے کہ کاش ہم مٹی ہو جاتے وَ یَقُوْلُ الْکَافِرُ یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا۔ اور کافر قیامت کے دن کہے گا کاش کہ میں مٹی ہو جاتا۔

اور اللہ والوں کو اپنے پروردگار کی محبت میں جو لذّت ملی ہو اس لذت کے سامنے انھوں نے دنیا سے رُخ پھیر لیا۔ کیونکہ اللہ کی محبت اور معرفت کے نور میں دنیا کی حقیقت ان پر منکشف ہو گئی۔ ہمارے خواجہ صاحب رح نے خوب فرمایا ہے ؎

رنگ لیوں پہ زمانے کے نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو بانداز بہار آئی ہے

دنیا کی ہر لذت فانی ہو اور ایک خواب و افسانہ ہے۔ خواجہ صاحبؒ نے کیا خوب کہا ہو:۔ جہاں در اصل ویرانہ ہی گو صورت ہو بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہوجائے

الا یا ساکن القصر المعلیٰ
ستدفن عنقریب فی التراب
قلیلٌ عمرنا فی دار دنیا
فرجعنا الیٰ بیت التراب

ترجمہ:۔ اے اونچے اونچے محلوں کے ساکنین عنقریب تم لوگ مٹی میں دفن کئے جاؤ گے۔ ہماری عمر دُنیا کے اس گھر میں بہت قلیل ہے عنقریب مٹی کے گھر کی طرف یعنی قبر کی طرف ہماری واپسی ہے۔

اللہ والے دُنیا میں کِس طرح رہتے ہیں

اللہ والے بھی دنیا بے ثبات کو برتتے ہیں مگر اس سے دل نہیں لگاتے ہیں ضرورت رفع کرنا اور بات ہی جی لگانا اور بات ہے دونوں باتوں میں فرق ہی۔ پائخانے میں آدمی رفع ضرورت کے لئے بیٹھتا ہو مگر پائخانے

میں دل نہیں لگاتا ہے۔ دنیا اُس وقت مذموم ہے جب اللہ تعالیٰ سے غفلت میں مبتلا کردے۔ جس طرح سے کہ کشتی کے لئے پانی اس وقت ہلاکت کا سبب ہے جب کشتی کے اندر داخل ہو جائے اور کشتی کے باہر جب تک ہے وہ کشتی کیلئے مفید اور معین ہے بلکہ ضروری ہے اسی طرح بقدر ضرورت دنیا ضروری ہے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ضرورت کی تعریف کم لوگ سمجھتے ہیں اکثر غیر ضروری کاموں کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے پھر فرمایا کہ ضروری وہ کام ہے کہ جس کے نہ کرنے سے ضرر ہو۔

سُبحان اللہ ضرورت کا مفہوم حضرت نے خوب حل فرمایا۔ البتہ وہ بندے مستثنیٰ ہیں جن پر جذب طاری ہو گیا اور وہ غلبۂ حال میں دنیا کو لات مار کر بالکل اللہ کے ہو گئے۔

تاب زنجیر ندارد دلِ دیوانۂ ما

اللہ کی محبت میں ایسے دیوانے ہو گئے کہ اپنا وطن اور ملک اور سلطنت سب کچھ اُن پر سرد ہو گیا۔

اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے ؎

اے جانِ جہاں حور نہ اچھی پری خوب ہے میری نگاہوں میں تیری جلوہ گری خوب

جذب کی تعریف

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ۔

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دیتے ہیں۔ اسی کھینچ لینے کا نام جذب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہور نبوت سے قبل غار حرا تشریف لے جاتے اور

کئی کئی دن عبادت میں مصروف رہتے۔ ارشاد فرماتے ہیں حُبّب اِلیّ الخلاءُ حضورﷺ فرماتے ہیں کہ جب ظہور نبوت کا زمانہ قریب ہوا تو مجھے خلوت محبوب کرا دی گئی۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ پر جب اللہ تعالیٰ کی محبت نے اثر کیا تو تخت و تاج کو خیر باد کہہ کر نیشاپور کے جنگل میں دس برس تک مصروف عبادت رہے۔ دنیا سے دل اُچاٹ ہو جانا اللہ تعالیٰ کے راستے کا اوّل قدم ہے۔

جس کو حق تعالیٰ اپنا بناتے ہیں اسکو دُنیا سے بے رغبت فرما دیتے ہیں

جس کو حق تعالیٰ اپنا بنانا چاہتے ہیں تو اس پر دنیاء فانی اور اس کی لذات فانیہ کی صحیح حقیقت منکشف فرما دیتے ہیں جس کے اثر سے اس کا دل دنیا سے متوحش ہو جاتا ہے اسی کا نام زُہد ہے۔

زُہد کا مفہوم

زہد کا مفہوم دنیا سے بے رغبت ہو جانا ہے۔ ہمارے حضرت مرشد مولانا تھانوی رحؒ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ زہد اس راہ کا اوّل قدم ہے۔

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند ‏‏‏‏ ‏ از ہمہ کارِ جہاں بیکار ماند

جس کو حق تعالیٰ نے اپنے لئے چُن لیا وہ دنیا کے سارے کاموں سے بیکار ہو گیا یعنی اس کا دل بجز یادِ حق کے کسی چیز سے اُنس نہیں پکڑتا۔

قِصّہ حضرتِ ابرہیم اَدہَمؒ

چنانچہ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ پر جب عشق حقیقی نے اثر کیا تو سلطنت بلخ سے دل اُچاٹ ہو گیا۔ اور اس جذب کی صورت یہ ہوئی تھی کہ ایک رات بالاخانے پر سو رہے تھے حق تعالیٰ نے چند فرشتوں کو انسان کی

صورت میں ان کے پاس بھیجا۔ حضرت ابراہیم ادہم رح ان حضرات کے آنے کی آہٹ پاکر دل میں سوچنے لگے کہ محل شاہی میں رات کے وقت کسی انسان کی ایسی ہمت اور جرأت نہیں ہو سکتی ہے یہ شاید جن ہیں۔ دریافت فرمایا آپ لوگ کیسے تشریف لائے ہیں ان واردین کرام نے فرمایا کہ ہم لوگ اپنے اونٹوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں حضرت ابراہیم ادہم رح نے فرمایا کہ اونٹ بالاخانے پر کیسے جست کر کے آسکتا ہے۔ پس ان واردین غیب نے فرمایا کہ بیشک اونٹ بالاخانے پر نہیں آسکتا۔ لیکن تو تخت شاہی پر پھر خدا کی تلاش کیوں کرتا ہے۔

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے ۔۔۔ راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

حضرت عارف رومی رح فرماتے ہیں کہ اصلی فکر وہ ہی جو راستہ کھولدے اور راستہ اصلی وہ ہی جو شہنشاہ حقیقی تک پہنچا دے۔

حضرت ابراہیم ادہم رح کے سامنے سے یہ واردین غیب یہ کہکر اُسی وقت نظر سے غائب ہو گئے اور ادھر حضرت ابراہیم ادہم رح کے دل پر ایک چوٹ لگ گئی اور اللہ کی محبت میں سلطنت، تخت، تاج سب کچھ تج دیا۔

شاہی و شہزادگی در باختہ ۔۔۔ از پئے او در غریبی ساختہ

شاہی اور شاہزادگی سب کچھ چھوڑ دیا اور اللہ کے لئے غربت کے ساتھ موافقت کر لی ؎ بندگی او چناں در خورد شد ۔۔۔ کہ شہی اندر دل او سرد شد

اللہ کی غلامی میں ان کو ایسا لطف آیا کہ شاہی ان کے دل میں سرد ہو گئی۔

بندگی او بہ از سلطانی است ۔۔۔ کہ انا خیرٌ دم شیطانی است

اللہ تعالیٰ کی بندگی سلطانی سے بہتر ہے کیونکہ انا خیرٌ کہنا شیطانی مقولہ ہے۔

کشتنی بہ از ہزاراں زندگی ۔۔۔ سلطنتہا مردۂ ایں بندگی

اپنے اللہ پر جو ہمارا محبوب حقیقی ہے جان کو قربان کر دینا ہزاروں زندگی

سے بہتر ہے۔

جان دی دی ہوئی انہیں کی تھی   حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہزاروں سلطنت ان کی غلامی پر قربان ہیں۔

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد   انچہ در وہمت نیاید آں دہد

مجاہدے میں حق تعالیٰ آدھی جان لیتے ہیں اور اس کے عوض میں سو جان عطا فرماتے ہیں اور ایسی ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں کہ جو تیرے گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔

حضرت ابراہیم ادہم رح نے سلطنت چھوڑی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کیا قدر فرمائی۔ پہلے صرف ایک محدود سلطنت کے مالک تھے اب خشکی اور تری پر حکومت نصیب ہو گئی۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں   کہ ناز بر فلک وحکم بر ستارہ کنم

ایک روز ابراہیم ادہم رح دریا کے کنارے گدڑی سی رہے تھے کہ اچانک سلطنتِ بلخ کا ایک وزیر اس راہ سے گزرا وزیر نے بادشاہ کو اسی غربت میں گدڑی سیتے ہوئے جب دیکھا تو دل میں سوچا کہ انھوں نے ملک ہفت اقلیم ضائع کر کے گدڑی سینا شروع کر دیا ہے ایسی سلطنت پر اس گدائی کو ترجیح دی ہے نہ معلوم یہ کون سی عقلمندی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وزیر کے اس خیال باطل کو حضرت ابراہیم ادہم رح پر منکشف فرما دیا پس حضرت ابراہیم ادہم رح نے اپنی سوئی دریا میں پھینکدی اور حکم دیا کہ اے مچھلیو میری سُوئی لاؤ اس حکم کا سننا تھا کہ سو ہزار مچھلیاں سونے کی ایک ایک سوئی اپنے اپنے لبوں میں دبائے ہوئے دریا کے کنارے حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ حضرت سُوئی حاضر ہے۔ اسی کو حضرت عارف رومی رح

فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں ماہیئے اللّٰہیے　　　سوزن زر بر لب ہر ماہیئے

سر بر آورد ند از دریائے حق　　　کہ بگیر اے شیخ سوزنہائے حق

حضرت ابراہیم ادہم رح نے عرض کیا کہ اے اللّٰہ میں اپنی سوئی چاہتا ہوں۔ بس ایک مچھلی وہ خاص سوئی جس کو شیخ نے دریا میں پھینکا تھا لیکر حاضر ہوئی۔ اسوقت میں حضرت ابراہیم ادہم رح نے اس وزیر سے فرمایا کہ ملک دل، آیا چنیں ملک حقیر، دل کی سلطنت بہتر ہی یا وہ ملک حقیر۔ وزیر کا اتنا سننا تھا کہ وزیر نے ایک آہ کھینچی اور کہا افسوس کہ مچھلیاں تو اس اللّٰہ والے کو پہچانتی ہیں اور میں اس شیخ اور قطب زماں سے بے خبر ہوں میں انسان ہو کر بد بخت ہوں اور یہ مچھلیاں اس دولت معرفت کے سبب مجھ سے سعید ہیں۔ پس وزیر نے اس شاہِ دین شیخ بلخ کے سامنے سراپا ادب بن کر سلام کیا اور روتا ہوا دولت عشق حقیقی سے کامیاب واپس ہوا۔

مولانا رومی رح اس مقام پر ایک نصیحت فرماتے ہیں

پس تو اے ناشستہ رُو در چیستی　　　در نزاع و در حسد با کیستی

با دم شیرے تو بازی می کنی　　　بر ملائک ترکتازی میکنی

اولیا را ہست قدرت از الٰہ　　　تیر جستہ باز گرداند ز راہ

پس اے بے دُھلا ہوا چہرہ رکھنے والے یعنی نامعقول اور نالائق تو کس گمان میں ہی یہ حسد اور جنگ کن مقدس اور پاکیزہ نفوس سے کرتا ہی

شیران طریق حق سے تو مقابلہ کرتا ہی　　　فرشتوں سے دوڑ میں سبقت کرتا ہی

یعنی اللّٰہ والوں سے بد گمانی اور حسد نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اولیا کو اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے بطور کرامت کے ایسی طاقت عطا ہوتی ہی کہ تیر جستہ کو راستے سے

واپس کر لیتے ہیں۔

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست　　دست او جز قبضۂ اللہ نیست

پیر کا ہاتھ طالبین غائبین سے کوتاہ نہیں ہے۔ اس کا ہاتھ گویا کہ اللہ کا ہاتھ ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرات صحابہ رضؓ کو بیعت فرما رہے تھے تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کو حق تعالیٰ نے اپنا ہاتھ فرمایا جو کس قدر جلالتِ شان رسالت اور حرمت معاہدہ پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قاز ایک چڑیا ہے جو انڈے دیکر اڑ جاتی ہے اور کوسوں دور رہ کر توجہ سے انڈوں کو حرارت پہنچاتی ہے اور اس حرارت سے بچہ نکل آتا ہے جب ادنیٰ مخلوق کی توجہ میں یہ اثر حق تعالیٰ نے رکھا ہے تو اہل اللہ میں ایسے اثرات کے متعلق کیا تعجب ہے۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد　　تا دل صاحب دلے نامد بدرد

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو رسوا نہیں فرماتے ہیں جب تک کہ وہ قوم کسی صاحبِ دل کو اذیت نہیں پہنچاتی ہے۔ ملائک سے سبقت کرنے کو اس لئے فرمایا کہ خواص اولیاء اللہ فرشتوں کے خواص سے افضل اور اشرف ہوتے ہیں۔ اور عوام مومنین فرشتوں کے عوام سے افضل ہوتے ہیں یہ تحقیق ہمارے مرشد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

اللہ والوں کی مخالفت اور ایذاء رسانی کا انجام

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ والوں سے بدگمانی کبھی نہ کرنا چاہیئے۔ اور نہ ان کے ساتھ کوئی تکلیف دہ

معاملہ کرنا چاہیئے۔ اللہ والوں کو تکلیف دینے والا آدمی بہت جلد مبتلاءِ قہر ہو جاتا ہے۔ اور حضرت مرشدی رح اس حدیث سے استدلال فرماتے تھے کہ ایک بار حضرات صحابہؓ میں اس امر کے متعلق اختلاف ہوا کہ آپ کو دواء پلائی جائے یا نہیں جب کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم نزع طاری تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دواء پینے سے انکار فرما دیا تھا۔ اور پھر غشی طاری ہو گئی تھی بعض اصحابؓ نے یہ اجتہاد کیا کہ یہ انکار ایسا ہی ہے جیسا کہ مرض کی شدت میں ہر انسان غیر ارادی طور پر غفلت اور بے ہوشی میں دواء پینے سے انکار کر دیتا ہے اور بعض اصحابؓ نے یہ اجتہاد کیا کہ نہیں آپؐ نے جو حکم فرمایا ہے اسی کی تعمیل ہونی چاہیئے۔ عام طبائع پر آپ کو قیاس کرنا مناسب نہیں ہے۔

الغرض غلبۂ محبت اور خیر خواہی میں دواء پلا دینے کی رائے پر عمل کیا گیا لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو فوراً بلاؤ جنہوں نے ہمیں دواء پلائی ہے اور آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ فوراً وہی دواء ان لوگوں کو پلاؤ ورنہ اندیشہ ہے کہ ان لوگوں کو حق تعالیٰ کسی سزاء میں مبتلا فرما دیں۔

حضرت والا رح نے فرمایا کہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کو بہ نیت خیر خواہی بھی اگر تکلیف کسی نے پہنچا دی تو اس کے لئے بھی یہ خطرناک صورت ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ ایک بار امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص بے تمیز اور بے ادب حاضر ہوا اور اس نے آپ کے حلم اور تحمل کا امتحان کرنے کے لئے یہ سوال کیا کہ آپ اپنی والدہ کا جو ایسی صورت کی ہیں میرے ساتھ نکاح کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا میں اندر جا کر والدہ سے دریافت کر کے جواب دیتا ہوں۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور جب باہر آئے تو وہ شخص مرا ہوا پڑا تھا۔ فوراً اللہ تعالیٰ نے اس پر قہر نازل فرمایا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہاتھی کو چھیڑنا مگر ہاتھی کے بچے کو مت چھیڑنا کیونکہ ہاتھی اپنی ذاتی تکلیف کو برداشت کرسکتا ہے۔ لیکن بچے کی تکلیف کا تحمل نہیں کرسکتا ہے اور اس پر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ

ایک عجیب حکایت

ایک بارات جنگل میں پڑی تھی بارات سے ایک شخص جنگل میں گیا دیکھتا ہے کہ ہاتھی کا ایک بچہ سو رہا ہے بس اس نے تلوار سے اس کو قتل کردیا اور خود بارات والوں کے درمیان جا کر سو رہا۔ ہاتھی نے جب اپنے مقتول بچے کی لاش دیکھی تو اس کا غضب جوش میں آگیا اور قاتل کی تلاش میں بارات والوں کے پاس پہنچا اور ہر شخص کے جسم کو سونگھتا ہوا قاتل کے پاس پہنچا اور قاتل کو سونگھ کر اس کی گردن میں سونڈھ لپیٹ کر کھینچا اور اس کے بدن کو چیر کر پھینک دیا۔

اس حکایت سے مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ اللہ والے اہل اللہ ہیں یہ اللہ کے اہل و عیال ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک حلیم ہے لاکھوں کفر اور شرک کے باوجود ان کی رحمتِ عامہ کفار اور مشرکین کو رزق پہنچاتی ہے لیکن جب ان کے اولیاء کو کوئی اذیت پہنچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب فوراً جوش میں آجاتا ہے اور اس کو فوراً رسوا فرما دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے من عادیٰ لی ولیاً فقد اٰذنتہ بالحرب۔ جو میرے ولی سے عداوت رکھے میں اُس کے ساتھ اعلان جنگ کرتا ہوں۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد   بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

حضرت عارف رح فرماتے ہیں کہ بے ادب تنہا خود کو تباہ نہیں کرتا ہے بلکہ سارے عالم میں تباہی کی آگ لگا دیتا ہے۔

از خدا جوئیم توفیق ادب   بے ادب محروم گشت از لطفِ رب

ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں کیونکہ بے ادب لطفِ رب سے محروم ہو گیا۔

بدگمانی اور اعتراض کا منشا قلّتِ عشق ہے

اکثر بدگمانی اور اعتراض کا منشا تکبر ہوا کرتا ہے۔ ہمارے حضرت مرشد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اعتراض قلّتِ عشق سے ناشی ہے یعنی محبت کی کمی سے اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ اور عاشق کی شان یہ ہوتی ہے ؎

نینگیختن علّت از کار تو   زباں تازہ کردن باقرار تو

عاشق صادق کہتا ہے کہ اے محبوب حقیقی ہمیں تیرے کام کی علّت سے کچھ مطلب نہیں ہے۔ ہمیں تو آپ کے نام پاک کی رٹ سے اپنی زبان تازہ کرنا ہے۔ محبت اطاعت سکھاتی ہے کیونکہ محبّت سے عقل خام پختہ ہو جاتی ہے اور

عقل اور عشق

عقل ناقص تکبر سکھاتی ہے اور چون وچرا میں مبتلا کر کے شیطان کی طرح راندۂ درگاہ کرتی ہے۔

حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شیطان سالکِ محض تھا مجذوب نہ تھا نِری عقل کا راستہ خطرناک ہوتا ہے۔ قصور شیطان سے بھی ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام سے بھی ہوا لیکن شیطان نے چون وچرا اور اعتراض کا سلسلہ شروع کیا کہ آپ نے مجھکو آگ سے پیدا فرمایا۔ اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے۔ اور دوسرا مقدمہ اس کے دل میں مخفی تھا یعنی آگ افضل ہے مٹی سے پس فاضل سے مفضول کے لئے ایسا ادب کیوں تجویز کیا گیا۔ اس نالائق کو یہ نہ سوجھی کہ امرِ الٰہی کا ادب کیا ہے بندے کا کام بندگی اور سرافگندگی ہے نہ کہ سرکشی اور روگردانی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے قصور کی کوئی تاویل تک نہ کی کہ مثلاً شیطان نے مجھے دھوکہ دیا۔ یا میں آپ کے حکم کو بھول گیا بس عتاب ہونا تھا کہ ندامت سے گڑ گئے اور فوراً عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم سے قصور ہو گیا اگر آپ ہمیں نہ بخشیں گے اور ہمارے اوپر رحم

نہ فرمائیں گے تو ہم بڑے ٹوٹے میں پڑ جادیں گے - اسی کو حضرت عارف رومی رح فرماتے ہیں کہ محبت اور عبدیت نیکبخت لوگوں کو عطا ہوتی ہے

داند آں کو نیک بخت و محرم است زیر کی ز ابلیس و عشق از آدم است

عقل ناقص کا ظہور ابلیس سے ہوا اور عقل کامل یعنی عقل مع المحبت کا ظہور حضرتِ آدم علیہ السّلام سے ہوا۔

رَبَّنَا انا ظلمنا گفت و آہ یعنی آمد ظلمت و گم گشت راہ

حضرت آدم علیہ السلام نے ربنا ظلمنا عرض کیا اور آہ کھینچی کہ ظلمت آئی اور راستہ گم ہوا- پھر حق تعالیٰ نے آپ کی ندامت یعنی توبہ قبول فرمائی اور آپ کو تاج خلافت سے نوازا اور ابلیس لعین ہمیشہ کے لئے مردود ہوا- اور جو اللہ کے خاص بندے ہیں وہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کے طریقے پر اب بھی کاربند ہیں یعنی ہر خطاء پر ندامت کے آنسو لے کر بارگاہ صمدیت میں حاضر ہو جاتے ہیں اسی کو مولانا رومی رح فرماتے ہیں ؎

آنکہ فرزندان خاص آدم اند نفحۂ انا ظلمنا میدمند

وہ لوگ جو فرزندان خاص حضرت آدم علیہ السلام کے ہیں وہ ربنا ظلمنا سے اپنی خطاؤں کا تدارک کرتے رہتے ہیں محبت سب ادب سکھا دیتی ہے عاشق کی شان ہی اور ہوتی ہے ؎ عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

ہمارے خواجہ صاحب رح فرماتے ہیں ؎

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہو سر زاہد نہیں یہ سر سر سودائی ہے

اور محبت سے بندہ کہاں سے کہاں پہونچ جاتا ہے اس راہ کے اندر محبت والا بہت جلد بن جاتا ہے۔

محبت کے ثمرات- مولانا رومی رح فرماتے ہیں کہ ؎

جسم خاک از عشق بر افلاک شد   کوہ در رقص آمد و چالاک شد

عشق حقیقی کی برکت سے جسم خاکی نے ماورائے افلاک کی سیر کی اور کوہ طور وجد میں آگیا اور بے جان شے یعنی از قسم جمادات ہونے کے باوجود ہوشیار ہوگیا اور اس ہوشیاری کی تفصیل کو دوسرے مقام پر مولانا بیان فرماتے ہیں

بر برونِ کُہ چو زد نورِ صمد   پارہ شد تا در درونش ہم زند

طور پہاڑ کے ظاہر سطح پر جب نور صمد نے تجلی فرمائی تو وہ پارہ پارہ ہوگیا تاکہ اس کے باطن میں بھی نور داخل ہو جائے۔

گُرسنہ چوں بر کفش زد قرص نان   واشگافد از ہوس چشم و دہاں

جیسے گُرسنہ یعنی بُھوکے کے ہاتھ پر جب قرص نان یعنی روٹی لگتی ہے تو وہ ہوس سے آنکھ اور مُنہ بھی پھاڑ دیتا ہے یہی حالت طور کی ہوگئی کہ گویا مُنہ پھاڑ دیا کہ غذائے نور جس طرح اس کے ہاتھ یعنی ظاہر پر رکھی گئی ہے اسی طرح اس کے منہ یعنی باطن میں بھی پہنچادی جائے۔

صد ہزاراں پارہ گشتن ارزدیں   از میان چرخ برخیز اے زمیں

پس جس طرح طور نے حصول نور فی الباطن کے لئے اپنے جسم کو ٹکڑی ٹکڑی کردیا یعنی فناء صورت کو گوارا کرلیا۔ تو بھی اپنے جسم کی پرواہ نہ کر اور اس نور حقیقی کو حاصل کرنے کے لئے فنا کردے پس اے زمین آسمان کے بیچ سے اُٹھ جا۔ تاکہ نور آسمان مثلاً نور آفتاب سایہ سوز ہو جائے یعنی خلاء میں نور ہی نور رہ جائے۔

تاکہ نور چرخ گردد سایہ سوز   شب ز سایۂ تست اے باغی روز

اہل ہیئت کی تحقیق ہے کہ شب کی حقیقت سایہ ہے زمین کا۔ آفتاب جس وقت ہمارے اعتبار سے زمین کی دوسری طرف ہوتا ہے تو زمین کا

سایہ جوّ میں پڑتا ہے وہ شب ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح مثلاً زمین کے اٹھ جانے سے ہر وقت جوّ میں نور ہی نور رہا کرے اسی طرح اگر جسم فناء ہو جاوے تو رُوح پر نورِ حق متجلی رہا کرے پس جب فناء کی یہ خاصیت ہے تو اس میں پس و پیش کیوں کیا جاوے۔ کلید مثنوی صفحہ ۵۴۶ ۔ فناء جسم سے مراد اپنی مرضیات اور خواہشات کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کر دینا ہے جو عادۃً موقوف ہے کسی اللہ والے کی صحبت میں باقاعدہ تزکیہ اور اصلاح نفس کرانے پر۔ مولانا رومی رح فرماتے ہیں ؎

خانۂ پر نقش و تصویر و خیال ۔ ویں صور چوں پردہ بر گنج وصال
قصر چیزے نیست ویراں کن بدن ۔ گنج در ویرانی است اے میر من
ایں نمی بینی کہ در بزمِ شراب ۔ مست آنگہ خوش شود کو شد خراب

کہ یہ خانۂ پُر نقش اور یہ خیالات و تصویرات یہ سب کے سب گنج وصال پر مثل حجاب کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں یہ تمہاری خواہشات نفسانیہ وصول الی اللہ کے لئے مثل حجاب کے ہیں۔

فناء نفس کے موانع اور ان کے ازالہ کی تدبیر

مگر ان خواہشات نفسانیہ و مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کرنیکی ہمت اس لئے نہیں ہوتی کہ یہ خواہشات کا گھر نقش و نگار سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے اور آدمی سوچتا ہے کہ اگر اس پر نقش گھر کو ویران کر دیں گے تو یہ نقش و نگار سب مٹ جائیں گے۔ لیکن درحقیقت یہ خیال غلط ہے واقع میں یہ ویرانی نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی گھر کے اندر بنیاد کے نیچے خزانہ مدفون ہو جو بدون نکلے ہوئے حاصل نہ ہو اور پھر اس خزانے سے پہلے سے بھی اچھا گھر بنا دیا

جاوے تو اس ویرانی کو کون مضر کہے گا۔ اسی طرح جب کسی اللہ والے سے تعلق قایم کر کے جن بُرے اخلاق و مقتضیات مذمومہ کو زائل کرو گے اس سے اچھے اخلاق و ملکات میسر ہوں گے جس سے آخرت میں تو خیر و ابقیٰ ملے ہی گا۔ باقی دنیا میں بھی ایسی حیاتِ طیّبہ میسر ہو گی جس پر سلاطین بھی غبطہ کریں گے اس لئے یہ ویرانی سبب زیادہ آبادی کا ہو گئی اس سے تو ویرانی مذکور کا مضر نہ ہونا بلکہ انفع ہونا ثابت ہوا۔ پس خواہشات نفسانیہ کے قصر کی حفاظت کوئی چیز نہیں اس کو ویران کر دے کیونکہ اے میرے امیر خزانہ ویرانی ہی میں ملتا ہے۔ یعنی ان خواہشات مذمومہ شہوت و غضب کو جب مجاہدہ سے مغلوب کر وگے تو نفس صفات حمیدہ سے متصف ہو کر مورد تجلیات بن جائے گا۔ اور تعلّق مع اللہ کی دولت باطن میں میسر ہو جاوے گی۔

تیسرے شعر میں مولانا رح فرماتے ہیں کہ کیا تو یہ نہیں دیکھتا — کہ بزم شراب میں مست اس وقت خوش ہوتا ہے جب وہ باعتبار حواس بدنیہ کے خراب اور ویران ہو جائے یعنی اس کے حواس معطّل ہو جاویں مراد اس سے کامل نشہ ہے۔

غلبہ مستیِ حق اور اس کا ثمرہ

اسی طرح جب تیرے اندر مستیِ حق ان ادراکات کے خاص افعال و آثار پر کہ توجہ الی غیر الحق و انہماک فی اللذات ہے غالب ہو جاوے جب فرح حقیقی حاصل ہو گی۔ اور اس وقت بزبانِ حال یہ کہو گے ؎

بادہ در جوشش گدائے جوش ماست | چرخ در گردش اسیر ہوش ماست
بادہ از ما مست شد نے ما ازو | قالب از ما ہست شد نے ما ازو

مولانا فرماتے ہیں کہ بادہ اپنی مستی میں ہماری مستی کا گدا ہے اور فلک اپنی گردش میں ہمارے ہوش کا قیدی ہے ـــــ اسی کو ہمارے خواجہ صاحبؒ نے فرمایا ہے ؎

عجب کیا گر مجھے عالم بایں وسعت بھی زنداں تھا
میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا

دوسرے شعر میں مولانا رح فرماتے ہیں کہ :- بادہ مجھ سے مست ہے نہ کہ میں اس سے مست ہوں قالب کا وجود میرے سبب سے ہے نہ کہ ہمارا وجود اس کے سبب سے ۔ مولانا نے اپنے کو صرف مرتبۂ روح میں لا کر قطع نظر اس جسد عنصری کے یہ اشعار کہے ہیں۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ اگر روح کا علاقہ اس جسد خاکی سے منقطع ہو جاوے تو پھر شراب کا نشہ اسیوقت کافور ہو جاوے اور روح میں عشق حق سے جو مستی ہے اس کو ہر وقت تازگی ہے کبھی زوال نہیں خواہ جسد عنصری کا تعلق باقی رہے یا منقطع ہو جاوے اسی کو فرماتے ہیں :-

جامہ پوشاں را نظر بر گازراست   روحِ عُریاں را تجلی زیوراست

جامہ پوشوں کی نظر دھوبی پر رہتی ہے اور رُوح عریاں کا زیور تجلی حق ہے۔

رنگ صدق و رنگ تقوی ویقیں   تا ابد باقی بود بر عابدیں

صدق اور تقویٰ اور یقین کا رنگ عابدین کی روحوں پر تا ابد باقی رہتا ہے۔

زیں سبب ہنگامہا شد کل ہدر   باشد ایں ہنگامہ ہر دم گرم تر

اسی سبب سے جسم خاکی کے ہنگامے یعنی دنیا کے علایق اور لذات فانیہ سب ایک دن فنا ہو جاتے ہیں اور روح کے اندر جو تعلق مع اللہ کی مستی ہوتی ہے اس کا ہنگامہ ہر دم گرم رہتا ہے۔

خود قوی تر می شود خمرے کہن　　　خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

شراب میں جس قدر کہنگی بڑھتی جاتی ہے اس کا نشہ تیز ہوتا جاتا ہے خصوصاً وہ شراب جو کہ اس ساقیِ ازل نے پلائی ہو۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

جن کے دل اللہ کے عشق سے زندہ ہو گئے وہ کبھی نہیں مرتے ہیں اس جسم خاکی سے تعلق منقطع ہونے کے باوجود روح کے اندر جو عشق مع الحق ہوتا ہے اس کی حیات دوامی صفحۂ تاریخ عالم پر مثل نقش غیر فانی کے ہوتی ہے

دنیا کی بے ثباتی پر ایک عجیب تمثیل

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک قلعہ ہے اور زمانۂ امن میں اس قلعے کے اندر بہت سی نہریں لذات اور خواہشات کی باہر سے آتی ہوں تو زمانۂ امن میں اہلِ قلعہ ان نہروں سے لذات حاصل کر کے مست وشاداں ہوں گے لیکن جب دشمن کی فوج اس قلعہ کا محاصرہ کر کے نہروں کے راستوں کو باہر سے بند کر دے اس وقت ایک قطرہ پانی کے لئے اہلِ قلعہ ترس جائیں گے۔

اگر عاقبت اندیشی سے اہلِ قلعہ نے زمانۂ امن میں ایک کھاری چشمہ بھی قلعہ کے اندر کھود لیا ہوتا تو اس وقت ہلاکت سے بچ جاتے۔ مولانا فرماتے ہیں:

آں زماں یک چاہ شورے از دروں　　　بہ ز صد جیحون شیریں از بروں

کہ اس وقت میں یہ چشمۂ شور جو قلعہ کے اندر ہوتا سینکڑوں ان جیحون شیریں جیسے دریا سے بہتر ہوتا جن کا تعلق قلعہ کے باہر سے ہے۔ حضرت عارف رومی رح نے اس تمثیل کے بعد انسان کے جسم کو ایک قلعہ سے تشبیہ دی ہے اور آنکھ ناک کان زبان سے دیکھنے سونگھنے سننے اور چکھنے کے

ذریعہ جو لذتیں باطن تک محسوس ہوتی ہیں ان کو ان نہروں سے تشبیہ دی ہے جو اس قلعہ کے باہر سے قلعہ کے اندر داخل ہو رہی تھیں - اور دشمن کی جس فوج نے قلعہ کا محاصرہ کرکے بیرونی نہروں کا راستہ کاٹ دیا تھا وہ موت ہے۔ پس انسان کا یہ جسم جو مشابہ ایک قلعہ کے ہے زمانۂ امن میں یعنی موت سے قبل آنکھ ناک کان اور زبان کے ذریعے ہر وقت خواہشات نفسانیہ کے مطابق فانی لذتوں سے انتفاع میں مست اور بے فکر ہے جب موت آنکھ ناک کان اور زبان کے ذریعے آنے والی لذتوں کے راستوں کو کاٹ دیگی۔ تو اس وقت اس کی روح سخت اضطراب میں مبتلا ہوگی کیونکہ اس نے زندگی میں اپنے وطن کے اندر کوئی چشمہ تعلق مع اللہ کا نہیں قائم کیا تھا۔ کہ جس سے روح کو اس وقت میں اُنس اور سکون حاصل ہوتا۔ اگر طاعات میں اس نے کچھ بھی کوشش کی ہوتی تو آج وہ کوشش بیہودہ بھی جو کہ بوجہ نقصان عبدیت مثل چشمۂ شور کے ہے اِس وقت میں ان سینکڑوں جیحون شیریں یعنی لذات فانیہ سے جو بذریعہ حواس خمسہ اندر داخل ہو رہی تھیں بہتر ہوتی ؎ کوشش بیہودہ بہ از خفتگی دوست دارد دوست ایں آشفتگی

اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

قاطع الاسباب لشکر ہائے مرگ ہمچو دے آید بقطع شاخ و برگ

ایک دن موت کے سپاہی تمام اسباب لذت کو قطع کرنے والے ہیں اور مثل دیو کے شاخ اور برگ کو قطع کرکے بہار ہستی کو خزاں سے بدلنے والے ہیں۔ خوب فرمایا ہے ہمارے خواجہ صاحب رح نے ؎

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو بانداز بہار آئی ہے

دُنیا کا گھر دہوکہ کا گھر کیوں ہے؟

ے زاں لقب شد خاک را دار الغرور
کو کشد پا را سپس یوم العبور

اسی سبب سے حق تعالیٰ نے اس عالم خاک کا لقب دار الغرور فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں وَمَا الحَیٰوۃُ الدُّنیا اِلَّا مَتَاعُ الغُرُورِ۔ اور دنیاوی زندگانی محض ایک دھوکے کا سامان ہے۔ اور سورۂ لقمان میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اِنَّ وَعدَ اللہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الحَیٰوۃُ الدُّنیَا وقفہ وَلَا یَغُرَّنَّکُم بِاللہِ الغَرُورُ۔ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے سو تم کو دنیاوی زندگانی دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ میں ڈال دے۔

اسی کو مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے اس عالم خاک کا لقب اسی لئے دار الغرور فرمایا ہے کہ شیطان جو ہر وقت خواہشات نفسانیہ میں تم کو بہلا دے رہا تھا وہ انتقال کے وقت تمہاری یاری اور اعانت سے مدد کا ہاتھ کھینچ لے گا۔ اور مرنے سے پہلے ہر وقت تیرے آگے پیچھے تیری مدد کے لئے بڑے بڑے وعدے کیا کرتا تھا۔

موت کے وقت انسان کی بے کسی

الغرض موت کے وقت ہر قسم کی دنیاوی بہار ختم ہو جاتی ہے بجز اُس بہار کے جس نے روح میں حق تعالیٰ کی یاد اور اطاعت سے بہار لازوال پیدا کرلی تھی۔ موت کے وقت جہاں میں کسی بہار سے مدد نہیں مل سکتی۔ کیونکہ موت کے وقت حسین سے حسین صورت سامنے کھڑی ہے لیکن آنکھیں دیکھنے سے مجبور ہیں ناک پر گلاب کا پھول رکھا ہوا ہے مگر خوشبو سونگھنے سے مجبور ہے محبوب ترین دوست کان میں باتیں

کر رہا ہے لیکن کان اب سننے سے مجبور ہے - پلاؤ قورمہ کا لقمہ زبان پر رکھا ہوا ہے لیکن زبان اس کی لذت حاصل کرنے سے مجبور ہے - حسین ترین بیوی اگر گلے سے لگ جائے لیکن جسم احساس لذت سے قاصر ہے - اکبرالہ آبادی کا یہ شعر ہے ؎

قضا کے سامنے بیکار ہوتے ہیں حواس اکبرؔ
کھلی ہوتیں ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں

موت کے وقت کس بہار سے سکون ملتا ہے۔

اب اس وقت دنیا کی کوئی بہار کارآمد نہیں ہوسکتی - بجز ایک بہار کے ... ... جو روح کے اندر طاعات اور عبادات سے حاصل ہوتی ہو اسی کو مولاناؒ فرماتے ہیں ؎

درجہاں نبود مرد شاں از بہار جز مگر درجان بہار روئے یار

موت کے وقت جہان میں مرنے والے کے لئے کوئی بہار نہیں بجز اس بہار کے کہ جان میں محبوب حقیقی کا تعلق نصیب ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا کی تمام لذات اور بہاروں کی صحیح حقیقت منکشف تھی اس لئے اُمت کو تعلیم فرماتے ہیں۔

حدیث کُن فِی الدُّنیَا کَاَنَّکَ غَرِیب کی تقریر

کُن فِی الدُّنیَا کَاَنَّکَ غَرِیب اوعابر سبیل وعد نفسک من اھل القبور۔ اس حدیث پاک کے اندر پورا سلوک ابتدا تا انتہا موجود ہے - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے شانوں کو ہلا کر

ارشاد فرماتے ہیں :-

یا ابن عمر ! اے چودہ پیوند لگانے والے باپ کے بیٹے ! باپ کی پاکیزہ زندگی کے نقشِ قدم کو مت بھولنا تمھارا ایک زمانہ آنے والا ہے یعنی جب باپ تمھارا خلیفۃ المومنین ہوگا اور طرح طرح کے ہدایا و تحائف آئیں گے اس وقت مزاج عبدیت سنبھالنا مشکل ہوگا پس ابھی سے میری نصیحت سُن لو اور اس کو یاد رکھنا کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ۔ دنیا میں تم ایسے رہنا جیسے کہ کوئی مسافر ہوتا ہے۔ مسافر کی شان کیا ہوتی ہے۔ سُبکسار مردم سبکتر روند۔ ہلکا پھلکا مسافر خوب سفر کرتا ہے۔ سفر میں عاقل آدمی بہت مختصر اسباب رکھتا ہے حتیٰ کہ سلاطین بھی جب سفر کرتے ہیں تو شاہی محل اور شاہی محل کے تمام اسبابِ راحت و آرائش کو چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ دنیا میں ہر بندہ آخرت کا مسافر ہے خواہ مومن ہو یا کافر ہو۔ ہر ایک ہر سانس میں اس راستہ کو قطع کرتے کرتے ایک دن موت کے پُل سے گزر کر دار آخرت میں قدم رکھ دیتا ہے اور وہی اس کا اصلی وطن ہوگا۔ اور وطن کی راحت موقوف ہے پردیس کی کمائی پر۔ ہر انسان اپنے عقائد اور اعمال کے مطابق آخرت میں دو صفوں کے اندر تقسیم کر دیا جائے گا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ — نیکوں کی صف جنت میں

وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ — اور بُروں کی صف جہنّم میں ٹھکانہ پالیگی۔

طریق عشق اسی کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ میں طریق عشق کی بھی تعلیم ہے کیونکہ محبت تمام تکلفات اور آرائش کو چھڑا دیتی ہے اور مقام عشق ان لوگوں کا حصّہ ہوتا ہے جو

محض ذاتِ حق سے محبت رکھتے ہیں اور بندگی اس لئے کرتے ہیں کہ میاں خوش ہو جائیں۔

واقعہ حضرت ابن فارضؒ

حضرت ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں ان کو وصال کے وقت جب جنت دکھائی گئی تو انھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

بو کان منزلتی فی الحب عندکمو ۔۔۔ ماقد رأیتُ فقد ضیعت ایامی

اے اللہ اگر میری محبت کا صلہ آپ کے نزدیک یہی جنت ہو تو میں نے ایام اپنی زندگی کے ضائع کر دیئے یعنی میں نے تو آپ کے لئے سب کچھ کیا تھا نہ کہ جنت کے لئے پس ایک تجلّی خاص حق تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوئی۔ اور روح نکل گئی۔ یہ بڑے حوصلے کے لوگ ہوتے ہیں چھوٹوں کا منہ نہیں ہو

ناز را روئے بباید ہمچو ورد ۔۔۔ یعنی

ناز کے لئے گلاب کا سا چہرہ ہونا چاہئے ـــــ یہ ایک خاص طبقہ ہے اولیاً اللہ کا جن پر محبت کا حال غالب ہو جاتا ہے اور یہ حال راسخ ہو کر محبت کا مقام بن جاتا ہے۔

بنگر ایشاں را کہ مجنوں گشتہ اند ۔۔۔ ہمچو پروانہ بوصلش کُشتہ اند

دیکھو ان عشاق کو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مجنون ہو گئے ہیں اور پروانہ کی مانند تجلیات قرب سے کُشتہ ہو رہے ہیں۔ وصل کا ترجمہ قرب سے اس لئے کیا ہے کہ :۔

وصل اورا محال می گویند ۔۔۔ قرب اورا وصال می گویند

وصول الی اللہ سے مراد قرب الی اللہ ہوتا ہے۔

حضرت سرمدؒ فرماتے ہیں ؎

سرمد گلا اختصار می باید کرد   یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد   یا قطع نظر زیار می باید کرد

کہ اے سرمد زیادہ شکوۂ محبت بیکار ہے اس کو مختصر کرو اور اب دو کام میں سے ایک کام کر گزرنا چاہیئے۔ ہمارے خواجہ مجذوب صاحبؒ فرماتے ہیں

کامیابی تو کام سے ہو گی   نہ کہ حُسنِ کلام سے ہو گی

یا تو تن کو دوست کی رضا میں قربان کر دینا چاہیئے یا تو جان کو تن سے جُدا کر دینا چاہیئے۔ اسی کو حضرت حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید   یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

یعنی ہاتھ طلب سے نہ روکوں گا یہاں تک کہ میں کامیاب ہو جاؤں یا تو تن محبوب حقیقی تک پہونچ جائے یا جان تن سے نکل جائے۔ اور حضرت سرمد فرماتے ہیں۔

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند   سوز غم پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار   ایں دولتِ سرمد ہمہ کس را ندہند

فرماتے ہیں کہ۔ اے سرمد حق تعالیٰ عشق حقیقی کا غم اہل ہوس کو نہیں دیتے ہیں جس طرح پروانہ کا سوزِ غم مکھی کو نہیں دیا کرتے ہیں محبوب حقیقی سے قرب حاصل کرنے کے لئے ایک عمر چاہیئے۔ یہ دولتِ قرب سرمدی ہر کس و ناکس کو نہیں عطا فرماتے ہیں۔ جس پر میاں کی خاص نگاہ عنایت ہوتی ہے۔ اس کو اپنی طرف جذب فرما لیتے ہیں۔

ایک بزرگ کی حکایت

ایک بزرگ تھے جو اللہ تعالیٰ سے محبت مانگا کرتے تھے بس کہیں جا رہے تھے کہ اچانک قبولیت کا وقت آگیا اور محبت عطا ہو گئی بس وہیں کھڑے رہ گئے ہوش جاتا رہا۔ اور بزبان حال فرمایا ؎

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں　　یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

فرمایا کہ اے میرے رب محبت کا چشمہ بھی کیسا چشمہ ہے کہ پیا تو تھا ایک قطرہ اور دریا کا دریا آنسو نکا بہ رہا ہے۔ حضرت عارف رومی رح فرماتے ہیں۔

اے دریغا اشک من دریا بدے　　تا نثار دلبر زیبا شدے

مولانا فرماتے ہیں کہ اے کاش میرے آنسو دریا ہو جاتے یہاں تک کہ وہ بہتے ہوئے محبوب حقیقی کے پاس پہنچ جاتے اور پہنچکر محبوب پر قربان ہو جاتے۔ ہمارے خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

ہو گئی خشک چشم تر بہہ گیا ہو کے خون جگر

رونے سے دل مرا مگر ہائے ابھی بھرا نہیں

ایک عجیب واقعہ

ایک واقعہ یاد پڑا جون پور میں ایک طرحی مشاعرہ تھا ایک لڑکے نے ایسی گرہ لگائی کہ اس کو نظر لگ گئی اور چند دن میں انتقال کر گیا۔ مصرعہ طرح یہ تھا:۔

کوئی نہیں جو یار کی لادے خبر مجھے

اس پر اس لڑکے نے یہ مصرعہ لگایا

اے سیل اشک تو ہی بہادے اُدھر مجھے

محبّت کا اثر

محبت اللہ کی جب اثر کر جاتی ہے تو اس کیفیت کو نہ پوچھئے۔ عاشقین صادقین میں جو اخلاص ہوتا ہے اس اخلاص کو دوسرے نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ان کی شان ہوتی ہی یعنی اپنے رب کو صبح شام کثرت سے یاد کرتے ہیں صرف اپنے اللہ کی خوشنودی کے لئے۔ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ کا مطلب یہ ہے کہ یہ طالب ذاتِ حق

ہیں۔ اور ان کی شان یبتغون فضلاً مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا ہے ہر وقت ڈھونڈتے رہتے ہیں کہ میاں کس بات سے خوش ہوں گے ایک دُھن لگی ہے کہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا کیسے حاصل ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے کبھی میدان کارزار میں کھڑے ہیں کبھی اپنے بھائیوں کے ساتھ رحمت کا سلوک کر رہے ہیں کبھی اپنے اللہ کی یاد میں کھڑے ہیں کبھی رکوع میں جھکے ہیں کبھی سجدے میں پڑے ہیں اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰاھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا۔ ہر صحابی سچا عاشق تھا اللہ اور رسولؐ کا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شدتِ محبت بیان فرما کر تعلیم فرمادی کہ ایمان کامل جبھی ہوتا ہے جب اللہ اور رسولؐ کی محبت میں سرگرمی اور شدت پیدا ہو جائے۔

حضراتِ صحابہؓ نے طریق عشق سے راستہ طے کیا تھا۔ گھر سے بے گھر ہونا جان اور مال کا قربان کرنا۔ ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے خوف ہو جانا بدون شدّت محبت کے ممکن نہیں ہے۔ اور حضراتِ صحابہؓ نے ہجرت کرکے جانی اور مالی جہاد کر کے۔ خاندان اور کنبے کی ملامت سے بے خوف ہو کر اللہ اور رسولؐ کی محبت میں جو سرگرمیاں دکھائی ہیں وہ ان کی شدّتِ محبت ہی کے پھل پھول تھے اور محبت جب شدت پکڑ لیتی ہے تو اُسی کا نام عشق ہے۔ حضرت مرشدیؒ نے فرمایا تھا کہ اٰمَنَّا معنی ہیں عشقنا کے ہے اب سوال یہ ہے کہ پھر عشقنا کیوں نہیں فرمایا تو بات یہ ہے کہ لفظ عشق چونکہ شعراءِ عرب میں نفسانی محبت کیلئے مستعمل ہوتا تھا اس لئے حق تعالیٰ نے اس کو شدت محبت سے تبدیل فرما کر اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ فرمادیا۔

اخلاص کا مقام بدونِ شدت محبت کے حاصل نہیں ہوتا ہے عشق ہی ایسی چیز ہے جو غیر محبوب سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ عشق سارے امراض باطنی مثلاً ریا۔ کینہ۔ عجب۔ حسد۔ بغض وغیرہ کو جلا دیتا ہے۔ اسی کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما　　اے طبیب جملہ علتہائے ما

مُبارک ہو اے عشق کہ تو بہت اچھی بیماری ہے تو ایسی بیماری ہے کہ ہماری جملہ علّتوں کی دوا ہے۔

دَواء نخوت و ناموس

؎ اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

مولانا فرماتے ہیں اے عشق تو ہماری تمام نخوت اور جاہ و ناموس کی دوا ہے اور اے عشق ہمارے لئے تو ہی افلاطون اور جالینوس ہے۔

بے غرض نبود بگردش در جہاں　　غیر جسم و غیر جان عاشقاں

بے غرض جہاں میں کسی کا کام نہیں ہے بجز عاشقوں کے جسم اور جان کے کہ ان کے سامنے بجز رضاء محبوب کوئی غرض نہیں ہوتی ہے۔

ترکِ معشوقی اور اختیارِ عاشقی

؎ ترک کن معشوقی و کن عاشقی
اے گماں بردہ کہ خوب و فائقی

جب عشق میں یہ کرامت موجود ہے تو مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ اے وہ شخص کہ تو اپنے پر گمان اچھے ہونے کا اور فائق ہونے کا رکھتا ہے (حالانکہ غلام کی اچھائی اور بُرائی کا فیصلہ اس کے مالک کے فیصلے پر منحصر ہے اور مالک کے فیصلے کا یقینی علم مرنے سے پہلے ناممکن ہے پس اے گمان غیر مفید میں مبتلا شخص) تو گمان معشوقیت کو اپنے دل سے نکالدے اور عاشقی اختیار کرے

کہ اس کا ثمرہ یقینی ہے۔

پیاس کی طلب پانی کی طلب سے مُقدم ہے

تشنگاں گر آب جویند از جہاں
آب ہم جوید بعالم تشنگاں

پیاسے اگر پانی کو تلاش کرتے ہیں جہاں سے تو پانی بھی عالم میں پیاسوں کو ڈھونڈتا ہے پس تمہاری طرف سے حق تعالیٰ طلب دیکھ کر تمہیں اپنی طرف جذب فرمالیں گے۔

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے
عاقبت بینی ازاں در ہم سرے

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم کسی دروازے کو کھٹکھٹاؤ گے تو انجام کار کوئی سر اس دروازے سے ضرور نکلے گا۔ آگے دوسری مثال ارشاد فرماتے ہیں۔

چوں زچاہے میکنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آب پاک

اگر کسی کنوئیں سے ہر روز تم مٹی نکالتے رہو گے تو ایک نہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ تمہارے ہاتھ اس آب پاک تک پہنچ جائیں گے۔

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آبت از بالا و پست

پانی کم ڈھونڈو پہلے پیاس یعنی سچی طلب دل میں پیدا کرو تاکہ پیاس کے بعد جو پانی پیو تو وہ پانی سر سے پیر تک جوش میں آجائے۔

گر تو طالب نیستی تو ہم بیا
تا طلب یابی ازیں یار وفا

اگر تم میں پیاس موجود نہیں۔ تو تم مایوس نہ ہو کسی اللہ والے کے پاس آجاؤ تاکہ اس یار وفا سے تم کو طلب اور پیاس بھی عطا ہوجائے۔

الغرض حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے شانوں کو ہلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا ابن عمر کن فی الدنیا کانک غریب۔ دنیا میں مسافر کی طرح سے رہو۔ گھر کے اندر ہے اور مسافر کی طرح ہے مسافر کسی سے

میل جول نہیں کرتا ہے کوئی اس سے فضول گفتگو کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں بے وطن ہوں مسافر ہوں میں آپ کی ان باتوں میں کیا مدد کرسکتا ہوں میرے سامنے میرے سفر کے حقوق ہیں مسافر تعلقات غیر ضروریہ سے اپنے کو بچاتا ہے تاکہ سفر میں خلل نہ پیدا ہو۔

غیر ضروری اسباب اور تکلفات میں جو وقت صرف کیا جاتا ہے جس طرح وہ محبت کی شان کے خلاف ہے۔ اسیطرح بے ضرورت میل جول اور یار باشی میں وقت ضائع کرنا بھی شان محبت کے خلاف ہے محب صادق کی شان تو یہ ہوتی ہے۔

ازاں بہ کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے　　کہ بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے

فراغ قلب سے ایک نظر اُس ماہ رو کو دیکھ لینے کا زمانہ بہتر ہے اس سے کہ شاہی تاج سر پر ہو اور سلطنت کا شور وغل ہو۔

پس ازسی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

قصہ یکے از بادشاہان عرب کہ عشق حقیقی اورا از خطۂ عرب بیروں کرد

عرب میں ایک بادشاہ امرء القیس نامی گزرے ہیں اور اسی نام کا ایک شاعر بھی گزرا ہے جس کا زمانہ سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ۴۲ سال پہلے ہوا ہے۔ مگر یہ دوسرے امرء القیس ہیں جن کا واقعہ مولانا نے مثنوی شریف میں بیان فرمایا ہے یہ پہلے سلطنت اور حکومت کے حریص تھے اور بہت صاحب کمالات حسین وجمیل بادشاہ تھے جب عشق حقیقی نے ان پر اپنا اثر کیا تو عشق نے ان کو خطۂ عرب سے باہر کر دیا۔

کیوں کہ محبت تمام لذات کو الم سے بدل دیتی ہے صاحب قصیدہ فرماتے ہیں:-

نعم سری طیفُ من اھوی فارقنی
والحُب یعترض اللذات بالالم

فرماتے ہیں کہ ہاں رات مجھے اپنے محبوب کا خیال آیا پس اس نے مجھے تمام رات بیدار رکھا اور محبت کا خاصہ ہی یہی ہے کہ لذات کو درد اور الم سے بدل دیتی ہے۔ چنانچہ اسس بادشاہ عرب کے متعلق مولانا فرماتے ہیں ؎

چونکہ زد عشقِ حقیقی بر دلش　　　سرد شد ملک و عیال و منزلش

جب عشق حقیقی نے اس کے دل پر اثر کیا تو اسس پر ملک اور عیال اور گھر سرد ہو گیا۔

نیم شب دلقے بپوشید و برفت　　　از میان مملکت بگریخت تفت

آدھی رات کو ایک گدڑی اوڑھی اور نکل گیا۔ اپنی سلطنت سے جلد بھاگ گیا اپنی سلطنت سے نکل گئے اور مسافر ہو گئے تمام سامانِ راحت وعیش کو محبت حق نے تلخ کر دیا۔ چلتے چلتے ایک دوسری سلطنت میں پہونچے جس کا نام تبوک تھا۔ اور وہاں اینٹیں بنانے لگے۔ اور اکثر چہرے پر نقاب ڈالے رہتے تھے تاکہ شاہی چہرے کو دیکھ کر ملک کے مخبرین کو تشویش نہ ہو۔

یہ محبت ہے کہ بادشاہ وقت سے اینٹیں بنوا رہی ہے۔ مگر یہ غلامی ہزاروں شاہی سے بہتر ہے۔

بندگی او بہ از سلطانی است　　　کہ انا خیرٌ دم شیطانی است

اللہ کی بندگی سلطانی سے بہتر ہو اپنے کو اچھا سمجھنا شیطانی سانس ہے۔

عشق را نازم کہ یوسف را ببازار آورد ہمچو صنعانا ہدے را زیر زنّار آورد

کچھ ہی دن گزرے تھے کہ لوگوں نے بادشاہ تبوک سے کہا کہ بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ عرب امرء القیس یہاں فقیری کی حالت میں آیا ہے اور وہ شکار عشق ہو گیا ہے اور اینٹیں بناتا ہے یہ سُن کر بادشاہ اُٹھا اور امرء القیس کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے بادشاہِ خوبرو تو یوسف وقت ہے تیرے پاس دو ملک کامل ہیں ایک تو تو ایک سلطنت کا مالک ہے دوسرے تیرے پاس جمال بھی ہے ہماری خوش نصیبی ہوگی کہ آپ میرے پاس رہیں تو ایسا عالی ہمت ہے کہ تیری ہمت میں بہت سے ملک متروک ہیں الغرض دیر تک ایسی گفتگو کی کہ امرء القیس شاہ تبوک کے یہاں رہنے کے لئے تیار ہو جائے اور وہ خاموش سنتا رہا۔ اچانک اس نے اپنا نقاب کھولا اور شاہ تبوک کے کان میں نجانے کیا عشق اور درد کی بات کہدی کہ اپنی طرح فوراً اس کو بھی سرگرداں کر دیا اور دیوانہ کر دیا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کیں دولت از گفتار خیزد

عشق محض دیکھنے ہی سے نہیں پیدا ہوتا۔ بسا اوقات یہ دولت دوسروں سے سُنکر بھی ہاتھ لگ جاتی ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا کا یہی راز ہے رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو جو ان کی گلی میں چلے ہوئے ہیں ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

میں اپنی ان آنکھوں پر ناز کرتا ہوں کہ انھوں نے آپ کا جمال دیکھا ہے اور اپنے پیروں پر گرتا ہوں کہ آپ کی گلی میں پہنچے ہوئے ہیں۔ وہ باخبر جب اس

مجبوب حقیقی کی تعریف زبان عشق سے کرے گا تو اس کا حال تم کو بھی صاحبِ حال بنا دے گا۔

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت　　اک خانہ بخانہ ہے اک سینہ بسینہ ہے

الغرض وہ دونوں بادشاہ اللہ کی محبت میں دیوانے ہو کر وہاں سے بہت دور چلے گئے۔ اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ عشق نے یہ گناہ ایک ہی بار نہیں کیا۔ ان دونوں بادشاہوں کے علاوہ بہت سے بے شمار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جن کو عشق حقیقی نے ملک اور خاندان سے جدا کر دیا۔

آنکہ ترا شناخت جاں راچہ کند　　فرزند و عیال و خانماں راچہ کند

بیانِ عشق

؎ از محبت شاہ بندہ می شود　　وز محبت مردہ زندہ می شود

از محبت تلخہا شیریں شود　　وز محبت مسہا زریں شود

محبت سے شاہ بندہ ہو جاتا ہے اور محبت سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ محبت سے ساری تلخیاں شیریں ہو جاتی ہیں اور محبت سے تانبہ سونا ہو جاتا ہے ؎ گر ببینی یک نفس حسنِ ودود　　اندر آتش افگنی جان و دود

اگر تو محبوبِ حقیقی کا حُسن اپنے قلب میں ایک لمحے کو بھی مشاہدہ کرے تو اپنی جان محبوب کو آگ میں ڈال دے۔

گر ببینی کرّ و فرّ قرب را　　جیفہ بینی بعد ازیں ایں شرب را

اگر تو حق تعالیٰ کے قرب کی شان و شوکت دیکھ لے تو دُنیا کی تمام لذّتیں تم کو مُردار معلوم ہوں۔

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند　　از ہمہ کارِ جہاں بیکار ماند

حق تعالیٰ جس کو اپنی طرف جذب فرمالیتے ہیں وہ سارے جہان کے

کام سے بیکار ہو جاتا ہے یعنی سارے جہاں کے کام اس کی نگاہ میں بیکار معلوم ہوتے ہیں اور اس کا مذاق یہ ہو جاتا ہے۔

خوشتر از ہر دو جہاں آنجا بود   کہ مرا با تو سرد سودا بود

دونوں جہاں میں سب سے اچھا وہ مقام ہے جہاں آپ ہوں اور ہماری اور آپ کی راز و نیاز محبت کی باتیں ہوا کریں۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ   نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

اے محبوب آپ نے اپنی قیمت دونوں جہان بتائی ہے یہ قیمت تو آپ کی ذاتِ پاک کے سامنے کچھ بھی نہیں — نرخ اور بالا فرمائیے کہ ابھی ارزانی ہے۔

کشتنے بہ از ہزاراں زندگی   سلطنت ہا مردۂ ایں بندگی

ایک دفعہ قتل ہونا ہزاروں زندگی سے بہتر ہے اور بہت سی سلطنتیں اس غلامی پر قربان ہیں۔

مُلک دنیا تن پرستاں را حلال   ما غلامِ عشق ملک لازوال

دنیا کا ملک تن پرستوں کے لئے مبارک ہو اور ہمیں عشق کا ملک لازوال مبارک ہو۔

آدما معنی دلبندم بجو   ترک قشر و صورت گندم بگو

(بطور حکایت عن الحق کے خطاب ہے) اے آدم یعنی اے بنی نوع آدم میرے معنی دلبند کو طلب کرو پوست اور صورت گندم کو ترک کرو یعنی مخلوقات کی طرف توجہ کرنا کہ مشابہ ہے اُکل شجرہ کے ترک کرکے توجہ الی الحق اختیار کرو

حضرت مولانا روم رحمہ بہت بڑے درجے کے عاشق اور عارفِ باللہ

ہیں مگر فرماتے ہیں ؎

من چہ گویم یک رگم ہوشیار نیست شرح آں یارے کہ اورا یار نیست

جب کہ میری ایک رگ بھی ہوشیار نہیں ہے تو میں اس دوست کی کیا شرح کروں جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

تذکرہ مولانا جلال الدین رومیؒ

مولانا رومؒ بہت بڑے آدمی اپنے صدی کے گزرے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی معرفت کا بڑا حصہ عطا فرمایا تھا ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے محمد خوارزم شاہ کے حقیقی نواسے تھے چھ سال کی عمر میں جب اپنے والد صاحب کے ساتھ بابا فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ نے آپ کو اپنی مثنوی اسرار نامہ تبرکاً ہدیہ دی اور آپ کے والد صاحب سے فرمایا کہ یہ لڑکا ایک دن غلغلہ بلند کرے گا چند سال بعد مولانا نے تکمیل علوم کے لئے شام کا سفر فرمایا اور پھر سات سال دمشق میں تحصیل علوم وفنون کرتے رہے تمام مذاہب سے واقف تھے علم کلام، علم فقہ اور اختلافیات میں خاص ملکہ رکھتے تھے فلسفہ وحکمت وتصوف میں اس وقت ان کی کوئی نظیر نہ تھا۔ مولانا رومؒ پھر درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔

مولانا رومیؒ کے لئے حضرت تبریزؒ کی دُعا

ادھر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے ایسا بندہ عطا فرمائیے جو میری آتشِ محبت اور صحبت کا متحمل ہو سکے اور اس آتشِ عشق حقیقی کی امانت اس کے سپرد کردوں

چنانچہ آپ کی دُعا قبول ہوئی اور الہام ہوا کہ روم جاؤ۔ اسی وقت چل کھڑے ہوئے۔ مولانا روم رح پر جس وقت حضرت تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی نظر پڑی تو آپ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی جس کو مولانا نے اپنی ایک غزل میں اس انداز سے بیان فرمایا ہے ؎

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم ‏ ‏ ‏ ‏ ازیں مے ہمچو من بسیار شد مست
ازیں مے جرعۂ پاکاں چشیدند ‏ ‏ ‏ ‏ جنید و شبلی و عطار شد مست
چو بر من شمس تبریزی نظر کرد ‏ ‏ ‏ ‏ تو ملا بر سر بازار شد مست

میں اکیلا ہی اس محبت حق کے میخانے کا مست نہیں ہوں بلکہ اس مے سے مجھ جیسے بہت سے مست ہیں
(۲) اس شراب محبتِ حق کا جرعۂ پاک پاک بندوں نے نوش کیا ہے چنانچہ حضرت جنید رح و شبلی رح و عطار رح سب کے سب مست ہو گئے۔
(۳) جب مجھ پر حضرت شمس تبریز رح نے نظر ڈالی تو یہ مُلّا رومی رح بر سر بازار مست ہو گئے۔

اور حضرت تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آپ سلوک کے منازل طے کرنے میں مشغول ہو گئے اور درس و تدریس وعظ و پند کے اشغال چھوڑ دیئے۔

حضرت مولانا رومی رح کے قلب میں اپنے پیر کی محبت

اپنے پیر سے دم بھر کی جدائی کا تحمل نہ پاتے تھے۔ عجیب والہانہ تعلق حضرت تبریز رح سے پیدا ہو گیا۔ کہاں تو بادشاہ کے نواسے تھے عمامہ و جبہ کے ساتھ پالکی پر چلتے تھے اور سینکڑوں شاگرد آپ کی

جوتی سیدھی کیا کرتے تھے اور اب پیر کی محبت میں پیر کے پیچھے پیچھے پیر کا سب سامان بستر گدڑی - چکی - پیالہ - لوٹا اور غلّہ وغیرہ سر پر رکھے ہوئے پھرنے لگے -

این چنیں شیخ گدائے کو بکو　　عشق آمد لاابالی فاتقوا

مولانا نے اسی غلامی کو بڑے فخر سے اس شعر میں بیان فرمایا ہے

مولوی ہرگز نشد مولائے روم　　تا غلام شمس تبریزی نشد

مثنوی شریف میں جہاں جہاں حضرت تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا یا پیر کا لفظ آگیا ہے مولانا پر ایک حالت طاری ہوگئی ہے اور صفحات اشعار پیر کی محبت میں فرما گئے ہیں - چنانچہ فرماتے ہیں

پیر باشد نردبان آسمان　　تیر پراں از کہ گردد از کمان

پیر آسمان تک رسائی کے لئے بمنزلہ سیڑھی کے ہے تیر کا تیز رفتاری سے اڑنا کمان ہی کے فیض پر منحصر ہے -

من نجویم زیں سپس راہ اثیر　　پیر جویم پیر جویم پیر پیر

میں آسمان کا راستہ نہ ڈھونڈوں گا مگر پیر ڈھونڈوں گا پیر ڈھونڈوں گا پیر پیر یعنی پیر ہی کے ذریعہ راستہ حاصل ہوگا - پیر کی محبت میں یہ شعر ایک خاص والہانہ کیفیت کا اظہار کرتا ہے - ایک مقام پر کسی قصے کے اندر صرف شہر تبریز کا نام آگیا وہاں بھی مولانا پر پیر کے شہر کے نام سے ایک حالت طاری ہوگئی - اور کئی شعر تبریز شہر کی تعریف میں فرماگئے فرماتے ہیں :- اُبرُکی یا ناقتی طاب الامور　　اِنّ تبریز اُمناجات الصدور

بیٹھ جا اے میری اونٹنی سب کام اچھے ہوگئے　　بیشک شہر تبریز دلوں کی گفتگو کی جگہ ہے

اسرحی یا ناقتی حول الریاض　　ان تبریزا لنا نعم المفاض

چرتی رہ اے میری ناقہ باغوں کے گرد
بے شک تبریز رح ہمارے لئے خوب محل فیض ہے

ساربا ناں بار بکشا ز اشتراں
شہر تبریز است کوئے دلستاں

اے سارباں اسباب اونٹوں پر سے کھولدے
یہ شہر تبریز ہے اور محبوب کا مقام ہے

فر فردوسی است ایں فالیز را
شعشعہ عرشی است ایں تبریز را

فردوس کی سی رونق ہے اس چمن کیلئے
عرش کی سی روشنی ہے اس تبریز کے لئے

ہر زمانے فوج روح انگیز جان
از فراز عرش بر تبریزیاں

ہر وقت خوشبو راحت انگیز روح کی
فوق عرش سے تبریزیوں پر پہنچا ہو

ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

شمس تبریزی کو نور مطلق است
آفتاب است وز انوار حق است

مولانا فرماتے ہیں۔ میرا پیر شمس تبریز کہ وہ نور مطلق ہے یعنی اُس کی ظلمات نفسانیہ توارد تجلیاتِ الٰہیہ سے فنا ہو گئی ہیں اور میرا پیر طالبین کے قلوب کے لئے افاضۂ نور میں مثل آفتاب کے ہے۔ اور اس آفتاب تبریزی میں جو نور ہے وہ انوار حق سے مستفید ہے۔

مولانا روم رح نے اپنے پیر کی صحبت میں رہ کر اپنی نسبت میں تمام اس آگ کو جذب کر لیا جس کے متعلق حضرت تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے دُعا، مانگی تھی کہ اے اللہ مجھے بندہ دیجئے جو میری صحبت کا متحمل ہو سکے اور پھر علوم اور معارف کا آپ کے سینے میں ایسا جوش ہوا کہ آپ نے ایک مثنوی لکھی جس میں اُٹھائیس ہزار آٹھ اشعار ہیں اور ہر شعر الہامی ہے یعنی واردات غیبیہ ہیں جس کو مولانا خود بیان فرماتے ہیں ؎

قافیہ اندیشم و دلدار من
گویدم مندیش جز دیدار من

جب میں قافیہ سوچنے لگتا ہوں تو میرا محبوب مجھ سے کہتا ہے مت سوچ

بجز میرے دیدار کے یعنی تم صرف میری طرف متوجہ رہو قوانی ہم الہام فرمائینگے۔ قافیہ اندیشی میں مشغول نہ ہو۔

کبھی کبھی مثنوی شریف میں تاخیر ہوئی ہے تو اس کی وجہ مولانا رح بیان فرماتے ہیں۔

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد — مہلتے بایست تا خون شیر شد

ایک مدت مثنوی شریف میں تاخیر ہو گئی کیونکہ اگر مسلسل ماں کے پستان سے دودھ نکلتا رہے تو بجائے دودھ کے خون آنے لگے پس اتنی مہلت ضروری ہے کہ جتنا دودھ نکل چکا ہے اس کے عوض میں دوسرا خون دودھ بن جائے۔

حضرت تھانویؒ کا تبلیغی کام کرنے والوں کیلئے مشورہ

ہمارے مرشد مولانا تھانوی رح فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ تبلیغ و ارشاد کا کام انجام دے رہے ہیں اُن کو چاہیئے کہ کچھ وقت خلوت مع اللہ کا اپنے معمولات کے لئے بھی مقرر کر لیں۔ دوسروں کی نفع رسانی کے ساتھ ساتھ اپنی نگرانی اور اپنی ترقی سے بے فکر نہ ہوں۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ تلقّی موقوف ہے تخلّی پر یعنی خلوت مع اللہ ہی کی برکت سے مضامین القا ہوتے ہیں اور اس کے برعکس مسلسل نفع رسانی کا انجام اس کنوئیں جیسا ہے کہ جس سے ہر وقت پانی نکالا جاوے اور سرچشمہ سے پانی جمع ہونے کا وقفہ نہ دیا جائے تو پھر اس کنوئیں سے بجائے پانی کے کیچڑ نکلنے لگتا ہے۔

مولانا رومی رح کا ایک دیوان بھی ہے جس میں پچاس ہزار اشعار موجود ہیں۔ بعض لوگ غلطی سے اس کو حضرت تبریز رح کا دیوان سمجھتے ہیں کیونکہ

اکثر مقطع میں شمس الدین تبریز رح کا نام ہے۔

مثنوی شریف کے متعلق حضرت نانوتوی رح کا ارشاد

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تین کتاب البیلی قرآن شریف بخاری شریف، مثنوی شریف۔

حضرت ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں مولانا روم رح کی مثنوی کی نہایت جامع تعریف بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں ؎

من چہ گویم وصف آں عالیجناب　　نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا روم رح جو اہل اللہ کی تعریف میں بیخود اور مست ہو جاتے ہیں اسکی ایک خاص وجہ ہے وہ یہ کہ مولانا روم رح کی رُوح پاک حضرت تبریز رح کی نسبت کے فیضِ عظیم سے سالہا سال کے مجاہدات سے طے ہونے والے مقامات پر یک لخت فائز ہو گئی تھی جس کے سبب سے اہل اللہ کی عظمت اور رفعت مرتبت کا ان پر بہت اثر تھا اور اسی کا جگہ جگہ مثنوی شریف میں ظہور ہوا ہے۔

مثنوی شریف سے حضرت حاجی صاحب رح کا تعلق۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو مثنوی شریف سے بڑا شغف تھا۔ اور آپ کے ہاں مثنوی شریف کا درس بڑے اہتمام سے ہوتا تھا جس میں بڑے بڑے علماء ہند اور بیرونِ ہند کے شریک ہوتے تھے۔ اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حاجی صاحب رح سے مثنوی پڑھی ہے۔

خواب میں مثنوی شریف کے متعلق حضرت حاجی صاحب رحمہ کا ارشاد

مجھ سے بھی خواب میں حضرت حاجی صاحب رحمہ نے فرمایا کہ مثنوی شریف دیکھا کرو اور فرمایا کہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ کو جو کچھ ملا۔ حدیث شریف اور مثنوی شریف کے درس وتدریس سے۔

ہمارے حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہر وعظ میں مثنوی شریف کی حکایتیں اور اس کے اکثر اشعار موجود ملتے ہیں۔

مثنوی شریف چھ دفتروں میں ہے دفتر ششم کے آخر میں مولانا نے ایک حکایت شروع کی تھی کہ درمیان حکایت میں الہام کا سلسلہ غیبی مشیت حق سے بند ہو گیا جس کو مولانا نے اسی آخری شعر میں بیان فرما کر سلسلہ مثنوی کو ختم فرما دیا۔

مثنوی شریف کے الہامی ہونے پر مولانا رومیؒ کے ایک شعر سے اشارہ

مثنوی شریف کے الہامی ہونے پر مولانا رومی رحمہ کے ایک شعر سے اشارہ ملتا ہے۔

چوں فتاد از روزن دل آفتاب   ختم شد واللہ اعلم بالصواب

مولانا فرماتے ہیں کہ دل میں جس دریچۂ باطنی سے واردات غیبیہ علوم اور معارف کے آرہے تھے اب بحکمت خداوندی وہ آفتاب اُفق استتار میں غروب ہو گیا یعنی اب بجائے تجلی کے استتار ہو گیا جیسا کہ عارفین کو دونوں حالتیں پیش آتی ہیں اور بعض مصالح اس میں تجلی سے بھی زیادہ ہوا کرتی ہیں۔ پس جب روزن قلب کی محاذات سے آفتاب فیض زیر افق جا گرا تو کتاب ہذا ختم ہو گئی ـــــ "ختم شد واللہ اعلم بالصواب"

اور اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ صواب اور مصلحت اور حکمت کس وقت کس چیز میں کیا ہے۔ پس جب وہی جانتے ہیں اور حکمت کے موافق کرتے بھی ہیں اور اس وقت انھوں نے ایسا کیا پس یقیناً اسی میں حکمت ہو اس لئے میں بھی اتباع اس حال کا کر کے بتکلف کلام کرنا نہیں چاہتا اور مثنوی کو ختم کئے دیتا ہوں (کلید مثنوی دفتر ششم)

حضرت مرشدی رحہ نے اس مقام پر فائدہ کے تحت ایک تنبیہ تحریر فرمائی ہے وہ یہ کہ عارف کو بحکم وقت کلام کرنا چاہئے جب طبیعت اپنی اور سامعین کی حاضر ہو اور علوم و معارف کی آمد ہو اور اس میں اعتدال ہو کہ نہ بیان میں تکلف ہو اور نہ اتنا غلبہ ہو کہ ضبط سے خارج ہونے کا اندیشہ ہو اس وقت افادۂ خلق میں مشغول ہو اور اسی وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر یہ شعر وارد ہوا۔

گر بگوید بگو بگوئی و بجوش | ور بگوید مگو مگوئی و خموش

مولانا رومیؒ کی پیشین گوئی

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے پیشینگوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد ایک نور جان آئے گا جو اس مثنوی کا تکملہ کرے گا۔ جو ان دو شعر میں مذکور ہے۔

ہست باقی شرح ایں لیکن دروں | بستہ شد دیگر نمی آید بروں
باقیِ ایں گفتہ آید بے زباں | در دل آنکس کہ دارد نور جاں

چنانچہ اس نور جاں کا مصداق حق تعالےٰ نے مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ کو بنایا۔ اور انھوں نے مثنوی کی تکمیل فرمائی۔ یعنی مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی نے اپنی روح پر مولانا جلال الدین رومی رحہ کی روح کا فیض مشاہدہ کیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

آمدی در من مرا بُردی تمام | اے تو شرح حق مرا خوردی تمام

مولانا کاندھلوی فرماتے ہیں کہ اے جلال الدین رومی رح آپ نے میری مدح پر اپنے انوار کا ایسا تسلط فرمادیا ہے کہ میرا وجود کالعدم ہوگیا ہے کہ تو گویا شیر حق ہے جس نے میری ہستی کو فنا کردیا ہے یعنی دفتر سادس مثنوی کی تکمیل کی پیشین گوئی کے مطابق میرے قلب پر مولانا رومیؒ کی روح پاک مضامین اور معارف کو القاء کر رہی ہے۔ پس یہ کلام بھی اگرچہ میری زبان سے نکلے گا لیکن وہ درحقیقت مولانا ہی کا کلام ہوگا یعنی بمصداق

گرچہ قرآن از لب پیغمبر است ۔۔۔ ہر کہ گوید حق نگفت او کافر است

مفتی الٰہی بخش صاحب بارھویں[۱۲] صدی کے آدمی ہیں اور مولانا روم علیہ الرحمۃ ساتویں صدی کے ہیں مفتی الٰہی بخش صاحب نے ظاہری علوم کی تکمیل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ سے کی تھی۔

مولانا جلال الدین رومی رح کا جب دنیا سے انتقال کا زمانہ قریب ہوا تو قونیہ میں بڑے زور کا زلزلہ آیا اور چالیس دن تک اس کے جھٹکے محسوس ہوتے رہے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ زمین بھوکی ہے لقمۂ تر چاہتی ہے چند ہی روز کے بعد مولانا علیل ہوئے ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ روز یکشنبہ بوقت غروب آفتاب ہمیشہ کے لئے یہ آفتاب علم وفضل غروب ہوگیا۔

آفتاب معرفت مولائے رومؒ کا وقت غروب یعنی تذکرہ وفات

رات کو سامان کیا گیا اور صبح کو جنازہ اٹھا بادشاہ سے لیکر فقیر و غریب تک سب ہمراہ تھے لوگوں نے تابوت توڑ کر تبرکاً تقسیم کرلیا۔ اس قدر اژدہام اور ہجوم تھا کہ صبح کا جنازہ شام کو قبرستان پہونچ سکا۔ شیخ صدرالدین شاگرد حضرت

شیخ محی الدین اکبر رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے مریدین کے ہمراہ تھے۔ شیخ صدرالدین علیہ الرحمۃ جب جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو چیخ مار کر بیہوش ہو گئے۔ پھر قاضی سراج الدین نے نماز جنازہ پڑھائی۔ کل ۶۸ سال کی عمر پائی تھی پورا نام محمد جلال الدین مولائے رومیؒ ہے۔ اور قونیہ میں مدفون ہیں

اُمت پر مثنوی شریف کا احسان

مولانا رومیؒ کی مثنوی بہت بافیض کتاب ہے۔ مولانا رومی رحؒ کے بعد آج تک اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً تمام اہلِ علم اولیاء اللہ نے مثنوی شریف کے علوم اور معارف سے فیض اُٹھایا ہے۔

ہمارے حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ بعض مذاق کے لئے مثنوی مولائے روم رحؒ بمنزلۂ ذکر اللہ ہے۔ اور حضرت نے مثنوی شریف کی عجیب جامع شرح لکھی ہے جس کا نام کلید مثنوی ہے۔

الغرض حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن فی الدنیا کانک غریب میں حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت کاملہ کا طریقہ ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی جب مسافرانہ زندگی گزاروگے تو تکلفات میں وقت ضائع نہ ہوگا اور محبوبِ حقیقی کی یاد میں بفراغ قلب مشغولی کا موقع ہاتھ آجائے گا اور سچے محب کی شان یہی ہوتی ہے کہ آسائش اور تکلفات میں اس کا جی نہیں لگتا۔

نعم سری طیف من اھوی فارقنی

والحب یعترض اللذات بالالم

صاحب قصیدہ بردہ فرماتے ہیں کہ ہاں رات محبوب کا خیال آیا پس خیال محبوب نے مجھ سے میری نیند کو جدا کر دیا۔ اور بات تو یہی ہے کہ محبت جب آتی ہے تو تمام لذتوں کو تلخ کر دیتی ہے۔ اللہ کی محبت

تکلفات میں مشغول ہونے سے روک دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے البذاذۃ من الایمان

سادگی ایمان کی علامت ہے

سادگی ایمان کامل کی نشانی ہے تو اس حدیث کا بھی مفہوم یہی ہے کہ ایمان کامل جبھی ہوتا ہے جب اللہ اور رسول ؐ کی محبت کاملہ دل میں پیدا ہو جائے اور جب محبت کاملہ ہو گی تو غیر محبوب میں مشغولی سے وحشت ہو گی۔ سادہ زندگی طبعاً محبوب معلوم ہو گی۔ عشق تکلفات کے ساتھ جمع ہی نہیں ہو سکتا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد

اس وقت ایک عجیب بات یاد پڑی حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی عالم کو بہت مزین لباس میں دیکھتا ہوں تو دل میں وسوسہ آتا ہے کہ یہ شخص خالی خولی ہے۔ باطنی نعمت جس کے پاس ہوتی ہے وہ ظاہری نقش ونگار سے مستغنی ہو جاتا ہے اور فرمایا کہ ایک بار مولانا عیسیٰ صاحب مرحوم نے مجھ سے کہا کہ حضرت زینت میں کیا حرج ہے اور یہ حدیث پڑھی:۔ اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے تو میں نے کہا کہ مولوی صاحب جب حقیقت منکشف ہو گی تو اس حدیث سے اِستدلال دھرا رہ جاوے گا اور صحیح مفہوم اس حدیث کا سمجھ میں آجائے گا۔ چنانچہ چند دن تھانہ بھون رہنے کے بعد غریبوں کی سی وضع ہو گئی اور گھڑی اچکن سب بھول گئے۔ دُنیا جب ایک مسافر خانہ ہے تو یہاں زندگی بھی مسافرانہ ہی

گزرنا چاہیئے۔ مسافرانہ زندگی کے لئے کیا خوب کہا ہے ؎

مسافر در سرائے میہماں یک شب نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

ایک جھونپڑی والے کی بھی صبح دوپہر شام ہوتی ہے اور محل والے کی بھی صبح دوپہر شام ہوتی ہے یہ دن اور رات سب کے کٹ جاتے ہیں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ کسی کے دن رات فرماں برداری کے ساتھ گزرتے ہیں کسی کے نافرمانی سے گزرتے ہیں۔

موت کا استحضار

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سہ دری میں حضرت کے خاص حجرہ کے سامنے ایک تختی پر یہ دو شعر بخط جلی لکھے ہوئے تھے۔

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دُنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

آخرت سے غفلت کی اصلی جڑ دنیا کی محبت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں حُبُّ الدُّنیا رَاسُ کُلِّ خطیئۃ دنیا کی محبت تمام معاصی کی جڑ ہے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں دنیا کی محبت سے سخت پرہیز کا حکم فرمایا ہے اور مسافرانہ زندگی کے بعد اوعا بر سَبِیل فرمایا ہے یہاں اَوْ معنیٰ میں بل کے ہیں اور بل ترقی کے لئے

آتا ہے یعنی کُن فی الدُّنیا کانَّکَ غریب میں جو تعلیم دی گئی تھی کہ دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو کہ گویا تم ایک مسافر ہو تو یہ ابتدائی درجہ ہے جب اس درجے کا رسوخ ہو جائے تو اور ترقی کرو اور اس طرح رہو کہ جیسے کوئی عابر ہوتا ہے یعنی عبور کرنے والا۔ مسافر تو کہیں کسی وقت ٹھہر کر آرام بھی کر لیتا تھا اور عابر عبور کے درجے میں کہیں ٹھہرتا بھی نہیں ہے وَعُدَّ نَفْسَکَ مِن اَھلِ القُبُور۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اور اپنے نفس کو اہل قبور میں سے شمار کرو یعنی جس طرح مردہ دنیا سے بے تعلق رہتا ہے اسی طرح تم زندگی میں اپنے دل کو تمام فانی تعلقات سے خالی کر لو اور دل میں صرف ایک ذات پاک کا تعلق رکھو یعنی دنیا میں تمام تعلقات پر اللہ کی محبت کو غالب کرو۔

ایک اعتراض اور اُس کا جواب

اب کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ دنیا کی محبت نہ ہو گی تو دنیا حاصل کیسے ہو گی اور مسلمان دوسری قوموں کے مقابلے میں روز بروز گھٹتا چلا جاوے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو دنیا کمانا ہے اور ایک دنیا کی محبت ہے کسب دنیا جائز ہے حُبِّ دنیا جائز نہیں۔ کشتی پانی کی محتاج ضرور ہے لیکن اسی وقت تک یہ پانی کشتی کے لئے معین اور مفید ہے جب تک کہ پانی کشتی کے اندر نہ داخل ہو کشتی کے اندر پانی کا داخل ہو جانا کشتی کی ہلاکت اور تباہی کا سبب ہے

آب در کشتی ہلاک کشتی است　　　آب اندر زیر کشتی پشتی است

پانی کشتی کے اندر کشتی کی ہلاکت کا سبب ہے اور پانی کشتی کے نیچے

کشتی کی روانی کا ذریعہ ہے۔ دنیا حاصل کرنے سے کون منع کرتا ہے۔
البتہ دنیا کو دل میں رکھنے سے منع کیا جاتا ہے کیوں کہ قلب کو
حق تعالٰے نے اپنی یاد کے لئے پیدا فرمایا ہے دل کی غذا صرف ذکراللہ
ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب خوب
سُن لو کہ دلوں کو چین اور اطمینان صرف اللہ تعالٰی ہی کی یاد سے میسّر
ہوتا ہے۔ پس قلب ایک شاہی محل ہے جس میں صرف شہنشاہ حقیقی
سکونت کرسکتا ہے۔ دل کوئی بھٹیا خانہ نہیں ہے کہ جس کو چاہو ٹھیرالو اگر
ٹھیراؤگے تو اللہ کے نزدیک ظالم اور گستاخ سمجھے جاؤگے

دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب تک دنیا کی
محبّت نہ ہوگی تو ہم دوسری قوموں کی طرح
حصول دنیا میں رات دن سرگرمی اور مشقت
نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ جب دل دنیا سے اُچاٹ ہوگا تو ظاہر ہے کہ دنیا
کمانے میں ہم یقیناً دوسری قوموں سے پیچھے رہ جائیں گے۔ اس اعتراض کا
جواب یہ ہے کہ یہ خیال محض نادانی ہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے سلطنت کرکے دکھادی
ہے۔ سلطنت فوج اور لشکر کے ساتھ یہ اللہ کے ولی تھے۔ اور جس طرح
اتباع رسول ﷺ کی برکت سے حق تعالٰے نے ان کے متعلق اپنی رضا کا اظہار
فرمایا۔ اسی طرح ان حضرات کی اتباع کرنے والوں کے متعلق بھی اپنی
خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے اتباعِ رسول کی برکت سے یہ حضرات بھی
ہمارے مخدوم اور متبوع بن گئے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ

اتبعوهم باحسان رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ (ترجمہ)
اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔

بس ہم کو حضرات صحابہؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے۔ مسلمان تخت و تاج اور سلطنت کے ساتھ دین دار بن سکتا ہے اور اگر نہ چاہے تو تنگدستی اور فاقے کے ساتھ بد دین ہو سکتا ہے نہ غریبی کے ساتھ دیندار ہونا ضروری ہے نہ امیری کے ساتھ بے دین ہونا ضروری ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر تھے اور بادشاہ بھی تھے۔ البتہ کچھ بندے مستثنیٰ ہوتے ہیں جن پر اللہ کی محبت کا حال غالب ہو گیا اور انھوں نے دنیا کو لات ماردی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ایک جماعت ایسی موجود تھی جو بال بچے دار نہ تھی انھوں نے اپنی زندگی کو دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔

تذکرہ اصحابِ صفّہؓ

ان حضرات کو اصحاب صفّہ کہا جاتا ہے۔ یہ ایسے محبوب بندے تھے کہ حق تعالےٰ نے قرآن پاک میں ان کا عجیب خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں :۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ احصروا فی سبیل اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ فی الْاَرْضِ ضربًا يَحْسَبُهُمُ الجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التعفف لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۝ تعرف وُجُوهُهُمْ بسيماهُم (پ ۳)

(ترجمہ تفسیر ازبیان القرآن) صدقات اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو مقید ہوگئے ہوں اللہ کی راہ میں یعنی دین کی خدمت میں مقید اور مشغول رہنے سے وہ لوگ طلب معاش کے لئے کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا عادۃً امکان نہیں رکھتے اور ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے۔ البتہ ان کے طرز اور ہیئت سے پہچان سکتے ہو کیوں کہ فقر اور فاقہ سے چہرے اور بدن میں گونہ اضمحلال ضرور آجاتا ہے۔ اور یوں وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے جس سے ان کو کوئی حاجتمند سمجھے یعنی مانگتے ہی نہیں کیوں کہ اکثر جو لوگ مانگتے ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں (ازبیان القرآن)

لفظ احصروا بتا رہا ہے کہ یہ کشتگان محبت ہیں منجانب اللہ ان کے اوپر دین کی محبت کا ایسا حال غالب کر دیا گیا ہے کہ اسی میں گھرے ہوئے ہیں۔ بس ہر وقت دین ہی کا مشغلہ محبوب ہے اور اسی غلبۂ حال کے سبب کسب معاش کی بھی طاقت نہیں رکھتے۔

حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

غیر آں زنجیر زلف دلبرم گر دو صد زنجیر آری بر درم

بجز اُس محبوب حقیقی کی زنجیر محبت کے اگر دو سو زنجیر تو لائے گا تو میں توڑ دوں گا۔

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

ہم اگر قلاش اور دیوانے ہیں تو ہمیں اس کی پرواہ ہی کیا کیونکہ ہم مست اُس ساقی ازل کے اور اس پیمانۂ ازل کے ہیں یعنی اَلَسْتُ بِرَبِّکُم کی آواز مجھے ہر وقت اپنی طرف جذب کر رہی ہے۔

آزمودم عقل دور اندیش را   بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

میں عقل دور اندیش کو بہت آزما چکا ہوں اس کے بعد میں نے اب اپنے کو دیوانہ بنا لیا۔

یہ حضرات اصحاب صفہؓ متوکل علی اللہ تھے کسی سے بھیک مانگتے نہ پھرتے تھے ایسی بے نیازی کی شان ان سے ٹپکتی تھی کہ جاہل لوگ ان کو مالدار سمجھتے تھے ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے روزی عطا فرماتے ہیں جہاں سے اُن کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ خدا پر بھروسہ کرکے دین کی خدمت میں لگے ہوئے تھے ان کے چہروں پر اللہ اور رسولؐ کی محبت کے انوار نمایاں تھے اور اپنے چہروں کے نور سے پہچانے پڑتے تھے

نور حق ظاہر بود اندر ولی   ہر کہ باشد نیک بیں اہل دلی

جس کا اُردو ترجمہ یہ ہے

مرد حقانی کی پیشانی کا نور   کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

انسان کی سب سے بڑی ترقی

انسان کی سب سے بڑی ترقی یہی ہے کہ اس کے لمحات زندگی مرضیات الٰہیہ کے تابع ہوں ورنہ جس دن رُوح نکلنے لگے گی اس دن دماغ کی ساری سائنس سائیں سائیں کرنے لگے گی اور کچھ کام نہ دیگی جس طرح اس قلعہ کی مثال گزر چکی ہے کہ جس کے اندر کوئی چشمہ نہ ہو اور اہلِ قلعہ ان بیرونی نہروں سے جو قلعہ کے اندر آتی ہوں بہت مطمئن ہوں لیکن جب دشمن کی فوج ان بیرونی نہروں کا راستہ کاٹ دی گی تو اہل قلعہ پانی کے بغیر تڑپ تڑپ کر مرجائیں گے کیونکہ قلعہ کے اندر ایک کھاری

چشمہ بھی موجود نہ تھا۔

یہی حال ان مادّی ترقیات کا ہے جن کا تمام تر تعلق صرف جسمانی اعضا سے ہے روح سے نہیں ہے۔ آنکھ ناک کان زبان جیسے دیکھنے سونگھنے سُننے اور چکھنے کا لُطف حاصل کر رہے ہیں اور روح کی ترقی سے بیفکر ہیں پس موت کا لشکر جس وقت آنکھ ناک کان زبان وغیرہ کی نہروں کو کاٹ دے گا یعنی احساس لذت کے یہ سب دروازے بند ہو جائیں گے تو اس وقت اس شخص کو سخت اضطراب اور ندامت پیدا ہو گی کہ اب کیا ہو ساری عمر تو مادی ترقی میں گنوائی اور روح کے لئے کوئی سرمایہ نہ جمع کیا۔ جن اعضاء کے ذریعے دنیا کی لذتوں کے احساس سے ہم مسرور رہتے تھے آج سارے کے سارے معطل اور بے حس ہو گئے۔ پس حسرت کرے گا اور نادم ہو گا کہ کاش اپنے وطن میں آج کوئی سرمایہ ہوتا تو کام آتا۔ قلعہ کے اندر اگر ایک کھاری چشمہ بھی کھود لیا ہوتا تو وہ کام دیتا اور ہلاکت و تباہی سے بچ رہتے۔ جو عاقل آدمی ہوتا ہے وہ پہلے ہی سے اپنے انجام پر نظر رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ دنیا اور دنیا کی تمام راحتیں ایک دن ختم ہونے والی ہیں اس لئے بقدر ضرورت دنیا سے کام لیتا ہے اور یہ عاقل مثل اس مسافر کے ہے جو دانہ گھاس کھلا کر اپنے گھوڑے سے کام لیتا ہے یعنی جسم کو ایک سواری سمجھ کر اس سے سفر طے کرتا ہے۔ چنانچہ اپنے اعضاء سے وہ اعمال کرتا ہے جو مرنے کے بعد آخرت کی زندگی کے لئے کام آنے والے ہیں۔ اور صرف مادی ترقی والا ہر وقت گھوڑے کی مالش اور اس کی زیب و زینت میں مشغول ہو کر سفر سے غافل رہتا ہے بالآخر موت کے وقت یہ

سواری بھی چھین لی گئی کیوں کہ جسم کی یہ سواری چندروزہ امانت خداوندی تھی پس مقصود سے محروم اور گھاٹے میں رہا کیوں کہ سواری کو مقصود سمجھ بیٹھا تھا۔ حالانکہ سواری تو ذریعۂ مقصود تھی منزل مقصود تو رضاء الٰہی تھی جس سے یہ محروم رہا اس وقت آنکھ کھل جاوے گی کہ اصلی ترقی کس کا نام ہے۔ لیکن اب اس تنزلی کا تدارک ممکن نہیں ہو۔

"اب پچھتائے کا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"

عاقل کی تعریف

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اہلِ دنیا اہلِ دین کو بے وقوف سمجھتے ہیں میں ان سے سوال کرتا ہوں اچھا عقل کی کیا تعریف ہے عقل کہتے کس کو ہیں اہلِ دنیا بھی عاقل اسی کو کہتے ہیں جو عاقبت اندیش اور انجام بین ہو کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نہایت بے وقوف ہے کہ اپنے کام کے انجام پر نگاہ نہیں رکھتا ۔ پس جب عقل کی یہ تعریف یعنی انجام بینی سب کو تسلیم ہے تو اب خود فیصلہ کر لیں کہ انجام پر کس کی نظر زیادہ ہو اہلِ دین تو مرنے کے بعد کے انجام پر بھی نظر رکھتے ہیں پس ان کا سب سے زیادہ عاقل ہونا عقلاً بھی ثابت ہو گیا۔ کہ مادّی ترقیات یعنی سائنس کی تمامتر ایجادات کا تعلق صرف جسمانی آرائش اور راحت سے ہے اگر ان نعمتوں پر شکر کرتے کہ خداوند تعالیٰ نے کیسی کیسی راحتوں کا انتظام ہمارے لئے فرما دیا ہے تو یہی دنیا دین بن جاتی آخر ان ایجادات اور مصنوعات کے لئے ہمارے اندر عقل کہاں سے آئی ہے ایک دن وہ تھا کہ ہم ماں کے شکم میں ایک بے جان نجس پانی کی شکل میں تھے۔ پھر اس خلّاقِ عالم نے کس طرح اس پانی کو

لوتھڑا بنایا پھر اسس میں ہڈیاں بنائیں اور پھر اسس پر گوشت چڑھایا ماں کے پیٹ میں یہ سب کام ہو رہا ہے مگر ماں بے خبر ہے کہ وہ نطفہ کب لوتھڑا بنا کب اس میں ہڈیاں بنیں کب ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا گیا اور کب آنکھ ناک کان بنائے گئے اور کب ان کے اندر دیکھنے اور سونگھنے دُسننے کے خزانے رکھے گئے۔ ماں باپ کی یہی بے خبری خود دلیل ہے کہ ماں باپ خالق نہیں ہیں۔ بھلا کیا وہ خالق ہو سکتا ہے جو اپنی مخلوق ہی سے بے خبر اور جاہل ہو ماں باپ کو اتنی بھی خبر نہیں ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ ہے یا بچی ہے۔ کتنی بڑی نشانی وحدانیت کی خود انسان کی پیدائش میں موجود ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا ہو سو وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا۔

مثنوی شریف کی ایک حکایت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہو کہ ایاز نام کا ایک بہت غریب شخص تھا محمود بادشاہ نے اس کے اخلاق عالیہ کے سبب اس کو اپنا محبوب اور مقرب بنا لیا تھا۔ لیکن ایاز جس دن شاہ محمود کے یہاں حاضر ہوا تھا تو اُس دن اس کے پاس صرف ایک پُرانی گدڑی تھی اور ایک بوسیدہ پوستین تھا جس کو ایاز نے ایک حُجرے میں مقفل کر دیا تھا۔ اور ہر روز تنہا اس حُجرے میں داخل ہوتا اور اپنی گدڑی کو دیکھتا اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے یہ کہتا تھا کہ اے ایاز ایک وہ دن تھا کہ اسی بوسیدہ گدڑی میں تو یہاں آیا تھا اور آج تو مقرب

بادشاہ ہے دیکھ اپنی حقیقت کو مت بھولنا۔ نظرِ عنایت شاہ کی تجھ پر
بہت ہے ناز اور تکبر میں مبتلا نہ ہونا بلکہ یہ شکر کا مقام ہے کہ یہی گدڑی پہننے
والا آج مقرب اور محبوب سلطان ہے جس سے آج تمام وزرار
وحکمراں لرزتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ خبر عام ہوئی سارے اراکین
سلطنت کو پہلے ہی سے ایاز کے ساتھ حسد تھا کہ ایک معمولی
غریب آدمی آج ہم سبھوں سے سبقت لے گیا اور اس سے بڑھ کر
شاہ محمود کا کوئی مقرب اور محبوب نہیں ہے حاسدین میں یہ
چہ میگوئیاں شروع ہوئیں کہ ایاز تنہا حجرے میں جاکر کیا کرتا ہے
اور حجرے کو ہر وقت مقفل کیوں رکھتا ہے ہو نہ ہو یہ خفیہ خفیہ شاہی
خزانے سے چرا چرا کر دولت جمع کر رہا ہے پس سلطان کو
اس کی اس حرکت کی خبر کرنی چاہیئے تاکہ یہ تقرب ایاز کا عتاب
شاہی سے بدل جائے۔ پس سبھوں نے باہمی مشورے کے بعد
سلطان محمود کو خبر دی کہ حضور ایاز گندم نما جو فروش ہے یہ آپ کا
عاشقِ صادق نہیں ہے۔ یہ منافق ہے خزانۂ شاہی سے اپنے خاص حجرے
میں سیم وزر جمع کر رہا ہے۔ سلطان محمود کو ایاز کے متعلق ایسی حرکت
کا گمان تک بھی نہ ہوا لیکن اراکین پر حجت تمام کرنے کے لئے اور ایاز کا
مقام محبت اور اس کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے حکم نافذ
کردیا کہ آدھی رات کو ایاز کے حجرے کی تلاشی لی جائے اراکین
سلطنت بڑے خوش ہوئے کہ آج رات میں ایاز کی قلعی کھل
جاوے گی اور اس کا تقرب ختم ہو جاوے گا۔

چنانچہ نیم شب کو اس کے حجرے کا تالہ توڑا گیا اور حکام سلطنت نے

حجرے کے اندر تلاشی لی لیکن بجز ایک پُرانی گدڑی اور ایک بوسیدہ پوستین کے حجرے میں کچھ نہ تھا اور حاسدین نے حجرے کی زمین بھی اِس شبہے سے کھودی کہ شاید زمین میں دفینہ ہو اور گدڑی کو دھوکہ دینے کے لئے ٹانگ رکھا ہو بالآخر تلاشی لینے والے حکام تہیدستِ و نامراد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باصد شرمندگی معذرت اور معافی طلب کرنے لگے۔ محمود پر اس وقت ایاز کی محبت میں ایک حال غالب ہو گیا۔ اور ایاز سے پوچھا کہ اے ایاز اس قدر اہتمام سے اس گدڑی اور پوستین بوسیدہ کو حجرے میں کیوں مقفل کر رکھا ہے ایاز نے عرض کیا کہ حضور میں ہر روز اپنی اس گدڑی اور پوستین بوسیدہ کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتا ہوں۔ اور نفس سے کہتا ہوں کہ اے ایاز تیری یہ تمام نعمتیں عزت و شوکت سب عطاء شاہ محمود ہے ورنہ اے ایاز تیری حقیقت ایک دن یہی پُرانی گدڑی اور بوسیدہ پوستین تھی۔

عجیب عبرت

اس واقعہ سے مولانا بطور عبرت و نصیحت کے فرماتے ہیں کہ اے لوگو تمہاری حقیقت بھی ایک دن منی کا ایک نجس اور ذلیل قطرہ تھا پھر جس ذات پاک نے اپنی قدرت کاملہ سے اور اپنی عطاء کامل سے اُس ذلیل قطرۂ منی کو انسانیت اور آدمیت کی خلعت بخشی ہے آج اسی ذات پاک کے مقابلے میں خدائی کا دعویٰ کرتا ہے

دہد نطفہ را صورتے چوں پری   کہ کردست بر آب صورت گری

کس ذات پاک نے پانی جیسی پتلی اور بے جان منی پر صورت گری

فرمائی ہے کہ اس کو پری جیسی صورت یعنی انسانیت کا پیکر عطا فرماتا ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

چارقت نطفہ است وخونت پوستین باقی اے خواجہ عطاء اوست ہیں

مولانا فرماتے ہیں کہ ایاز کی طرح ایک دن تجھ پر بھی ابتداءً وہ دن بیتے ہوئے ہیں کہ تیری گدڑی باپ کا ایک قطرہ نجس پانی کا یعنی نطفہ تھا اور تیری پوستین بوسیدہ ماں کا خون حیض تھا۔ باقی آج تو جس احسنِ تقویم کے ساتھ موجود نظر آتا ہے یہ سارے ظاہری و باطنی اعضاء اور ان کی انمول قوتیں سب عطاء خداوندی ہیں۔

اس واقعہ سے کیسی عبرت کی بات حضرت عارف رومیؒ نے بیان فرمائی ہے۔ یہ سارے علوم و فنون کس کام کے جب انسان اپنی حقیقت کو بھی نہ جان سکے اور اپنے پیدا کرنے والے کو نہ پہچان سکے۔

صد ہزاراں فضل دارد از علوم
جان خود را می نداند ایں ظلوم

جان جملہ علمہا این است و ایں
کہ بدانی من کیم در یوم دیں

حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ سینکڑوں علوم اور فنون اس نے حاصل کئے لیکن یہ ظالم خود اپنی جان سے بے خبر رہا۔ تمام علوم کی روح صرف یہ ہے کہ آدمی یہ جان لے کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالے کے سامنے ہماری کیا قیمت ہوگی۔

اگر انسان اپنی پیدائش میں غور کرتا رہے اور

اپنی ابتدائی گدڑی اور پوستین پیش نظر رہے تو ناز اور تکبر پاس نہیں آسکتا اور اپنے اللہ کو پہچان لے گا۔ یعنی جب سوچے گا کہ ہم ایک حقیر شے سے پیدا کئے گئے ہیں تو اپنے تکبر اور ناز سے شرما جاوے گا۔

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اور خود تمہاری ذات میں میری نشانیاں موجود ہیں سو کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا اپنے وجود کو لئے ہوئے ہر وقت چلتے پھرتے ہو آخر تم کہاں سے سنتے ہو یہ تمام کارخانے کس کے بنائے ہوئے ہیں۔

وحدانیت کی بڑی دلیل خود انسان کا وجود ہے

حق تعالیٰ کی بہت بڑی دلیل وحدانیت خود انسان کا یہ مجسمہ ہے جس کو لئے ہوئے ہر وقت چلتا پھرتا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

یَخْلُقُکُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ لَهُ الْمُلْکُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ وہ تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر اور دوسری کیفیت کے بعد تیسری کیفیت پر بناتا ہے اوّل نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ الیٰ آخرہ۔ اور یہ بنانا تین تاریکیوں میں ہوتا ہے ایک تاریکی شکم کی دوسری رحم کی تیسری اس جھلّی کی جس میں بچہ لپٹا رہتا ہے پس خلق مختلف الکیفیت کمال قدرت کی دلیل ہے اور ظلمت ثلٰثہ میں پیدا کرنا کمال علم کی دلیل ہے۔

یہ ہے اللہ تمہارا رب جس کی صفات تم نے ابھی سنیں اسی کی سلطنت

ہے اس کے سوا کوئی لایق عبادت نہیں سو ان دلائل کے بعد تم کہاں پھرے چلے جا رہے ہو (تفسیر بیان القرآن)

حضرت علیؓ کا ایک قول

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو خود ایک کتاب مبین ہے یعنی تو اپنے اندر اللہ کی پہچان کا ایک دفتر لئے ہوئے ہے۔

شکر از نے میوہ از چوب آوری
وازمنی مردہ بت خوب آوری

اے مبدل کردہ خاکے را بزر
خاک دیگر را نمودہ بوالبشر

حضرت عارف رومی رح فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ کی قدرتِ کاملہ نئے سے شکر کو اور درختوں کی شاخوں سے میوہ کو پیدا کرتی ہے اور منی جیسی حقیر ارذل بے جان شے سے عجیب اشرف مخلوق یعنی انسان پیدا کرتی ہے۔ اور آپ اپنے عجیب تصرف سے جس خاک کو چاہتے ہیں سونا بنا دیتے ہیں اور جس خاک کو چاہتے ہیں بشر بنا دیتے ہیں۔

انسان کے اندر تصرّفاتِ الٰہیہ

انسان جو غذا کھاتا ہے تو حلق سے نیچے اتارنے تک تو اس کے اختیار کو دخل ہوتا ہے پھر جب غذا معدہ میں داخل ہوگئی تو اب اس غذا میں کیا کیا تصرفات اور تبدیلیاں ہوتی ہیں انسان کو ان تبدیلیوں کی مطلق خبر نہیں ہوتی کہ ہمارے اندر پھر کیا ہوتا ہے۔ اب حق تعالیٰ کی قدرت پر غور کیجئے کہ اسی غذا سے جسم کے تمام اعضاء کے مزاج

کے مطابق ہر ایک کو الگ الگ غذا پہنچاتے ہیں یعنی لطیف اعضاء کیلئے لطیف اجزاء غذائیہ کو اور کثیف اعضاء کیلئے کثیف اجزاء غذائیہ کو علیحدہ علیحدہ پہنچا دیتے ہیں۔ حکم ہوتا ہے کہ فلاں فلاں غذا کے ذرات تم آنکھوں کی بینائی بن جاؤ۔ فلاں فلاں غذاء کے ذرات تم کانوں کی شنوائی بن جاؤ۔ فلاں فلاں ذرات تم دماغ میں عقل اور فہم بن جاؤ۔ فلاں فلاں ذرات! تم پیشاب اور پاخانہ بن کر نکل جاؤ۔ ہر وقت حق تعالیٰ کی ربوبیت کام کر رہی ہے ہر سانس میں ان کی ربوبیت کا تعلق ہے جب ہم بولتے ہیں تو انھیں کی ربوبیت سے بولتے ہیں جب چلتے ہیں تو انھیں کی ربوبیت سے چلتے ہیں۔

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ میں جو سبق پڑھایا تھا۔ اسی کا ہر وقت تکرار ہو رہا ہے اگر ایک لمحے کو ان کی ربوبیت کا تعلق منقطع ہو جائے تو اسی وقت ہم ہلاک ہو جائیں اور ہمارے عناصر بکھر جائیں ۔ یہ ربوبیت ایسی بدیہی یعنی کھلی ہوئی وحدانیت کی دلیل ہے جس کو ہر وقت ہم اپنے اندر دیکھ رہے ہیں۔ جب ہم سوتے ہیں تو انہیں کی ربوبیت ہم کو سلاتی ہے اور جب جاگتے ہیں تو انھیں کی ربوبیت ہم کو جگاتی ہے۔ جب رُوح نکال لیتے ہیں تو پھر ہم سائنس کے ذریعے کیوں نہیں جلا لیتے اور ہماری زبان رُوح نکلنے کے بعد پھر گویا کیوں نہیں ہو جاتی۔ بڑی بڑے اہلِ سائنس جب سائیں سائیں کر کے مرنے لگتے ہیں تو اپنی رُوح کو جسم میں کیوں نہیں روک لیتے۔ اتنے دلائل سامنے رکھ کر تب فرماتے ہیں۔ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ٥ دیکھتے نہیں ہو کیا؟ یہ تمھارا رب تمھارے سامنے ہے جو تمھاری تربیت کر رہا ہے پس کہاں اُلٹے پاؤں پھرے جاتے ہو

انسان کی غذاؤں میں ربوبیت الٰہیہ

اور انسان جو غذائیں استعمال کرتا ہے ان غذاؤں کو کون پیدا کرتا ہے غذاؤں کے پودوں کی نشو ونما کے لئے پانی کون برساتا ہے پُروا، پچھوا سرد گرم ہوائیں کون چلاتا ہے ایک ہی رنگ کا آسمان سے پانی برساتے ہیں پھر اسی پانی سے پودوں کی جڑوں میں اور غذاء پہنچاتے ہیں تنوں اور شاخوں میں دوسری غذاء پہنچاتے ہیں کلیوں اور پھولوں میں لطیف غذاء پہنچاتے ہیں۔ جڑوں اور تنوں میں اس کے مناسب کثیف غذاء پہنچاتے ہیں۔ پانی کا رنگ تو سفید وشفاف تھا لیکن حق تعالیٰ اپنی عجیب قدرت اور عجیب تصرّف سے سیب میں سیب کا مزہ آم میں آم کا مزہ نیب میں نیب کی تلخی کا مزہ پیدا فرماتے ہیں اسی ایک رنگ کے پانی سے گلاب میں گلاب کی خوشبو چمبیلی میں چمبیلی کی خوشبو پیدا فرماتے ہیں۔ اور ایسا بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ کھجوروں کا خوشہ ایک ہے لیکن اسی ایک خوشہ میں چھوٹی بڑی مختلف رنگ اور مختلف ذائقہ کی کھجوریں ہوتی ہیں کمیت اور کیفیت دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا الوانها۔ کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے۔

پھر ان غذاؤں پر آفتاب اور ماہتاب کو کس نے مقرر کیا ہے کہ وہ اپنی حرارت اور وہ اپنی برودت کے ساتھ پودوں کی نشو ونما میں اوقات مقررہ پر خدمات انجام دیتے رہتے ہیں۔

مختلف السمت ہواؤں میں توحید کی نشانی

وہ کون ذات ہے جو پُروا ہوا کو یک لخت پچھوا ہوا سے تبدیل کر دیتی ہے اتنے بڑے کرۂ ہوا کو یک لخت بدل کر شرقی کو غربی کر دینا جنوبی کو شمالی کر دینا کس کا کام ہے۔ اور جب آندھی آجاتی ہے تو اس وقت کیسی بے بسی کا عالم ہو جاتا ہے کوئی مخلوق اس کو روک نہیں سکتی ۔ زمین میں بیجوں کو پھاڑ کر کون اُن سے شگوفہ نکالتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی۔ ہماری ذات ہے ـــــ علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اُٹھاتا ہے سحاب

کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ آفتاب

کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب (اقبال)

حضرت سعدی شیرازی رح فرماتے ہیں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

اے انسان تیری خدمت میں بادل ہوا چاند سورج آسمان سب بحکم خداوندی اپنے اپنے کاموں کی انجام دہی میں لگے ہیں تاکہ تو جب روٹی ہاتھ میں لے تو غفلت سے نہ کھائے بلکہ یہ سوچکر کھائے کہ جب تیرے واسطے یہ تمام کائنات اور مخلوقات سرگشتہ اور فرمانبردار ہیں تو شرط انصاف

کے خلاف ہے کہ تو اپنے خالق کی فرمانبرداری سے غافل رہے۔

فلسفہ کا قاعدہ مسلمہ فلسفہ کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ کوئی ثقیل شے فضا میں قائم نہیں رہ سکتی۔ مثلاً ڈھیلا زمین سے اوپر پھینکا جائے تو جب تک ہاتھ کی قوت قسریہ کام کریگی ڈھیلا اوپر چلا جائے گا لیکن جسوقت ہاتھ کی قوت ختم ہو جائے گی فوراً ڈھیلا اپنے مرکز طبعی یعنی زمین پر گرا ہوا نظر آئے گا۔

حق تعالیٰ کی عجیب قدرت - اب حق تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ بادلوں میں دریا کا دریا پانی بھرا ہوا ہے اور حکم الٰہی سے ہوا پر اڑ رہے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ حَتّٰیٓ اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۝ (ترجمہ) یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو خشک زمین کی طرف ہانک لیجاتے ہیں پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں پھر اسی پانی سے مختلف قسم کے پھل نکالتے ہیں۔

ہمارے روزمرہ کے مشاہدات ہیں کہ پانی کا برسنا اپنے اختیار میں نہیں ہے جہاں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وہاں برساتے ہیں جہاں نہیں چاہتے وہاں نہیں برساتے۔ انسان اپنی عاجزی اور بے بسی کا ہر وقت مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ جب کسی مقام پر سیلاب آجاتا ہے اسوقت انسان کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی اہل سائنس سیلاب زدہ بستی سے بادلوں کو کیوں نہیں ہانک لے جاتے۔ اسیطرح قحط زدہ علاقوں میں بادلوں کو کیوں نہیں لاکر برسوا لیتے۔ یوں تو دعوے لمبے لمبے ہانکتے رہتے ہیں۔ لیکن جب کسی بلا اور قہر خداوندی میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو سائنس کی بجائے سائیں سائیں کرتے ہوئے ہلاک ہو جاتے ہیں۔

جہاں طوفاں میں پھنسکر سفینہ ڈگمگاتا ہے وہیں قدر خدا و ناخدا معلوم ہوتی ہے

حق تعالیٰ دلائل توحید کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں

ان فی خلق السموٰت والارض واختلاف الیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتہا وبث فیہا من کل دابۃ وتصریف الریح والسحاب المسخر بین السماء والارض لاٰیٰت لقوم یعقلون (پ۲ سورہ بقرہ)

ترجمہ وتفسیر از بیان القرآن ۔ بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں کے چلنے میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں اور اسباب لیکر، اور بارش کے پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس پانی سے زمین کو تر و تازہ کیا اسکے خشک ہوئے پیچھے یعنی اس میں نباتات پیدا کئے اور ان نباتات سے ہر قسم کے حیوانات اس زمین پر پھیلا دیئے کیونکہ حیوانات کی زندگی اور توالد و تناسل اسی غذائے نباتی کی بدولت ہے اور ہواؤں کی سمتیں اور کیفیتیں بدلنے میں کہ کبھی پروا کبھی پچھوا کبھی گرم کبھی سرد اور ابر کے وجود میں جو زمین اور آسمان کے وجود میں مقید اور معلق رہتا ہے ان تمام چیزوں میں توحید کے دلائل موجود ہیں ان لوگوں کے استدلال کے لئے جو عقل سلیم رکھتے ہیں ۔

علماء کیلئے وجود صانع پر عقلی دلیل

اس استدلال عقلی کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ یہ اشیاء مذکورہ سب ممکن الوجود ہیں بعض تو بداہۃً بسبب مشاہدہ وجود بعد العدم کے یا تغیر و تبدل احوال کے اور بعض ترکیب من الاجزاء یا افتقار بعض الی البعض کے اور ممکن بوجہ متساوی الوجود والعدم ہونے کے محتاج ہوتا ہے کسی مرجح کا وہ مرجح اگر ممکن ہے تو اس میں پھر یہی کلام ہوگا تو قطع تسلسل محال کے لئے انتہا واجب ہے کسی واجب الوجود کیطرف یہ تو دلیل ہے وجود صانع کی۔

علماء کیلئے توحید پر عقلی دلیل

آگے اس کا واحد ہونا سو اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر نعوذ باللہ متعدد مثلاً دو معبود فرض کیے جاویں تو ان میں سے کسی کا عاجز ہونا ممکن ہے یا دونوں کا قادر ہونا ضروری ہے۔ شق اول محال کیونکہ عجز منافی ہے وجوب وجود کے اور شق ثانی پر اگر ان میں سے ایک نے کسی امر کا مثلاً ایجاد زید کا ارادہ کیا تو دوسرا اس کے خلاف کا ارادہ کر سکتا ہے یا نہیں اگر نہیں کر سکتا تو اس کا عجز لازم آئے گا جو منافی وجوب وجود کے ہے اور اگر کر سکتا ہے تو اس پر ترتب مراد کا ضروری ہے یا نہیں اگر ضرور نہیں تو تخلف مراد کا ارادہ قادر مطلق سے لازم آئے گا جو کہ محال ہے اور اگر ضروری ہے تو مختلف مرادوں کا اجتماع لازم آوے گا کیونکہ ایک واجب کے ارادہ پر ایک مراد مترتب ہوئی اور دوسرے واجب کے ارادہ پر دوسری مراد اس مراد اول کی ضد مترتب ہوئی اور اجتماع ضدین لازم آیا اور یہ محال ہے اور مستلزم محال کو محال ہے تو تعدد واجب کا محال ہے پس وحدت واجب کی اور وہی مطلوب تھا۔ خوب سمجھ لو اس دلیل کو حق تعالیٰ نے سورہ انبیاء، لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا فسبحٰن اللہ رب العرش عما یصفون میں ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی زمین آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود واجب الوجود ہوتا تو دونوں کبھی کے درہم برہم ہو جاتے کیونکہ عادۃً دونوں کے ارادوں اور افعال میں تزاحم ہوتا۔ اور اس کے لئے فساد لازم ہے لیکن فساد واقع نہیں ہے اس لئے تعدد آلہہ بھی منفی ہے سو ان تقریرات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو کہ مالک عرش عظیم ہے ان امور سے پاک ہے جو کچھ یہ لوگ بیان کر رہے ہیں کہ اس کے اور شرکا بھی ہیں۔

نوٹ:۔ اسلام کے اصول یعنی توحید و رسالت کے مسائل عقلی ہیں جیسا کہ آیت میں یعقلون سے اس طرف اشارہ ہے اور فروع کا عقلی ہونا ضروری نہیں البتہ کسی دلیل عقلی قطعی کے خلاف نہ ہونا ضروری ہے افسوس ہے کہ آجکل نوخیز طبائع ان دونوں

کو مخلوط کر کے عجب چکر میں پڑ جاتے ہیں یعنی فروعات کو بھی عقل سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا نتیجہ و انجام بد دینی ہے۔ (از تفسیر بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ کے وجود پر عام فہم تقریر

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

ام خلقوا من غیر شئی ام هم الخالقون (پ۲۷ سورہ طور)

کیا یہ لوگ بدون کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔

اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے منکرین توحید کو دو باتوں کے اندر ایسا گھیر دیا ہے کہ قیامت تک اس سے نکلنے کا موقع نہیں پا سکتے ہیں۔ یعنی دو ہی صورتیں ہیں یا تو انھوں نے خود ہی اپنے کو پیدا کر لیا ہے یا ان کو کسی نے پیدا کیا ہے۔ کیونکہ پیدا ہونا ایک فعل ہے اور ہر فعل کے لئے کسی فاعل کا ہونا ضروری ہے۔

ظاہر ہے کہ جب انسان ایک وقت میں موجود ہی نہ تھا تو اپنے کو پیدا کیسے کر سکتا ہے کیونکہ پیدا کرنے والے کا وجود تو پیدا ہونے والی چیز سے پہلے ہونا چاہئے۔

ایک ہی شے فاعل ہو اور وہی شے مفعول بھی ہو ایک ہی شے عامل بھی ہو اور وہی معمول بھی ہو ایک ہی شے موقف ہو اور موقوف علیہ بھی ہو ایک ہی شے موثر بھی ہو اور وہی متاثر بھی ہو، ایک ہی شے مخلوق بھی ہو اور وہی اپنی ذات کے لئے خالق بھی ہو یہ عقلاً محال ہے کیونکہ اس صورت میں شی کا اپنی ذات پر مقدم ہونا لازم آتا ہے اور تقدم الشی علی نفسہ محال عقلی ہے۔ اب جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ کوئی مخلوق شے اپنی ذات کے لئے خالق نہیں ہو سکتی ہے۔

تو اب دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش میں سب سے زیادہ اسباب قریبہ کیا ہیں زیادہ سے زیادہ منکرین کہہ سکتے ہیں کہ ماں باپ ہمارے خالق ہیں کیونکہ ہماری پیدائش میں ان کو بڑا دخل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا

پورا پورا علم ہونا ضروری ہے۔ مخلوق کے ہر ایک ذرہ کا اتصال اور انفصال خالق کے احاطۂ قدرت اور علم سے خارج نہ ہونا چاہئے۔ اب ماں باپ کے متعلق غور کرنا چاہئے کہ جس وقت بچہ ماں کے شکم میں نشو و نما پاتا ہے۔ اس نو مہینے کی تربیت کا علم ماں باپ کو ہے یا نہیں۔ کیا ماں باپ کو اس امر کی خبر ہے کہ ماں کے شکم میں منی کے اندر کیا کیا بخیہ گری ہو رہی ہے۔ بچے کا رنگ کیا ہے اور وہ بچہ ہے یا بچی ہے اس کا نقشہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک بچہ ماں کے شکم میں رہتا ہے ماں باپ اس بچہ کی تخلیق سے بالکل بے خبر رہتے ہیں۔ پس ماں باپ کے لئے جب اس مخلوق سے بے خبری اور لاعلمی ثابت ہو گئی تو ان کا خالق نہ ہونا بھی ثابت ہو گیا کیونکہ خالق کے لئے اپنی مخلوق سے بے علمی اور بے خبری عقلاً محال ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر (پ ۲۹ سورہ ملک) بھلا وہی ذات نہ جانے گی جس نے پیدا کیا اور وہ بہت باریک بین اور پورے طور پر اپنی مخلوق سے باخبر ہے۔ اور ماں باپ تو بیچارے خالق ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتے ہیں۔ یہ تو خود ہی اپنی حقیقت اور بے بسی سے آگاہ ہیں۔ کتنے میاں بیوی ایسے موجود ہیں جن کو ماں باپ بننے کی نوبت ہی نہ آئی بڑے بڑے علاج و معالجے کے باوجود اولاد کے لئے ترستے ہی رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح سے بندوں کو دنیا میں عبرت کی باتیں دکھاتے رہتے ہیں۔ فرعون نے انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کیا تھا کہ میں سب سے بڑا رب ہوں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کس بُری طرح تباہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے سوا ہے کون جو خالق ہونے کا دعویٰ کرے۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو عاجز اور محتاج کو اپنا معبود اور خالق تسلیم کر لیتے ہیں میں تو یہ کہا کرتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ جو دعویٰ کرے وہ سامنے آجائے میں اس سے یہ نہ کہوں گا کہ تو آسمان اور زمین پیدا کر دے۔ صرف یہ کہوں گا تو مچھر یا مکھی کا ایک پر بنا دے جس کے

اندر ظاہراً و باطناً فرق نہ ہو۔ دعویٰ بدون دلیل لغو اور جہل محض ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دعویٰ فرمایا ہے کہ میں ہوں اللہ اور پروردگار ہوں سارے جہان کا

ذالکم اللّٰہ ربکم لا الٰہ الا ھو خالق کل شیٔ فاعبدوہ وھو علیٰ کل شیٔ وکیل۔ (پ ۷)

یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہر چیز کا پیدا کرنیوالا۔ تو تم لوگ اس کی عبادت کرو۔ کیونکہ جب خالق بھی وہی علیم بھی وہی وکیل بھی وہی تو یہ سب امور مقتضی ہیں اس امر کے کہ معبود بھی وہی ہو۔

نیز جس رسول سے حق تعالیٰ دعوئ الوہیت کا اعلان فرماتے ہیں تو اس رسول کو ایک ایسی انوکھی چیز بھی عطا فرماتے ہیں جس کا سارا جہاں مقابلہ نہیں کر سکتا ہے چنانچہ ہر زمانہ میں جس فن کا بہت عروج تھا اسی فن کے مقابلہ میں حق تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کو ایسا معجزہ بھی عطا فرمایا جس کے مقابلے سے لوگ عاجز ہو گئے اور رسول کو یہ معجزہ اسی لئے دیا جاتا ہے کہ جب لوگ اس معجزہ کا مثل نہ لا سکیں اور اپنی عاجزی اس معجزہ کے مقابلہ میں دیکھ لیں تو ایمان لائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگروں کا بڑا زور تھا حق تعالےٰ نے فرعون کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسا عصا عطا فرمایا جو اژدہا بن کر جادوگروں کی تمام ان رسیوں اور لاٹھیوں کو کھا گیا جو نظر بندی سے سانپ اور بچھو معلوم ہو رہی تھیں جادوگروں نے غور کیا کہ جادو میں یہ اثر باعتبار فن سحر کے ہو ہی نہیں سکتا ہے جادو تو درحقیقت نظر بندی ہے۔ جادو میں اتنا دم کہاں کہ وہ شے کی حقیقت کو بدل دے اور یہ عصا جب اژدہا بنا تو درحقیقت یہ اژدہا ہو گیا اور اس نے ہماری تمام ان رسیوں اور لاٹھیوں کو جن کو ہم نے نظر بندی سے سانپ اور بچھو کی شکل

یں کر دکھایا تھا نگل گیا پس یقیناً یہ شان معجزہ ہی کی ہے جو رسولوں کو دیا جاتا ہے۔ پس جادوگروں نے جب اپنی عاجزی کو کھلی آنکھوں مشاہدہ کر لیا اور جادو و معجزہ کا فرق خوب سمجھ میں آگیا تو سجدے میں گر گئے کیونکہ ان کو یقین آگیا کہ یہ یقیناً جادو نہیں ہے اور مقابلہ جادو کا ممکن ہے نہ کہ معجزہ کا۔ پس سامنے کے سارے جادوگر بول اٹھے کہ ہم سب کے سب ایمان لائے۔

قالوا اٰمنّا برب العالمین ۝ رب موسیٰ وھارون۔ — ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔

موسیٰ اور ہارون کا رب اس لئے کہا کہ فرعون مردود کہیں اپنے متعلق نہ سمجھ جائے کہ یہ لوگ میرے اوپر ایمان لائے ہیں۔ کیونکہ فرعون بھی اپنے کو رب اعلیٰ کہتا تھا۔ فرعون بڑا غضبناک ہوا اور جادوگروں کو ڈانٹا کہ تم لوگ بدون ہماری اجازت کے موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئے معلوم ہوتا ہے کہ تم سبھوں کے موسیٰ (علیہ السلام) استاد تھے۔ اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے۔ ابھی میں تمھارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا۔ جادوگروں نے جواب دیا کچھ حرج نہیں لا ضیر انا الیٰ ربنا منقلبون کچھ حرج نہیں ہم اپنے مالک کے پاس پہنچ جائیں گے۔

انا نطمع ان یغفرلنا ربنا خطٰینا ان کنا اوّل المومنین ۝ — ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کر دیگا اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے (ادب باشرف)

اسی کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں۔

صد ہزاران نیزۂ فرعون را ❊ در شکست آں موسیٰ با یک عصا

ترجمہ:- صد ہزار فرعونی نیزوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک عصا نے توڑ کر رکھدیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فن طِب کا بڑا عروج تھا۔ جالینوس وغیرہ کا بڑا شہرہ تھا حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسا معجزہ عطا فرمایا کہ قبروں پر آپ کھڑے ہو کر قم باذن اللہ فرماتے اور مردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جاتے۔ اور جس وقت حق تعالیٰ کے حکم سے آپ بے باپ کے پیدا ہوئے تو لوگوں نے کہا اے مریم تم نے بڑے غضب کا کام کیا اے ہارون کی بہن تمہارے باپ کوئی بُرے آدمی نہ تھے اور نہ تمہاری ماں بدکار تھیں پس مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کر دیا وہ لوگ کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسے شخص سے کیونکر باتیں کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کی گود سے ارشاد فرمایا۔

انی عبد اللہ ط اٰتٰنی الکتاب وجعلنی	میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھکو نبی بنایا اور
نبیا وجعلنی مبٰرکا این ما کنت و	مجھکو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں
اوصٰنی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت	اور مجھکو میری والدہ کا خدمت گذار بنایا
حیاً ۵ وبرًا بوالدتی ولم یجعلنی جبارًا	اور اس نے مجھکو سرکش بدبخت نہیں
شقیا ۵ پ۱۶	بنایا۔

فائدہ (از تفسیر بیان القرآن) (۱) میں اللہ کا بندہ ہوں یعنی نہ تو اللہ ہوں جیسا جہلاء نصاریٰ سمجھیں گے اور نہ غیر مقبول ہوں جیسا یہود سمجھیں گے۔

(۲) اس نے مجھکو کتاب دی یعنی انجیل دی اور گویہ کتاب آئندہ اللہ تعالیٰ دیگا مگر بوجہ یقینی ہونے کے ایسا ہی ہے جیسے کہ دیدی۔

(۳) اور اس نے مجھکو نبی بنایا یعنی بنا دے گا۔

(۴) اور مجھکو برکت والا بنایا یعنی مجھ سے خلق کو دین کا نفع پہنچے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس کوڑھی اور مادر زاد اندھے پر دم فرما دیتے وہ کوڑھی اسی وقت صحت یاب اور وہ نابینا فوراً بینا ہو جاتا۔ پس اس وقت کے حکمائے یونان حیرت زدہ ہو گئے کیونکہ فن طب سے ان حیرت انگیز باتوں کا کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اعلان فرما دیا

انی قد جئتکم بآیۃ من ربکم	میں تم لوگوں کے پاس اپنی نبوت اور اس دین
انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ	خداوندی کی حقانیت کی کافی دلیل لیکر آیا ہوں
الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً	وہ یہ کہ میں تم لوگوں کے لئے گارے سے ایسی
باذن اللہ وابرئ الاکمہ و	شکل بناتا ہوں جیسی پرندوں کی شکل ہوتی ہے
الابرص واحی الموتی باذن اللہ	پھر اسکے اندر پھونک مار دیتا ہوں جس سے وہ پرندہ بن جاتا

ہے خدا کے حکم سے اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے۔

اسی کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں

صد ہزاراں طب جالینوس بود ؎ پیش عیسیٰ و دمش افسوس بود

ترجمہ :- صد ہزاراں طب جالینوس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک پھونک کے سامنے۔ سر در گریباں ہو گئیں۔

حضور صلعم کا معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شعر و شاعری فصاحت و بلاغت کا اتنا عروج ہوا کہ اہلِ عرب تمام ممالک کو اپنے مقابلے میں عجم (یعنی گونگا) کہنے لگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا فصیح اور بلیغ کلام کا معجزہ عطا فرمایا جس نے تمام فصحار عرب کو حیرت زدہ اور عاجز کر دیا۔ اور کیوں نہ عاجز ہوتے اللہ کا کلام تھا کوئی معمولی بات تھی؟ میاں کی بولی کون پا سکتا ہے۔ یوں تو انھیں حروف الف۔ با۔ تا۔ ثا سے بنے ہوئے جملے ہم بھی بولتے ہیں مگر قرآن کے الف با تا ثا

اور ہیں۔ قرآنی الف، با، تا، ثا اپنے اندر انوار الٰہیہ لئے ہوئے ہیں۔ قرآن کے الف با، تا، ثا دوسرے عالم کے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآنی حروف سے بنے ہوئے جملے اپنی مثل لانے سے تمام مخلوق کو عاجز کر دیتے ہیں۔ حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

نور خورشیدم فتادہ بر شما　　لیک از خورشید ناگشتہ جدا

مولانا فرماتے ہیں کہ قرآن اللہ کا نور ہے اور عجیب مثال سے مولانا توضیح فرماتے ہیں کہ جس طرح آفتاب کا نور سارے عالم میں روشنی پہنچاتا ہے لیکن آفتاب کا یہ نور آفتاب کی ٹکیہ سے جدا نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن حق تعالیٰ کا نور ہے اور ہر طالب نور پر اپنا فیض پہنچا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ سے جدا بھی نہیں ہے۔ حضرت عارف رومیؒ نے اپنے شعر میں اس مثال سے بہت باریک اور نازک مسئلہ قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا حل فرما دیا۔

قرآن نازل ہونے سے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات چالیس برس تک اہل عرب کو دکھائی کہ یہ میرا رسول ہے۔ اے اہل عرب! تم لوگ ظہور نبوت سے پہلے میرے رسول پاک صلعم کا بچپن دیکھ لو کہ ایسا بچہ روئے زمین پر کبھی نہیں پیدا ہوا اور نہ پیدا ہوگا اور اے اہل عرب! میرے رسول ؐ کی جوانی بھی دیکھ لو کہ ایسا جوان روئے زمین پر نہ پیدا ہوا ہے نہ پیدا ہوگا۔ ہمارے رسول ؐ کو ایک دو دن دیکھ کر فیصلہ مت کرو۔ چالیس برس تک ہم تم کو اپنا رسول ؐ دکھائیں گے یہاں تک کہ میرے رسول ؐ کی صداقت اور امانت کا مکہ کی ہر ہر گلی میں ہر ہر گھر میں چرچا ہونے لگے کہ ھذا اصدق و امین یہ شخص یعنی محمد صلعم بڑے سچے اور بڑے امین ہیں فعول اور فعیل دونوں صیغے مبالغے کے لئے آتے ہیں یعنی بہت بڑے سچے اور بہت بڑے امانت دار آپؐ سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے مگر اس سے اور نبیوں کی صداقت اور امانت کی تنقیص مراد نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ

آپ کی صداقت کے افراد کا حلقہ بہت وسیع ہے اتنا وسیع ہے کہ اس کا احاطہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ آپ تمام عالم کے انسانوں اور جنوں کے لئے رسول ہیں اور پچھلے انبیاء علیہم السلام کا حلقہ محدود تھا۔

اے عرب کے بچو! تم بھی میرے رسولؐ کو دیکھو تاکہ کل جب تم ادھیڑ عمر میں محمدؐ سے ظہور نبوت دیکھو تو جھٹلا نہ سکو اور اے عرب کے جوانو! تم بھی میرے رسولؐ کو دیکھو تاکہ کل جب بوڑھے ہو کر اعلان نبوت محمدؐ سے سنو تو انکار کی تمہیں کوئی گنجائش نہ رہے

اے عرب کے بچو! جوانو! اور بوڑھو! تم لوگوں نے چالیس برس تک میرے رسولؐ کی صداقت اور امانت کو دیکھا کہیں تم کو حرف رکھنے کی گنجائش بھی نہ ملی بلکہ تمہارے ہر فرد کی زبان سے میں نے اپنے رسولؐ کے اخلاق حسنہ کو دکھلا کر یہ کہلوا لیا کہ ھذا صدوقٌ امین احمد صلے اللہ علیہ وسلم تو بڑے سچے اور بڑے امانت دار ہیں اے عرب کے بوڑھو! تم لوگ میرے رسولؐ کی عقل اور فہم کو عام انسانوں سے ممتاز پانے کے سبب اپنے معاملات میں میرے رسولؐ کو حَکم بناتے ہو اور ان کی صداقت اور امانت کی بناء پر ان کے فیصلے پر بالاتفاق خوشی خوشی عمل کرتے رہے ہو۔ اور اے اہل عرب تم نے دیکھا ہے اور خوب دیکھا ہے کہ میرے رسولؐ نے کسی کے سامنے کتاب نہیں کھولی ہے نہ کسی مکتب و مدرسہ میں قدم رکھا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

وما کنت تتلوا من قبلہٖ من کتاب	آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے
ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب	اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی
المبطلون۔	حالت میں ناحق شناس لوگ کچھ شبہ نکالتے۔

چالیس برس تک دکھانے کے بعد اب ہم اپنے رسولؐ کی رسالت اور نبوت کا اعلان کرتے ہیں اور جس فصاحت اور بلاغت پر اے اہل عرب! تم نازاں ہو ہم اپنے امی اُمّی یعنی ان پڑھ رسولؐ سے تمہارا ناز توڑیں گے۔ کیونکہ اس امّی رسولؐ کا میں معلّم

ہوں الرحمٰن علم القرآن آپ کو رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی ہے۔ رحمٰن کی تعلیم کے فیض سے میرا رسولؐ رحمۃ للعالمین ہے اور میرے رحمۃ للعالمین کی تعلیم کے فیض سے میرے رسول صلعم کے اصحابؓ رحماء بینھم ہیں، میری رحمت یہاں سے وہاں تک پھیل گئی ہے۔

اے عرب کے فصحا اور بلغاء، اور اے عرب کے زباندانو! تم کو ناز ہے کہ ہم اہل لسان ہیں آؤ میرے اس اُمّی رسولؐ کے مقابلے میں۔

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق ؛ اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

میرا رسول اُمّی میری بولی سیکھے ہوئے ہے تم کس کھیت کی مولی ہو جو مقابلے میں آؤ گے۔

تو ندیدی گہے سلیماں را ؛ چہ شناسی زبان مرغاں را

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست ؛ کتب خانۂ چند ملت بشست

یہ وہ یتیم ہے کہ جس پر ابھی پورا قرآن نہیں اترا ہے لیکن تمام مذاہب سابقہ کی آسمانی کتابوں کو منسوخ کر دیا۔ نہ اب توریت کے حکم پر عمل ہوگا نہ اب انجیل کے حکم پر عمل ہوگا حق تعالیٰ نے اعلان فرمادیا کہ اے اہل عرب

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین ٥ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا

ترجمہ وتفسیر از بیان القرآن۔ اور اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہے (کیونکہ آج تم بھی عربی زبان دان ہو بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تو مشاق بھی نہیں ہیں اور تم مشاق ہو جب باوجود اس کے نہ بنا سکیں گے تو بشرط انصاف بلا تامل ثابت ہو جاوے گا کہ یہ معجزہ منجانب اللہ ہے اور بلاشبہ آپ پیغمبر ہیں اور یہی مقصود تھا) اور بلالو اپنے حمائتیوں کو

الناس والحجارۃ جو خدا سے الگ تجویز کر رکھے ہیں اگر تم سچے ہو پھر تم اگر یہ کام نہ کر سکو
اعدت للکافرین۔ اور قیامت تک نہ کر سکو گے تو پھر ذرا بچتے رہیو دوزخ سے جس
کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار ہوئی رکھی ہے کافروں کے واسطے

فائدہ اور قیامت تک بھی نہ کر سکو گے۔ کیسا کچھ جوش وخروش اور پیچ وتاب نہ آیا ہوگا اور کوئی دقیقہ سعی کا کیوں اٹھا رکھا ہوگا۔ پھر عاجز ہو کر اپنا سامنہ لیکر بیٹھ رہنا قطعی دلیل ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے اور یہ امر عادۃً محال ہے کہ کسی نے قرآن کے مقابلے میں کچھ لکھا ہو اور گم ہو گیا ہو۔ کیونکہ قرآن مجید کے حامی ہر زمانے میں کم رہے ہیں جب یہ محفوظ چلا آتا ہے تو اس مخالف تحریر کے حامی و مددگار تو قرآن کی مخالفت میں ہر زمانہ میں حامیان قرآن سے تعداد میں زائد ہی تھے تو وہ تحریر کیسے ضائع ہو سکتی ہے اس لئے یہ احتمال کہ کسی عرب کافر نے کسی آیت قرآنی کے مقابلہ میں کچھ لکھا ہوگا اور وہ تحریر گم ہو گئی ہو بالکل لغو اور خلاف عقل ہے (از بیان القرآن پ۱)

چالیس برس کے بعد ظہور نبوت میں بڑے اسرار ہیں جن کی پوری خبر حق تعالےٰ ہی کو ہے اس مقام کے مناسب ایک حکمت یہ بھی ہے کہ چالیس برس تک حق تعالےٰ شانہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کا مشاہدہ کرایا انک لعلیٰ خلق عظیم (الآیۃ) بیشک آپ خلق عظیم پر ہیں۔ علیٰ آتا ہے استعلاء کے لئے اسی لئے اردو میں علی کا ترجمہ پر سے کیا جاتا ہے۔ پس اس آیت کا یہ مفہوم ہوا کہ خلق عظیم ایک سواری ہے جس پر آپ شہسوار ہیں جس طرف چاہتے ہیں ہر خلق کی باگ کو پھیر دیتے ہیں یعنی تمام اخلاق حسنہ پر آپ کو ایسا رسوخ علی وجہ الکمال حاصل تھا کہ کوئی خلق سرمو حد اعتدال سے جنبش نہیں کر سکتا تھا کیا مجال کہ سرمو آگے بڑھ سکے یا پیچھے ہٹ سکے۔ جہاں چاہا وہیں سے باگ پھیر دی۔ اس آیت کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عجیب جامع تعریف حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے۔

اے اہل عرب! چالیس برس تک تم لوگوں نے اپنے معاملات میں میرے

رسولؐ کی صداقت و امانت کا مشاہدہ اور تجربہ کیا ہے جس کا مقتضا تو یہ تھا کہ میرے رسولؐ کی اعلانِ رسالت پر تمھارے دلوں میں کھٹک نہ ہونی چاہئے تھی لیکن پھر بھی اگر کجروی سے انکار کرتے ہو تو قرآن کا معجزہ دیکھ کر ایمان لاؤ کیونکہ جب قرآن کے مقابلے سے تمام مخلوقات جن و انس عاجز ہیں اور قیامت تک عاجز رہیں گے تو کھلی بات ہے کہ یہ خالق کا کلام ہے۔

ہر نبی کو وقتی معجزہ دیا جاتا تھا کیونکہ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی جب مبعوث ہوتا تھا تو اس آنے والے پیغمبر کو اس وقت کے مناسب دوسرا معجزہ عطا فرمایا جاتا تھا لیکن چونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اس لئے آپکو ایسا معجزہ دیا گیا جو قیامت تک باقی رہے گا وانا لہ لحافظون اور حق تعالےٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی ہے چنانچہ روئے زمین پر کروڑہا انسانوں کے سینوں میں یہ قرآن مجید محفوظ رہتا ہے۔ پس قیامت تک یہ معجزہ قرآن کا ہر انسان پر حجت ہے کہ وہ عاجز ہو کر ایمان قبول کرے۔ حضرت عارفؒ فرماتے ہیں

زہرہ نے کس را کہ یک حرفے ازاں ۔۔۔ یا بدزدد یا فزاید در بیاں

ترجمہ:۔ کسی کا پتہ نہیں کہ ایک حرف قرآن سے چرا سکے یا ایک حرف قرآن میں بڑھا سکے۔

اور صاحب قصیدہ بردہ فرماتے ہیں۔

دامت لدینا ففاقت کل معجزۃ ؛ من النبیین اذجاءت ولم تدم

ترجمہ:۔ قرآن کی آیات مبارکہ ہمارے پاس ہمیشہ رہیں گی اس لئے یہ معجزہ اور انبیاء علیہم السلام کے معجزوں سے فائق اور برتر ہو گیا۔ اور کیوں نہ ہوتا جبکہ آپ تمام نبیوں کے سردار ہیں تو آپ کا معجزہ بھی ایسا ہے جو تمام معجزوں کا سردار ہے۔

عجیب اللہ کی قدرت ہے کہ قرآن کے مقابلے میں جو آیا وہ ایسا بدحواس اور

اور از خود رفتہ ہوا کہ جو کچھ اس نے کہا وہ لعبۂ اطفال سی بھی قدر نہیں رکھتا چنانچہ مسیلمہ کذاب نے الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل کے مقابلے میں کہا الفیل ما الفیل عنقہ قصیرٌ وذنبہ طویل اور کہتا تھا کہ مجھ پر یہ وحی آئی ہے۔ اس عبارت پر خود فصحاءِ عرب ہنس پڑے اور اس کی اس حرکت کا مذاق اڑ گیا بھلا یہ مضمون بھی کلامِ الٰہی ہو سکتا ہے کہ ہاتھی۔ کون ہاتھی جس کی سونڈ چھوٹی اور دُم لمبی۔ استغفر اللہ۔

عرب کا فصیح اور بلیغ فرد ابن مقنع نامی شخص جو افصح العرب کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ چند آیات قرآنیہ کے مقابلہ میں اس نے بھی کچھ لکھا لیکن جب کسی قاری سے قرآن پاک کی یہ آیت سُنی۔

وقیل یا ارض ابلعِی ماءکِ ویسماءُ اقلعِی وغیض الماءُ وقضی الامرُ۔	اور حکم ہو گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور لے آسمان تھم جا اور پانی گھٹ گیا اور قصہ ختم ہوا۔

اس آیت کا تعلق واقعہ طوفان حضرت نوح علیہ السلام سے ہے۔ ابن مقنع افصح العرب اس آیت کو سُنکر نادم ہو گیا اور شرمندگی کے ساتھ اقرار کیا کہ بخدا قرآن کی فصاحت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔ ایک ان پڑھ رسولؐ کی زبان سے قرآن کے کلمات کی فصاحت و بلاغت سُن کر عرب کے زبان دانوں کی آنکھیں کھل گئیں کہ اللہ اکبر یہ فصاحت و بلاغت ایک امی کی زبان سے اور پھر مضامین کیسے کیسے ہیں یہ ایسے ان پڑھ رسولؐ ہیں کہ علماء یہود کو توریت کی باتیں سُنا کر یہودیوں کو حیرت میں ڈال رہے ہیں۔ یہ ایسے ان پڑھ رسولؐ ہیں کہ انجیل کی باتیں سنا کر نصاریٰ کو مبہوت کر رہے ہیں۔ یہ ایسے ان پڑھ رسولؐ ہیں کہ صحف موسیٰ وصحف ابراہیم کی باتیں سُنا رہے ہیں۔ ایک ان پڑھ رسولؐ کی زبان سے میاں نے اپنی بولی بول کر تمام علماء یہود و نصاریٰ کا علمی پندار اور سارے عرب کا زبان دانی کا ناز خاک میں ملا دیا اور معجزے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب

اس کے مقابلہ سے ساری مخلوق عاجز ہو تو اس کو خالق کی طرف سے جان کر اپنے خالق پر ایمان لے آئے۔ اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں

صد ہزاراں دفتر اشعار بود　　پیش حرف امیش آن عار بود

ترجمہ :- فصحاء عرب کے پاس فصیح اور بلیغ اشعار کے لاکھوں دفتر موجود تھے لیکن اُس اُمّی رسول کے ایک حرف کے سامنے تمام دفتر کے دفتر اشعار کے ذخیرے شرمندہ ہو کر رہ گئے۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے خالق اور پروردگار عالم ہونے کا یقین کرنا عقلاً ضروری ہے یعنی جب پیغمبروں کے معجزوں کے مقابلہ سے تمام مخلوقات انفراداً اور اجتماعاً عاجز ہیں تو عقل یہ کہتی ہے کہ ضرور کوئی ایسی ذات ہے جو ان مخلوقات پر غالب اور قادر اور حکمران ہے۔ اور یہ رسول صورت میں بشر ہے مگر عام انسانوں سے ممتاز ہے یہ مثلیت ایسی ہے جیسے کہ ایک گلاس سڑی مٹی کا بنا ہو اور ایک گلاس چاندی کا بنا ہو اور اسی سانچے کا ایک گلاس تمام انمول جواہرات کو گلا کر ڈھال دیا گیا ہو تو وہ سڑی مٹی سے بنا ہو گلاس اگر یہ کہے کہ یہ جواہرات سے ڈھلا ہو گلاس بھی ہماری طرح ایک گلاس ہے تو انتہائی بے وقوفی کی بات ہوگی سڑی مٹی والا گلاس ذرا اپنا دام بازار میں لگوالے اور پھر اس انمول جواہرات والے گلاس کا دام لگوالے اس کو تو دو پیسے دام ملیں گے اور اس گلاس کی قیمت سلطان وقت بھی نہیں دے سکتا ہے۔

گر بصورت آدمی انساں بدے　　احمد و بوجہل ہم یکساں شدے

پس عام انسانوں میں اور رسول میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ نبی کا خمیر نورانی ہوتا ہے حق تعالیٰ اپنے خاص انوار کو بشریت کے سانچہ میں ڈھالدیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اندر معصیت کا تقاضا اور داعیہ تک نہیں ہوتا۔ معصوم فطرت پر مبعوث ہوتے ہیں اور ولی کے اندر تقاضا گناہ کا ہوتا ہے لیکن تقاضا

معصیت پر عمل کرنے سے اسکو محفوظ رکھا جاتا ہے اگر وہ واقعی ولی ہے۔

انبیا، علیہم السلام اپنی نورانی فطرت اور نورانی خمیر ہی کے سبب نور وحی الٰہی کا تحمل کر لیتے ہیں چونکہ علم الٰہی میں وہ پہلے سے منتخب ہوتے ہیں اسلئے ان کی آفرینش کے وقت ہی سے ان کی خصوصی تربیت ہوتی ہے کیونکہ یہ سرکاری اور درباری لوگ ہیں ان پر میاں کی نظر دوسری ہوتی ہے پیغمبروں کو جنس بشر سے مبعوث فرمانے کی مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک حکمت بیان فرماتے ہیں۔

زاں بود جنس بشر پیغمبراں ؛ تا بجنسیت رہند از ناوداں

یعنی اس واسطے بشر کی جنس سے پیغمبروں کو بھیجتے ہیں تاکہ جنسیت کے سبب دوسرے انسان ناوداں کفر اور شرک سے نکل آئیں کیونکہ اپنے ہمجنس کی طرف مائل ہونا ایک فطری امر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر عام فہم تقریر دلیل اول بفرض محال ایک خدا کی بجائے اگر متعدد خدا مثلاً دو تسلیم کر لئے جاویں تو اب یہ سوال ہوگا کہ یہ دونوں خدا اپنے ارادوں پر قادر مطلق ہوں گے یا نہیں اگر نہیں تو خدا کا غیر قادر ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے اور اگر دونوں قادر ہیں تو مثلاً ایک خدا نے زید کو پیدا کرنا چاہا اور دوسرے خدا نے زید کو نہ پیدا کرنا چاہا۔ اور دونوں صاحب قدرت ہیں پس نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں خداؤں میں جنگ چھڑ جاوے گی اور زمین و آسمان سب تباہ و برباد ہو جاویں گے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ

لو کان فیهما اٰلهةٌ الا اللہ لفسدتا — اگر آسمان اور زمین میں کئی معبود یعنی خدا ہوتے تو زمین اور آسمان دونوں درہم برہم ہو جاتے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ دونوں خدا آپس میں صلح اور مشورے سے کام کر لیا کریں تو یہ فساد نہ عارض ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صلح و مشورہ کی احتیاج

اور ضرورت خدا کے لئے کیوں پڑی۔ صلح تو اسی وقت کی جاتی ہے جب کوئی اپنے مخالف پر غلبہ پانے سے مجبور اور عاجز ہو جاتا ہے۔ اور عاجز ہونا یا محتاج ہونا خدا کی شان کے خلاف ہے۔

پس یہ بات ثابت ہوئی کہ متعدد خدا کا ہونا عقلاً محال ہے۔

دلیل ثانی۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر متعدد خدا ہوتے تو جس وقت ہر زمانے میں انبیاء علیہم السلام ایک خدا ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ اور ان کے معجزوں کے مقابلے سے ساری مخلوق انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے عاجز ہوتی ہے اس وقت اگر کوئی اور خدا موجود ہوتا تو اس رسول کے مقابلہ میں اپنی قدرت کو ضرور استعمال کرتا کیونکہ اس صورت میں اس دوسرے خدا کی سخت توہین ہے بلکہ جڑ ہی سے اس کی خدائی کا پتہ کٹ جاتا ہے۔ پس اس وقت میں پورے غیظ و غضب کے ساتھ وہ دوسرا خدا پیغمبر توحید کو اعلان جنگ کرتا۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ معجزہ رسول کے مقابلہ میں کسی جھوٹے خدا نے کبھی فتح پائی ہو۔ اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

صد ہزاران نیزۂ فرعون را — در شکست آں موسیٰ با یک عصا
صد ہزاران طب جالینوس بود — پیش عیسیٰ و دمش افسوس بود
صد ہزاراں دفتر اشعار بود — پیش حرف امیش آں عار بود

آج بھی قرآن کا معجزہ موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ قرآن کا جس وقت اعلان ہوا کہ لاؤ اس کلام کے مثل ایک محدود ٹکڑا۔ اور اپنے حمایتیوں کو بھی جمع کر لو اور قیامت تک تم ایسا نہ کر سکو گے۔ ظاہر ہے کہ یہ مواقع ایسے نہیں تھے کہ دوسرا خدا باوجود قدرت کاملہ کے خاموش رہتا۔ اس وقت میں ایسی لاگ پیدا ہو جاتی کہ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا کیونکہ توحید کا اعلان

تمام باطل معبودوں کے لئے اعلان جنگ ہے۔ پس قرآن کا مثل کسی کا نہ لا سکنا اللہ تعالےٰ کے وجود پاک کی اور وحدانیت کی اور رسالت کی کھلی دلیل ہے

حق تعالیٰ کے تصرفات عجیبہ نیز روئے زمین پر حق تعالیٰ شانہ کے تصرفات عجیبہ اور ان کی نشانیاں اتنی پھیلی پڑی ہیں کہ ہم ان کا احاطہ و شمار نہیں کر سکتے ہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وفی الارض آیاتٌ للموقنین — اور یقین لانیوالوں کیلئے زمین میں بہت سی نشانیاں

وفی انفسکم افلا تبصرون — ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی تو تم کو دکھائی نہیں دیتا

اندھے ہو کیا سوجھائی نہیں دیتا ہے کہ اتنا بڑا انسانی پیکر لئے ہوئے چلتے پھرتے اور بولتے ہو۔ کون تم کو چلاتا پھراتا ہے اور کون تم کو بلاتا ہے۔ اِنسان اتنا بڑا اپنا وجود لئے ہوئے جو چلتا پھرتا اور بولتا ہے تو یہ خود مجسم حق تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے کیونکہ مٹی کا چلنا پھرنا کلام کرنا عجیب قدرت کی نشانی ہے۔

انسان جو غذائیں استعمال کرتا ہے تو ہر لقمہ میں جسم کے ہر ہر اعضاء کی غذاء مخلوط ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس لقمہ میں جہاں جہاں کی غذائیں ہوتی ہیں وہاں وہاں ان کو پہنچاتے ہیں کیا مجال کہ آنکھوں کی غذا کانوں میں پہنچ جائے یا کانوں کی غذا آنکھوں میں پہونچ جائے۔ آنکھوں کی بینائی بننے والی غذا کو آنکھوں میں، کانوں کی قوت سماعت بننے والی غذاء کو کانوں میں، قوت ذائقہ اور قوت گویائی بننے والا غذاء کو زبان میں۔ سونگھنے کی قوت بننے والی غذاء کو ناک میں عقل اور فہم بننے والی غذاء کو دماغ میں الغرض جہاں کی جو غذاء ہوتی ہے حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کو وہیں پہنچاتے ہیں مجال نہیں کہ سر مو اس میں فرق ہو جائے مثلاً بینائی والی غذاء کان میں پہنچ جائے اور کان دیکھنے لگے اور سماعت والی غذا آنکھوں میں آجائے اور آنکھیں سننے لگیں۔

اسی طرح سونگھنے کی قوت بنتے والی غذا ناک میں پہنچکر قوت شامہ بن جائے یہ خدائی حدبندی ہے جس کو ہم خدائی چک بندی کہتے ہیں۔ کتنا بڑا کارخانہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر رکھا ہے۔ انسان صرف اپنے ہی اندر اگر غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے خود اپنے وجود کو بہت بڑی نشانی پائے گا۔

یہ حق تعالیٰ ہی کی قدرت ہے کہ اتنے بڑے انسان کو منی کی ایک بوند میں اس طرح سمو دیتے ہیں کہ ماں باپ کا نقشہ ان کی چال ڈھال اُن کے لب و لہجے کی کیفیت تک جنین میں آجاتی ہے۔ عجیب اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور عجیب ان کا تصرف ہے کہ ایک بوند منی میں انسان کی اتنی بڑی کمیت کیفیت سمیت سمو دیتے ہیں۔ "سمندر سمایو بند ماں اچرج بڑو دکھائے"۔

اکبر الہ آبادی خوب فرماتے ہیں۔

مری ہستی ہے خود شاہد وجود ذات باری کی ٭ دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

نور اور ظلمت دو متضاد چیزیں ہیں اور عادۃً دو متضاد چیزوں کا جمع ہونا محال ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت عجیبہ نے آنکھوں کی سیاہی میں بینائی کی روشنی کا خزانہ رکھدیا ہے۔

درسواد چشم چندیں روشنی ٭ درج در خوفے ہزاراں ایمنی

ترجمہ:۔ خوف کے اندر ہزاروں امن درج ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ان الذین یخشون ربھم بالغیب لھم مغفرۃ واجرٌ کبیر بیشک جو لوگ اپنے رب سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے

ہر کہ ترسد از حق و تقوی گزید ٭ ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور پرہیزگاری اختیار کرتا ہے اس سے تمام جن و انس اور جو بھی اس متقی کو دیکھے سب ڈرتے ہیں۔ پس ایک خوف اللہ تعالیٰ کا دونوں

جہان کا امن اپنے اندر لئے ہوئے ہے حالانکہ خوف اور امن دو متضاد چیزیں ہیں اور اجتماع ضدین عقلاً محال ہے۔ اسی طرح نور اور تاریکی اگرچہ دو متضاد چیزیں ہیں لیکن حق تعالیٰ کی عجیب قدرت اور ان کا عجیب تصرف ہے کہ خوف میں امن اور آنکھ کی سیاہی میں نور کو جمع فرما دیتے ہیں۔

پیپل کا درخت کس قدر قد و قامت رکھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اتنے عظیم القامت درخت کو اس کے ننھے سے بیج میں سمو دیتے ہیں۔ چنانچہ جب اس کے بیج کو زمین میں حق تعالےٰ نشو و نما دیتے ہیں تو اسی ننھے سے بیج کے پیٹ سے اس کی تمام جڑیں، تنہ شاخیں، پتے پھول پھل سب کے سب خارج میں موجود ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح لوہا اور پتھر باہر سے تاریک و بے نور ہے۔ لیکن ان کے اندر حق تعالیٰ کی قدرت نے روشنی اور آگ رکھدی ہے چنانچہ چقماق جو ایک قسم کا پتھر ہے اس سے آگ کا نکلنا ظاہر ہے اور حق تعالیٰ کی عجیب قدرت اور انکا عجیب تصرف نجاستوں کو سبب آرائش او رسبزہ زار کر دیتا ہے چنانچہ ان کے کرم کا آفتاب نجاستوں پر اپنی شعاعیں ڈالتا ہے اور آفتاب کے نور کو اس نجاست سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

من نگردم پاک از تسبیح شاں ؛ پاک ہم ایشان شوند و درخشاں

میں اپنے بندوں کی پاکی بیان کرنے سے پاک نہیں ہوتا ہوں میں تو ازلی ابدی پاک ذات ہوں البتہ یہ میرے گنہگار بندے میری پاکی بیان کرنے سے گناہوں کی آلائش اور گندگی سے پاک ہو جاتے ہیں پس آفتاب کی روشنی اور حرارت نجاستوں کے بعض حصے کو خشک کرکے اس کو ایندھن کے قابل بنا دیتی ہے اور وہی خشک شدہ نجاست حمام کے چولھے میں جب داخل ہوتی ہے تو حمام کے در و دیوار میں اپنی روشنی کا عکس ڈالتی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ حمام میں لکڑی اور خشک شدہ سرگین یعنی گوبر وغیرہ جلنے

کے وقت خود بھی صاحب نور ہوتا ہے اور حمام کے در و دیوار کو بھی اس پر عکس پڑنے سے منور کرتا ہے پس وہی نجاست جو آلائش تھی آفتاب کے نور نے اس کو آرائش اور روشنی سے تبدیل کر دیا۔

اور نجاستوں کے بعض حصوں پر آفتاب کا دوسرے قسم کا فیض پہنچتا ہے وہ یہ کہ آفتاب کی حرارت زمین کو گرم کر دیتی ہے جس کے سبب زمین اپنے اندر نجاستوں کو جذب کر لیتی ہے اور جس طرح معدہ کی گرمی سے کھانا ہضم ہو کر جزء بدن ہو جاتا ہے اسی طرح وہ نجاست گرمی زمین سے زمین کا جزء ہو جاتی ہے۔ اور زمین کی قوت کو بڑھا دیتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کام خود زمین نہ کر سکتی تھی کیونکہ زمین کا مزاج بارد ہے اور برودت کے اندر کسی شے کو تبدیل کرنے کا خاصہ نہیں ہوتا ہے بلکہ برودت تو محافظ صورت ہوتی ہے۔ چنانچہ برف میں گوشت تک نہیں بگڑتا پس زمین کا اپنے اندر نجاستوں کو اپنی طرح جزء خاکی بنا کر جذب کرنا آفتاب کی حرارت کے فیض سے ہے اور حق تعالےٰ زمین کی اس جذب کردہ نجاستوں سے طرح طرح کے پھل پھول پیدا فرماتے ہیں۔

اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

می نجوید لطف عام تو سند ؛ آفتابے بر حدثہا می زند

اے اللہ آپ کا لطف عام قابلیت نہیں ڈھونڈھتا ہے بلکہ آپ کا کرم آفتاب کی طرح نجاستوں پر بھی اثر کرتا ہے۔

تا حدث در گلخنے شد نوریافت ؛ بر در و دیوار حمامے بتافت

یہاں تک کہ وہ نجاست خشک ہو کر چولھے میں پہنچکر روشن ہو گئی اور حمام کے در و دیوار پر تاباں ہو گئی۔

شمس ہم معدہ زمیں را گرم کرد ؛ تا زمیں باقی حدثہا را بخورد

آفتاب نے نیز معدۂ زمین کو گرم کر دیا یہاں تک زمین باقی نجاستوں کو کھا گئی۔

جزو خاکی گشت و رست از وے نبات ؛ ھکذا یمحو الالٰہ السیئات

پھر وہ نجاست جب خاک کا جزو ہو گئی تو اس سے نباتات اُگیں اسی طرح اللہ تعالیٰ سیئات کو محو فرما کر حسنات سے تبدیل فرما دیتے ہیں۔

جزو خاکی گشت از وے بارشاد ؛ ھکذا یرحم اللہ للعباد

جزو خاکی آفتاب کے فیض سے باساماں ہو گیا یعنی سبزہ زار بن کر پھل پھول والا ہو گیا اسی طرح حق تعالیٰ بندوں پر رحم فرماتا ہے

چوں خبیثاں را چنیں خلعت دہد ؛ طیبیں را تا چہ بخشد در رسد

جب خبیثوں کو ایسی خلعت دیتے ہیں تو طیبین بندوں کو تو کیا کچھ بخشدیں گے حصہ میں

آں دہد حق شان کہ لاعینٌ رات ؛ کان نگنجد در زبان و در لغت

حق تعالیٰ الطیبین کو وہ دیں گے جو آنکھ نے نہیں دیکھا اور جو کہ زبان اور لغات میں نہیں سما سکتا۔ دوسری جگہ حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔ اور انھیں تصرفات عجیبہ سے یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے خواب کے اندر بیداری کو رکھدیا ہے۔ یعنی آدمی سو رہا ہے اور خواب میں بیداری کی طرح عجیب عجیب باتیں دیکھ رہا ہے اسی طرح عاشقی کے اندر معشوقی رکھدی ہے یعنی حق تعالیٰ کا جو محب ہو جاتا ہے وہ حق تعالیٰ کا محبوب بھی ہو جاتا ہے اور اے اللہ آپ کی عجیب قدرت ہے کہ عزت اور خواجگی کو آپ ذلت فقر میں پنہاں کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اکثر اہل اللہ شکستہ حال گدڑی پوش ہیں مگر بڑے بڑے امراء اور حکام ان کی جوتی سیدھی کرنے کے متمنی رہتے ہیں اور اشارہ اس حدیث کی طرف ہے و ما تواضع احدٌ للہ الا رفعہ اللہ حضور صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو تواضع اختیار کرتا ہے۔ اللہ کے لئے اس کو اللہ تعالیٰ عزت اور

بلندی عطا فرما دیتے ہیں۔ حالانکہ وضع اور رفع دونوں دو متضاد چیزیں ہیں۔ مگر حق تعالیٰ کی قدرت نے وضع کے اندر رفع کی شان رکھدی۔

خواجگی پنہاں کنی در ذُل فقر   طوق دولت بستہ اندر غُل فقر

خواجگی کو آپ ذلت فقر میں پنہاں کر دیتے ہیں اور آپنے طوق دولت کو باندھ رکھا ہے طوق فقر میں۔ چنانچہ اللہ کے لئے جس کسی نے فقر اختیار کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی باطنی دولت عطا فرمائی کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اس کے سامنے گرد ہے۔ نیز کتنے سلاطین ایسے گذرے ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کی یاد کے لطف میں تخت وتاج کو خیر باد کہکر فقر کا راستہ اختیار کرلیا۔ مولانا الٰہی بخش صاحب خاتم مثنوی فرماتے ہیں

نام تو چوں بر زبانم می رود   ہر بن مو از عسل جوئے شود

اے اللہ آپ کا نام پاک جب زبان سے نکلتا ہے تو ہر بن مو سے شہد کی نہر جاری ہو جاتی ہے۔ اللہ کی محبت کا مزہ اللہ والوں سے پوچھو۔ الرحمٰن فاسئل بہ خبیرا۔ رحمٰن کی شان کو ان کے باخبر بندوں سے پوچھو

دید لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور   میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشہ تیرا

جب خلیفۂ وقت نے لیلیٰ سے کہا کہ اے لیلیٰ تیرے اندر کیا خوبی ہے کہ مجنوں تجھ پر اس طرح قربان ہے۔

از دگر خوباں تو افزوں نیستی   گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی (رومی)

دوسرے حسینوں سے تیرے اندر کوئی امتیازی شان تو نہیں معلوم ہوتی ہے لیلیٰ نے خلیفۂ وقت کو ڈانٹ کر کہا خاموش رہ اس واسطے کہ تو مجنوں نہیں ہے

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا   ہر دو عالم بے خطر بودے ترا (رومی)

اگر مجنوں کی آنکھ تجھے نصیب ہوتی تو ہر دو عالم تیرے لئے بے خطر ہوتے۔

الله اللہ اسم ذات پاک دوست | اسم اعظم از برائے قرب دوست

خاتم مثنوی فرماتے ہیں کہ اللہ اللہ ذات پاک دوست کا نام پاک دوست کے قرب کے لئے اسم اعظم کا اثر رکھتا ہے۔

الله اللہ مستم از نام خدا | می چکد از ہر رگم راوق جدا

اللہ اللہ میں نام پاک اللہ سے مست ہوں میری ہر رگ سے ایک خاص لگ مستی ٹپک رہی ہے

الله اللہ گو برو تا سقف عرش | پیش معراج تو گردد چرخ فرش

اللہ اللہ کا خوب ذکر کر اور اس ذکر پاک کی برکت سے عرش تک چلا جا۔ اس نام پاک کی برکت سے تیری ترقی سیر الی اللہ کے سامنے یہ آسمان فرش بن جائے گا۔

اور حق تعالیٰ کا عجیب تصرف ہے کہ شاخ اور برگ کے اندر سے میٹھے میٹھے پھل پیدا فرماتے ہیں۔ حالانکہ شاخ اور برگ میٹھے نہیں ہیں۔ اور ان کی قدرت کاملہ ہے کہ شہداء کی موت میں حیات جاوداں رکھدی ہے۔

میوۂ شیریں نہاں در شاخ و برگ | زندگی جاوداں در زیر مرگ

ترجمہ:۔ میوۂ شیریں نہاں ہیں شاخ اور برگ میں۔ اور زندگی جاودانی موت کے تحت میں ہے۔

شہداء کی حیات

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ٥ بل احیاء ولکن لا تشعرون (پ۲)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت۔ یہ مت کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق | ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ہماری راہ میں ہمارے بندوں نے شدت محبت میں اپنی جانیں قربان کیں ہیں ان کی سرگرمی محبت کو ہم جانتے ہیں۔ والذین آمنوا اشد حباً للہ جو لوگ ایمان لائے ہیں یعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہماری محبت میں نہایت سرگرم ہیں ایسے

سرگرم ہیں کہ جان جیسی عزیز چیز کو ہمارے لئے قربان کردیتے ہیں چنانچہ جس صحابی کو زخم کاری لگ جاتا تو وہ فرطِ مسرت سے کہتا تھا۔ فزت برب الکعبہ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا یعنی شہید ہونے کی امید غالب ہوگئی ہے۔ یہ مستی وہ مستی ہے جو اللہ کی محبت سے پیدا ہو۔ شراب کی مستی کیا ہے کہ پیشاب پی لیا اور بے ہوش پڑے ہیں عقل زائل ہوگئی۔ اور مستی حق ایسی مستی ہے کہ وہ عقل کو اور نورانی کردیتی ہے۔

پیر ما سرّ عالم مستی ؛ بادلِ ہوشیار می گوید

شہید محبت الٰہیہ کی قدر دانی

حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اس سرگرمی محبت کی کیا قدردانی فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں خبردار جنھوں نے ہماری راہ میں اپنی جانوں کو قربان کیا ہے ان کو مردہ مت کہنا کہ ہمارے عاشقوں کی توہین ہے۔ اور چوتھے پارے میں حق تعالیٰ نے اور تاکید فرمادی کہ خبردار شہیدوں کو مردہ کہنا تو درکنار اس کا گمان بھی دل میں نہ پیدا ہو یعنی ایسا ہوسکتا ہے کہ تم اپنی زبانوں سے تو مردہ نہ کہو لیکن دل میں ایسے خیالات لاؤ اور زبان سے کچھ نہ کہو تو مزید تاکید کیلئے اس گمان کا بھی قلع قمع فرمادیا اللہ اکبر کس قدر اپنے شہداء کا احترام میاں کو ملحوظ خاطر ہے ارشاد فرماتے ہیں

ولا تحسبنّ الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاءٌ عند ربھم یرزقون ۝ فرحین بما اٰتھم اللہ من فضلہٖ	اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں۔ ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔

خیال اور گمان کا بھی حق تعالیٰ نے راستہ بند کردیا۔ میری راہ کے مقتولین یعنی شہداء کو مردہ نہ کہو اور فقط اتنا ہی نہیں کہ زبان سے نہ کہو بلکہ دل میں خیال تک نہ لانا کہ یہ مرگئے کس ذات پاک پر جان کو قربان کیا ہے۔ یہ تو سوچو وہ ایسے

باقی ہیں کہ جن کے خزانے میں فانی بھی پہنچکر باقی ہوجاتا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

ماعندکم ینفد وماعند الله باق۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے سب فنا ہونے والا ہے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

پس جب ان عاشقین صادقین نے اپنے جسم اور جان کو اللہ تعالےٰ کے حوالے کردیا تو اب ان کی مخصوص رحمت کی تربیت میں پہنچ گئے۔ احیاءٌ عند ربھم اب اپنے رب کے پاس زندہ ہیں "یرزقون" اور میاں کے ہاتھ سے کھلائے پلائے جاتے ہیں۔ یہ مجہول کا صیغہ عجیب رحمت اور شفقت لئے ہوئے ہے۔ فرحین بما اٰتٰھم اللہ من فضلہ اور یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے بہت خوش ہیں۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں وان اللہ لایضیعُ اجر المومنین اور اللہ تعالےٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔

سرگرمی عشق اللہ تعالےٰ کی محبت کی سرگرمیاں حضرات صحابہؓ کے اندر قابل دید ہیں۔ ایسی شدت تھی محبت میں کہ ہر صحابی بزبان حال یہ کہہ رہا تھا۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ؛ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

حضرت عارفؒ ایک عاشق صادق کی طرف سے فرماتے ہیں۔

اقتلونی اقتلونی اے ثقات ؛ ان فی قتلی حیاۃً فی حیات

اے ثقات مجھکو تم لوگ قتل کردو اور ضرور قتل کردو بے شک میرے مقتول ہونے میں حیات ہی حیات ہے۔

آزمودم مرگ من در زندگی ؛ چوں رہم زیں زندگی پایندگی

میں نے تجربہ کرلیا کہ میرا زندہ رہنا ہی میری موت ہے جب میں اس زندگی سے خلاصی پاجاؤں گا تو حیات جاودانی نصیب ہوجائے گی۔

گر بریزد خون من آں دوست رو ۔۔۔ پائی کوبان جاں برافشانم برو

اگر وہ محبوب میرا خون بہانے کیلئے تیار ہو تو میں دوڑ کر اس کے روبرو اپنی جان کو نذر جان کر دوں۔ کسی نے اردو میں خوب کہا ہے۔

مجاہدان صف شکن بڑھے جو نذر جاں لئے ۔۔۔ بڑھی ادھر سے موت بھی حیات جاوداں لئے

یہ حضرات اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ایسے سچے جانباز اور مخلص بندے ہیں جنکی محبت کی شدت اور سرگرمی کو حق تعالےٰ اس عنوان سے ارشاد فرماتے ہیں۔

الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا و قالوا حسبنا اللہ و نعم الوکیل ۵ فانقلبوا بنعمۃ من اللہ و فضل لم یمسسھم سوء لا و اتبعوا رضوان اللہ ط واللہ ذو فضل عظیم ۵

(پ ۴)

(تفسیر در ترجمہ بیان القرآن) یہ یعنی حضرات اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مخلص لوگ ہیں کہ بعض لوگوں نے (یعنی عبد القیس والوں نے جو) ان سے آکر کہا کہ ان لوگوں نے یعنی اہل مکہ نے تمہارے مقابلے کیلئے بڑا سامان جمع کیا ہے سو تم کو اندیشہ کرنا چاہیئے تو اس خبر نے ان کے جوش ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور نہایت استقلال سے یہ کہکر بات کو ختم کر دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ سب مہمات میں کافی ہیں اور وہی سب کام سپرد کرنے کیلئے بہتر کارساز ہیں یہی سپرد کرنا توکل ہے پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل سے یعنی ثواب اور نفع تجارت سے بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری ذرا پیش نہیں آئی اور وہ لوگ اس واقعہ میں رضا رحق کے تابع رہے۔ اسی کی بدولت مجموع نعم سے سرفراز ہوئے اور اللہ تعالےٰ بڑا فضل والا ہے۔

سبحان اللہ کیا اپنے اللہ پر بھروسہ ہے، اور کیا اللہ کی محبت میں سرگرمی

ہے کہ دشمنوں کی تیاری کی خبر سے ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے اور ہر صحابی بزبان حال یہ کہہ اٹھا۔ کما قال العارف الرومیؒ فی ھذا المقام حکایۃً عن العاشق الصادق

تو مکن تہدیدم از کشتن کہ من ؛ تشنۂ زارم بخون خویشتن

ترجمہ:۔ اے مخاطب تو مجھے قتل ہونے سے مت خوف دلا کیونکہ میں تو خود ہی اپنے خون کا سخت پیاسا ہوں۔

بر سر مقطوع اگر صد خندق است ؛ پیش درد من مزاح مطلق است

ترجمہ:۔ سر بریدۂ عشق حق کے سامنے اگر سو خندق بھی ہیں تو درد عشق کے سامنے وہ سب محض مذاق کی حیثیت رکھتی ہیں۔

دین من از عشق زندہ بودن است ؛ زندگی زیں جان و سر ننگ من است

ترجمہ:۔ میرا دین عشق سے زندہ رہنا ہے اس جان و سر سے جینا میرے لئے ننگ ہے یعنی مجھے یہ ظاہری زندگی نہ چاہئے معنوی زندگی چاہئیے۔

تیغ جانہا را کند پاک از عیوب ؛ زانکہ سیف افتاد محاء الذنوب

ترجمہ: تیغ جانوں کو عیوب سے پاک کر دیتی ہے کیونکہ سیف گناہوں کو محو کر دینے والی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ الموت جسرٌ یوصل الحبیب الی الحبیب موت ایک پل ہے جو بندۂ محب کو محبوب حقیقی سے واصل کر دیتا ہے۔ یہودیوں نے جب دعویٰ کیا کہ ہم لوگ اولیاء اللہ ہیں تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ اس قول میں سچے ہو تو موت کی تمنا کر دو۔

قل یایھا الذین ھادوا ان زعمتم	آپ کہدیجئے کہ اے یہودیو اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم
انکم اولیاءُ اللہ من دون الناس	بلا شرکت غیرے اللہ تعالیٰ کے مقبول ہو تو تم موت
فتمنوُا الموت ان کنتم صادقین	کی تمنا کر دو اگر تم سچے ہو۔

پھر حق تعالیٰ نے یہ بھی خبر دی کہ اور وہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے۔ بوجہ ان

اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سے سمیٹے ہیں۔ اور اللہ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں کی

موت سے طبعی وحشت مضر نہیں اس مقام پر حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد پڑی۔ ارشاد فرمایا کہ موت سے طبعی گھبراہٹ کا ہونا ایمان کے منافی نہیں ہے۔ یہودیوں کو موت سے اعتقادی اور عقلی وحشت تھی۔ اور ایمان والوں کو جو کچھ موت سے گھبراہٹ ہوتی ہے وہ اعتقادی اور عقلی نہیں ہوتی۔

البتہ جب اللہ اور رسول کی محبت میں شدت پیدا ہو جاتی ہے تو ایمان کے اس کامل درجے میں موت کی تمنا درجہ حال میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بندہ جہاد کا متمنی ہو جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی دعا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں۔

اللھم ارزقنی شہادۃً فی سبیلك واجعل قبری فی بلد رسولك۔	اے اللہ اپنی راہ میں مجھے شہادت نصیب فرما اور میری قبر اپنے رسول پاک صلعم کے شہر میں بنا دیجئے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو مومن اپنے دل میں جہاد کی کسی درجے میں تمنا نہیں رکھتا اس کا خاتمہ نفاق کے ساتھ ہوتا ہے۔ یا اس کے دل میں نفاق کا داغ ہوتا ہے۔

بیانِ عشق حقیقی ولنعم ما قال العارف الرومی رح

حلق کاں نبود سزائے ایں شراب   آں بریدہ بہ بشمشیر ضراب

ترجمہ:۔ جو حلق کہ اس شراب محبت حق کے لائق نہ ہو وہ شمشیر قتال سے کٹا ہوا اچھا ہے یعنی ایسے حلق کا نہ رہنا ہی اچھا ہے۔

دیدہ کو نبود ز وصلش در فرہ ؛ آنچناں دیدہ سفید و کور بہ

ترجمہ:- جو آنکھ اس محبوب حقیقی کے وصل سے یعنی قرب سے تازہ نہو ایسی آنکھ کا سفید اور کور ہونا بہتر ہے۔

گوش کاں نبود سزائے راز او ؛ برکنش کہ نبود آں بر سر نکو

جو کان اس کے راز کے لائق نہ ہو اس کو اکھاڑ ڈال کہ وہ سر پر اچھا نہیں معلوم ہوتا

اندراں دستے کہ نبود آن نصاب ؛ آں شکستہ بہ بسا طور قصاب

جس ہاتھ میں محبوب حقیقی کا متاع وصل یعنی متاع قرب نہ ہو وہ قصاب کے چھرے سے شکستہ اچھا ہے۔

آں چناں پائے کہ از رفتار او ؛ جان نہ پیوند بہ نرگس زار او

جس پاؤں کی رفتار سے محب کی جان محبوب حقیقی سے نہ مل جاوے۔

آں چناں پا در حدید اولیٰ ترست ؛ کانچناں پا عاقبت درد سرست

ایسا نامبارک پاؤں آہن میں ہونا زیادہ لائق ہے کیوں کہ ایسا پاؤں انجام کار میں درد سر ہے یعنی محبوب حقیقی سے دور رکھنے والا ہے۔ پس اللہ کی محبت میں کس طرح قدم رکھنا چاہیے۔

ہمچوں ابراہیم ادہم از سریر ؛ عشق شاں بے پا و سر کرد و فقیر

مثل ابراہیم بن ادہم کے کہ عشق نے اُن کو تخت شاہی سے بے سر و پا اور فقیر کردیا

یا چو ابراہیم مرسل سرخوشے ؛ خویش را افگند اندر آتشے

یا مثل ابراہیم پیغمبر علیہ السلام کے کہ خوش ہو کر آگ میں اپنے کو ڈالدیا کیونکہ نمرود کو توحید کی دعوت ہی سبب تھی اس آگ کا پس سبب کو خوشی سے اختیار کرنا بمنزلہ مسبب کے بخوشی اختیار کرنے کے ہے۔

یا چو اسمٰعیل صبار مجید ؛ پیش عشق و خنجرش حلقے کشید

یا مثل اسمٰعیل علیہ السلام کامل الصبر صاحب الجد کے کہ عشق حقیقی اور اس کے خنجر کے رو برو حلق رکھدیا۔

(دفتر ششم)

نیکواں رفتند و سُنّتہا بماند ۔ واز لئیماں ظلم و لعنتہا بماند

حق تعالےٰ کے پاک بندے تو چلے گئے لیکن ان کا طریقہ دوسروں کی ہدایت کے لئے باقی رہ گیا اسی طرح ناپاک بندے چلے گئے لیکن ان کے مظالم اور ان پر خدا کی لعنتیں باقی رہ گئیں جنھوں نے اللہ تعالےٰ کے راستے میں اپنی جانوں کو قربان کیا ہے۔ انھوں نے بعد والوں کے لئے اپنے عمل کو سبق اور ہدایت کا ذریعہ چھوڑا ہے تعلیم فعلی کا اثر تعلیم قولی سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اللہ والے ہر طرح سے تعلیم دیتے ہیں کبھی قولاً کبھی فعلاً اور کبھی خواص طالبین کے لئے سکوت سے بھی تعلیم دیتے ہیں۔

اولیاء را در درو نہا نغمہ ہاست ۔۔ طالباں را زاں حیاتِ بے بہاست

اولیاء اللہ کے سینے میں عشق حقیقی کے نغمات ہیں اور طالبین کو ان نغمات باطنی سے حیات بے بہا حاصل ہوتی ہے۔

خامش اند و نعرۂ تکرار شاں ۔۔ میرود تا عرش و تخت یار شاں

اولیاء اللہ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں لیکن ان کے عشق زدہ قلب کے نعروں کی تکرار عرش تک یعنی تخت شاہ تک پہنچتی ہے۔ تعلیم فعلی پر ایک حدیث یاد پڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

حدیث صلّوا کما رأیتمونی اصلی کی عجیب تقریر

صلوا کما رأیتمونی اصلی۔ حضرات صحابہؓ کو مخاطب فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تم لوگ جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو۔ اس حدیث کے اندر عجیب عبرت اور تعلیم ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر عبارت میں نہ جانے کیا کیا سمجھا دیا۔ سبحان اللہ عجیب کلمات ہیں کہ ما رأیتمونی میں جتنا ہی غور کرو اسی قدر علوم حاصل ہونگے جیسا کہ تم لوگ مجھے دیکھتے ہو نماز پڑھتے ہوئے اس ارشاد پاک میں یہ بتا دیا کہ اے لوگو! تم دیکھتے ہو کہ ہمارے ہاتھ پروردگار عالم کے حضور میں کس عاجزی کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اور ہم کس مسکنت اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے جھکے ہوتے ہیں۔ اور اے لوگو! تم دیکھتے ہو کہ ہم کس درجہ شان غلامی کے ساتھ اللہ کے علو مرتبت کے سامنے اپنی بندگی اور عاجزی پیش کرتے ہوئے اپنی پیشانی کو زمین پر رکھدیتے ہیں۔ ع "سر رکھا ہے ہم نے در جانا نہ سمجھ کر"

اے لوگو! میری معرفت چونکہ تم سب سے زیادہ ہے حتیٰ کہ بعض مخصوص اوقات میرے لئے ایسے بھی ہیں کہ اس مقام قرب پر نہ کسی مقرب فرشتے کا گذر ہے نہ کسی نبی مرسل کا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملکٌ مقربٌ ولا نبیٌ مرسلٌ

ترجمہ:۔ میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہے کہ جس میں نہ کسی مقرب فرشتے کا گذر ہے نہ کسی نبی مرسل کا۔

لی مع اللہ وقت بود آندم مرا ؛ لا یسع فیہ نبیٌ مجتبیٰ

ترجمہ:۔ میرے لئے اللہ کے ساتھ ایک خاص وقت ایسا ہے کہ اس میں کسی نبی برگزیدہ کی بھی رسائی نہیں ہے۔

پس اے لوگو! جب یہ بات ہے تو سمجھ لو کہ میرے مرتبۂ قرب کی رفعت کے اعتبار سے میرے اوپر جلالت وعظمت خداوندی کا کس قدر غلبہ ہوگا۔

نماند سرا پردہ الاجلال　　بدر دیقین پردہائے خیال

پس تم لوگ دیکھتے ہو کہ نماز میں میرے ہر ہر جوڑ پر حق تعالیٰ شانہ کی عظمت و کبریائی کا کیا اثر ہوتا ہے۔

اے لوگو تم دیکھ لو کہ نماز میں عظمت الٰہیہ سے میری کیا حالت ہو جاتی ہے۔ تم لوگ سنتے ہو کہ حالت نماز میں غلبۂ خوف الٰہی کے سبب میرے سینے سے ایسی آواز نکلتی ہے جس طرح کوئی ہانڈی چولھے پر پکتی ہے۔

میری عبدیت اور میری بندگی اور شانِ غلامی سے میری شانِ رسالت کو پہچانو! اشھدُ ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عبدیت کو پہلے بیان فرمایا ہے پھر اس عبدیت پر رسالت کا تاج جو رکھا ہوا ہے اس کو بعد میں بیان فرمایا ہے۔ اس میں امت کو تعلیم فرمادی کہ دیکھو ہم سید المرسلین ہیں اور افضل الخلائق ہیں لیکن اللہ کی عظمت وجلالت کے سامنے اپنی غلامی اور بندگی کو ہر وقت پیش نظر رکھتے ہیں۔ عبدیت کاملہ مقدم ہوتی ہے۔ پھر اس پر رسالت نبوت۔ صدیقیت۔ شہادت۔ صلاحیت کا تاج رکھا جاتا ہے۔

اے لوگو ہماری صحبت پاک سے اب تمہارے اندر اتنی صلاحیت آچکی ہے کہ میں جس طرح عظمت و کبریائی اور جلالت شانِ خداوندی کے سامنے عاجزی اور مسکنت سے قیام رکوع اور سجدہ بجالاتا ہوں تم اسکی نقل کر سکتے ہو پہلے ہماری عبدیت نماز کی حالت میں دیکھو پھر تم اپنی نمازوں میں اس کی نقل کرو۔

صحبت اولیاء اللہ کی ضرورت پر حدیث مذکور سے استدلال

اسی حدیث کما رأیتمونی میں صحبت اہل اللہ کی ضرورت کا

ثبوت بھی موجود ہے یعنی دین سیکھنے کے لئے نمونہ سامنے ہونا چاہئے چنانچہ صحابہ رضؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ سے بندگی سیکھی پھر حضرات صحابہؓ کو تابعین حضرات نے دیکھ کر ان کی عبدیت کی نقل کی پھر تابعینؒ کی عبدیت کی نقل تبع تابعینؒ نے اس طرح قیامت تک اہل اللہ کے ذریعہ اس نقل کا سلسلہ قائم رہے گا اور دین حقیقی اسی نقل سے ملتا ہے کتابوں سے اور تعلیم قولی سے بندگی نہیں آتی۔ بندگی تو کر کے دکھائی جاتی ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کما رأیتمونی فرمانا کہ جس طرح مجھے دیکھتے ہو نماز پڑھتے ہوئے اس طرح نماز پڑھو یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ دین قیل و قال سے نہیں آتا۔ بلکہ کسی صاحب حال کی بندگی اور غلامی دیکھ کر اس کی حرکات و سکنات قیام رکوع اور سجود میں اس کے بدن کے ہر جوڑ سے جو عظمت الٰہیہ کے پیش نظر ایک خاص مسکنت اور عاجزی ٹپکتی ہے اس کو دیکھ کر قلب پر جو اثر پڑتا ہے اور بندگی کی جو روح ملتی ہے وہ کتابوں سے اور قیل و قال سے کہاں مل سکتی ہے۔

جج اکبر الہ آبادی نے خوب فرمایا ہے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اسی لئے حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

(۱) خیز اے نمرود پرجو از کسان ⁂ نردبانے نایدت از کرگسان
(۲) عقل ابدالاں چو پر جبرئیل ⁂ می پرد تا ظل سدرہ میل میل

بازسلطانم گشم نیکو پیم ؛؛ فارغ از مردارم و کرگس نیم

ترجمہ :- (۱) اے نمرود یعنی نفس سرکش و نافرمانِ حق اٹھ اور اہل اللہ سے پر طلب کر کیونکہ تجھکو کرگسوں سے نردبان نہ ملے گی۔ کرگس ایک پردار جانور ہے جس کو ہندی میں گدھ کہتے ہیں۔ یہ مردہ لاشوں کو میدان میں جب دیکھتے ہیں تو بڑی رغبت سے اس کو لپٹ جاتے ہیں۔ مراد کرگس سے وہ انسان ہیں جو مُردار دنیا کی طلب میں آخرت کو پسِ پشت ڈالے ہوئے ہیں اسی معنوی مناسبت سے کہ طالب دنیا کے پر مردار خوری سے متصل ہیں۔ جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

الدنیا جیفۃ وطالبوھا کلاب دنیا مردار ہے اور اس کے طالبین کُتے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں سے اللہ کا راستہ نہ ملے گا۔ نردبان سیڑھی کو کہتے ہیں چونکہ نمرود نے خود رائی سے بدون حضرت ابراھیم علیہ السلام کے مشورے کے آسمان تک پہنچنے کے لئے ایک اونچی سیڑھی بنائی تھی جسکو خداوند تعالے نے ایک تند ہوا بھیجکر ڈھا دیا۔ اسی واقعہ کی طرف اس نردبان سے اشارہ ہے کہ اے نمرود اپنی رائے ناقص سے تجھ کو سیڑھی نہ ملے گی کیونکہ عقل ناقص کا پر مردار خوری سے متصل ہے۔ پس نہ اپنی رائے ناقص سے پر طلب کر اور نہ ان ناکسوں سے پر طلب کر جن کے پر مردار خوری سے متصل ہیں یعنی طالب دنیا ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ پھر اللہ تک پہنچنے کے لئے کس سے پر طلب کیا جاوے تو مولانا اس کا جواب فرماتے ہیں۔

عقل ابدالان

عقل ابدالان چو پر جبرئیل ؛؛ می پرد تا ظل سدرہ میل میل

اولیاء کی عقل مثل پر جبرئیل کے ہے جو کہ سایہ سدرہ تک درجہ بدرجہ

اڑتا ہے

پھر حضرت عارف ابراھیم علیہ السلام کی طرف سے فرماتے ہیں کہ

باز سلطانم گشم نیکو پیم ؛ فارغ از مردارم و کرگس نیم

اے نمرود میں باز شاھی ہوں یعنی جس طرح باز کو سلاطین اپنے پنجے پر رکھتے ہیں اس سے بڑھ کر میں مقرب سلطان السلاطین ہوں اور میں دنیائے مردار سے فارغ ہوں اور میں کرگس نہیں ہوں یعنی دنیائے مردار کا طالب نہیں ہوں۔ بلکہ طالب ذات حق ہوں۔

عقل ناقص

عقل جزوی کرگس آمد اے مقل ؛ پر او با جیفہ خوری متصل

عقل ناقص کرگس ہے اے قلیل المتاع اس کا پر مردار خوری سے متصل ہے

ترک کرگس کن کہ من باشم کسم ؛ یک پر من بہتر از صد کرگسم

پس اے ناقص العقل تو اپنی خود رائی اور خود بینی کو ترک کردے تاکہ میری عقل کامل جو نور وحی الٰہی سے منور ہے تیری یار بن جائے اور میرا ایک پر تیرے صدہا کرگس سے بہتر ہے چنانچہ مشاہدات ہیں کہ اپنی صد رائے اور صدہا افکار سے انسان اللہ تک نہیں پہنچتا۔

منعم علیہ بندے سے تعلق کی ضرورت

جب تک کہ کسی منعم علیہ بندے سے تعلق نہ ہو کیونکہ اللہ تک جو راستہ گیا ہے اس کا نام صراط مستقیم ہے اور صراط مستقیم کو حق تعالےٰ نے بتا دیا کہ سیدھا راستہ تمہیں سیدھے راہبر سے ملے گا۔ صراط الذین انعمت علیھم سیدھا راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔ سورۂ فاتحہ ہی کے اندر ہدایت کی درخواست میں یہ سبق حق تعالےٰ نے پڑھا دیا ہے کہ صراط مستقیم

انعام والوں کا راستہ ہے اور انعام والے کون لوگ ہیں اس کی تصریح اور تشریح دوسری جگہ فرمادی ہے تاکہ مغضوبین اور ضالین کے دھوکے میں ہمارے بندے نہ آئیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین۔	وہ بندے جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے وہ نبیین ہیں صدیقین ہیں شہدا ہیں اور صالحین ہیں۔

نبی کی تعریف شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی ؒ تفسیر موضح القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ کی طرف سے وحی آوے یعنی فرشتہ ظاہر میں پیغام کہہ جائے۔

صدیق کی تعریف اور صدیق وہ ہے کہ جو وحی میں آئے اُن کا جی آپ ہی اس پر گواہی دے (اسی تفسیر کے مناسب کسی شخص کے سوال پر حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ صدیق آئینۂ نبوت ہوتا ہے)

شہید کی تعریف اور شہید وہ ہیں کہ جن کو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ایسا صدق آیا کہ اس پر جان دیتے ہیں۔

صالحین کی تعریف اور صالحین یعنی نیک بخت وہ ہیں جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے تو جو لوگ ایسے نہیں ہیں لیکن ان کی حکم برداری میں لگ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی ان کے ساتھ گنے گا۔

ہر چیز اپنے خزانے سے ملتی ہے ہر چیز اپنے مرکز اور خزانے سے ملتی ہے آگ آگ کے خزانے سے پانی پانی کے خزانے سے۔ اسی طرح یہ انعام والے بندے دین کے خزانے ہیں دین انھیں کی تابعداری سے ملے گا۔ مگر انعام نبوت وصدیقیت وشہادت

وصلاحیت کی سرکاری مہروں کو دیکھ کر ہاتھ میں ہاتھ دینا چاہیے ۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ٭ پس بہر دستے نباید داد دست

اے لوگو بہت سے ابلیس خصلت انسان آدمی کی شکل میں پھرتے ہیں پس ہر دھاد ھند

ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دے دینا چاہیئے ۔

ناواقف مسافر جب اسٹیشن پر اترتا ہے تو کیا ہر کس و ناکس کو اپنا سامان سپرد کر دیتا ہے ہرگز نہیں ۔ ہر مسافر سرکاری قُلی کو تلاش کرتا ہے اور ان کی خاص وردی سے بھی مطمئن نہیں ہوتا ۔ جب تک کہ اس وردی پر سرکاری نمبر لگا ہوا نہ دیکھ لے ۔ تو کیا دین ہی ایک سستا سودا ہے کہ ہر کس و ناکس سے اس کو حاصل کر لیا جائے ۔ الا ان سلعۃ اللہ لغالیہ حضور صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ اے لوگو خوب غور سے سن لو کہ خدائی سودا بڑا مہنگا ہے ۔ متاع جان جانان جان دینے پر بھی سستی ہے ۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔

برسائیں گے جب خونِ دل اور خونِ جگر ہم

دیکھیں گے جبھی نخلِ محبت میں ثمر ہم

(خواجہ صاحب)

اللہ کی محبت بہت لذیذ چیز ہے اور اسی محبت کی حلاوت کے لئے ہم پیدا کئے گئے ہیں ۔

دین نعمت الٰہی ہے زحمت نہیں ہے اسی لئے حق تعالیٰ شانہ نے دین کو نعمت فرمایا ہے ۔ کیونکہ دین ہی کی بدولت اللہ کی محبت دل میں آتی ہے ارشاد فرماتے ہیں

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (پ سورہ مائدہ)

ترجمہ وتفسیر از بیان القرآن۔ آج کے دن تمہارے لئے دین کو میں نے (ہر طرح کامل کر دیا (قوت میں بھی جس سے کفار کو مایوسی ہوئی اور احکام و قواعد میں بھی اور (اس اکمال سے) میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا (دینی انعام بھی کہ احکام کی تکمیل ہوئی اور دنیوی انعام بھی کہ قوت حاصل ہوئی اور اکمال دین میں دونوں آگئے) اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے (ہمیشہ کو) پسند کر لیا (یعنی قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین نہ تجویز کیا جائے گا۔ پس تم کو چاہئے کہ میری نعمت کا شکر کر کے اس دین پر پورے پورے قائم رہو۔

اب بظاہر ایک سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو نعمت فرمایا ہے اور عام طبائع دین کو زحمت سمجھتی ہیں اس کی وجہ کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ عام طبیعتوں پر حیوانیت کا غلبہ ہو گیا ہے اس لئے ان کو دین کی نعمت زحمت معلوم ہوتی ہے کھلی بات ہے کہ دین کے احکام کی پابندی ہمیں کتنی مصیبتوں اور زحمتوں سے محفوظ کر دیتی ہے مثلاً دین کا قانون چوری کو منع کرتا ہے اب ہر انسان خود اپنی عقل سے فیصلہ کر لے کہ یہ قانون ہمارے لئے رحمت ہے یا زحمت ہے۔

جس شخص کے گھر سے مال چرایا جاتا ہے اس غریب کے دل سے پوچھئے کہ کتنی محنت اور مشقت سے اپنے بال بچوں کی راحت کے لئے اس نے مال حاصل کیا تھا اور بعض وقت ایسی بری طرح چوری کرتے ہیں کہ وہی گھر والے جو راحت سے زندگی گذارتے تھے اب دیکھئے تو فاقے کی نوبت ہے۔ اس اجڑے گھر کے تمام افراد پر کیا گذرتی ہے اس دکھ اور درد کا احساس اسی کو ہوتا ہے جو درد شناس ہوتا ہے اور سینے میں انسانی

قلب رکھتا ہے اور ظلم کرنے جن کے دل سیاہ ہو گئے ہیں ان کے اندر
رحمت کا کہاں گذر۔ سانپ اور بچھو کو جس طرح ڈسنے میں لطف آتا ہے
اسی طرح ان کو مخلوق ستانی اور جور و ستم میں لطف آتا ہے۔ اولٰئک کالانعام
بل ھم اضل یہ مثل جانوروں کے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں گمراہی میں
ایک چور کی اس خبیث حرکت سے کتنے انسان اور کتنے گھر برباد ہوتے ہیں

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد ؛ بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

بے ادب صرف اپنے ہی کو تباہ نہیں کرتا ہے بلکہ سارے عالم میں تباہی
کی آگ لگا دیتا ہے۔ چور کبھی مال کی خاطر قتل کا بھی ارتکاب کر بیٹھتا ہے
جس سے کتنے ماں باپ بے اولاد ہو جاتے ہیں اور کتنی اولاد یتیم ہو جاتی
ہے۔ بیوی رانڈ ہو جاتی ہے، شوہر بے بیوی کے ہو جاتا ہے۔ نہ جانے
کتنے متعدی مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ اور چور جب گھر میں پکڑا جاتا
ہے تو پہلے تو گھر والے ہی بری طرح پٹائی کرتے ہیں۔ جوتوں سے
خاصی حجامت بنا دیتے ہیں۔ پھر پولیس کے ڈنڈوں سے سابقہ پڑتا ہے
پھر ہتھکڑی اور بیڑی کے ساتھ اپنے عزیز اور اقارب اور خاندان کے
سامنے کیسی ذلت کے دن دیکھنے پڑتے ہیں۔

اتنے مفاسد کے پیش نظر چوری کو اگر دین منع کرتا ہے تو خود دل سے
فیصلہ کر لیجئے کہ اس قانون سے اللہ تعالیٰ نے ہمکو زحمت میں مبتلا فرمایا ہے
یا ہزاروں زحمتوں سے آزاد فرمایا ہے۔

اسی تفصیل مذکور پر دوسرے احکام کو قیاس کر لیا جاوے جھوٹ
شراب۔ غیبت چغلی۔ زنا۔ فریب وغیرہ وغیرہ جتنے جرائم سے دین ہمکو
روکتا ہے خود انسان اپنی عقل سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ قوانین ہمارے

لئے زحمت ہیں یا عین رحمت ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس دین کو نعمت بنا کر ہمارے لئے اتارا ہے افسوس کہ ہم اس نعمت کو زحمت سمجھنے لگے۔

کیں چہ بدبختی است مارا اے کریم ؛ کہ دل و دیں ماندہ ما بے تو یتیم

اے کریم یہ کیسی ہماری بدبختی ہے کہ آپ سے دور ہونے کے سبب ہمارا دل اور ہمارا دین یتیم ہو گیا ہے۔

دین کی لذت کو اور دین کی نعمت کو کسی باخبر سے پوچھو اندھوں کو کیا خبر کہ اس باغ محمدی میں کیسے کیسے پھل پھول ہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں الرحمٰن فاسئل بہ خبیرا رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھ لیا کرو۔

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔ جن باتوں کو تم نہیں جانتے ہو اہل علم سے ان کو پوچھتے رہا کرو۔

اس آیت میں اہل علم کو حق تعالیٰ نے اہل ذکر سے تعبیر فرمایا ہے جس میں اس بات کی تعلیم فرما دی کہ اُن اہل علم سے دین سیکھا کرو جو اہل ذکر ہیں یعنی جو ذکر الٰہی میں ڈوبے ہوئے ہیں غلبۂ ذکر اللہ سے ان پر اللہ کی محبت کا ایک ایسا حال غالب رہتا ہے جس سے وہ خود بھی اللہ کی محبت میں مست رہتے ہیں اور جو ان مستوں کو دیکھتا ہے اس کو بھی اللہ یاد آجاتا ہے۔

پس دین کی نعمت اور لذت کو کسی بینا سے پوچھو جس کے پاس نور ہے نور والوں سے دین کی قدر و منزلت پوچھو۔

بنگر ایشاں را کہ مجنوں گشتہ اند ؛ ہمچو پروانہ بوصلش کشتہ اند

ان کو دیکھو کہ اللہ کی محبت میں کیسے مجنوں ہو رہے ہیں اور مثل پروانہ کے کمال قرب سے کشتہ ہیں۔ اب یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ وہ نورانی افراد

اتنے انسانوں میں کیسے پہچانے جائیں۔

دل میں نور آنے کا مفہوم

اور اس نور کا کیا مفہوم ہے۔ کیا ان کے دلوں میں کوئی لالٹین یا گیس جلتی ہوتی ہے جب نور کا محل قلب ہے اور کسی کے قلب کو ہم دیکھ سکتے نہیں تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو صاحب نور خود اپنے نور کا مدعی ہو یا صاحب نور کی کچھ علامات خاصہ متعین ہوں اور چونکہ شق اول میں ہر دعوئ اپنے صدق اور کذب کا احتمال رکھتا ہے اس لئے صورت اولیٰ غیر مفید ہے۔ پس دوسری صورت باقی رہ گئی یعنی کچھ ایسی علامات بتائی جائیں جن کو دیکھ کر ہم فیصلہ کر لیں کہ فلاں بندہ نور والا ہے۔ یہ ایک اہم سوال ہے کیونکہ اس زمانہ میں اہل حق اور اہلِ باطل بہت خلط ملط ہو رہے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ عوام کے پاس صحیح علم موجود نہیں ہے

جاہلوں کی فقیری

ہمارے حضرت مرشد پاکؒ فرمایا کرتے تھے کہ جاہلوں کی فقیری ڈیڑھ پیسے کی ہوتی ہے۔ ڈیڑھ پیسے کا گیرو لیا اور کپڑوں کو گرواں رنگ دیدیا بس شاہ صاحب ہو گئے ایسے ہی لوگوں کو حضرت والا مرادا فرماتے تھے کہ شاہ صاحب کیا ہیں سیاہ صاحب ہیں اور ان کی خانقاہ کو فرماتے تھے کہ خانقاہ کیا ہے خوامخواہ ہے۔

نورانی بندوں کی پہچان

لما تلا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ جس شخص کی ہدایت اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتی ہے تو اس کا سینہ

للاسلام فقیل له ما هذا الشرح فقال ان النور اذا قذف فی القلب انشرح له الصدر وانفسخ قیل فهل لذالک من علامۃ قال صلے اللہ علیہ وسلم نعم التجافی عن دار الغرور والانابۃ الیٰ دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزولہ۔

اسلام کے لئے کھولدیتے ہیں پھر آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ سینہ کھلنا کیسا ہے آپنے ارشاد فرمایا کہ جب قلب میں نور ڈالا جاتا ہے تو اس کے سبب سینہ کھل جاتا ہے اور فراخ ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ آیا اس کی کچھ علامت ہے آپ نے فرمایا ہاں دار الغرور (یعنی دنیا) سے ہٹ جانا اور دار الخلود (یعنی آخرت) کی طرف متوجہ ہو جانا اور موت آنے سے پہلے اس کے لئے تیار ہو جانا۔

اس حدیث میں دل کے اندر نور آنے کی تین علامتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

(۱) دنیا سے دل اُچاٹ ہو جانا۔

(۲) آخرت کی طرف متوجہ ہو جانا۔

(۳) اور موت آنے سے پہلے موت کے لئے تیاری کرنا۔

اسی کو عارف رومی رح فرماتے ہیں۔

آنچنانکہ گفت پیغمبر ز نور　　کہ نشانش آن بود اندر صدور

کہ تجافی جوید از دار الغرور　　ہم انابت آرد از دار السرور

یہ علامات مذکورہ تمام منعم علیہم بندوں کے اندر موجود ہوتی ہیں۔ البتہ یہ علامات باعتبار فرق مراتب انعامات الٰہیہ کے ضعف اور قوت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا وما تلذذتم بالنساء علی الفرش ولخرجتم الی الصعدات تجأرون الی اللہ وفی الحاشیۃ عن الجامع الصغیر قال صلی اللہ علیہ وسلم لو تعلمون ما انتم ملاقوہ بعد الموت ما اکلتم طعاما علی شھوۃ ابدا ولا دخلتم بیتا تستظلون بہ ولمررتم الی الصعدات تلدمون صدورکم وتبکون علی انفسکم رواہ ابن عساکر عن ابی الدرداء

لے .... لوگو! جو کچھ کہ میں جانتا ہوں اگر تم کو معلوم ہو جائے تو بہت کم ہنسو اور بہت رویا کرو اور تم اپنے بستروں پر اپنی عورتوں سے کچھ لذت نہ پاؤ اور جنگلوں کی طرف نکل جاؤ اور اپنے اللہ کی یاد سے اللہ کا قرب تلاش کرتے پھرو۔ اور حاشیہ میں جامع صغیر سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو واقعات تم کو بعد موت کے پیش آنے والے ہیں اگر تم کو ان کی پوری خبر ہو جاوے تو کبھی کھانا رغبت سے نہ کھاؤ (اور بضرورت حفاظت جان کھانا اور بات ہے) اور نہ کسی گھر میں سایہ ڈھونڈنے کے لئے داخل ہو اور جنگلوں کی طرف نکل جاؤ اپنے سینے کوٹتے ہوئے اور اپنی جانوں پر (یعنی اپنی حالت پر) رویا کرو روایت کیا اس کو ابن عساکر نے ابوالدرداء سے

جس وقت حق تعالےٰ نے اتقوا اللہ حق تقاتہ کی آیت نازل فرمائی یعنی ڈرو اللہ سے جیسا کہ حق ڈرنے کا ہے اس وقت حضرات صحابہؓ پر جو کیفیت طاری ہوئی اس کو انھیں کا دل جانتا ہے۔ گھبراتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ڈرنے کا حق ہم سے کیسے ادا ہو سکتا ہے۔ مارے خوف کے حضرات صحابہؓ میں ایک کہرام مچ گیا۔ حق تعالےٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اس آیت کی تفسیر میں دوسری آیت نازل ہوئی ارشاد

فرمایا فاتقوااللّٰہ ما استطعتم۔ اللہ سے ڈرتے رہو اپنی استطاعت کے مطابق یعنی جتنا تم سے ڈرنے کا حق ادا ہو سکتا ہے اس قدر سعی اور کوشش میں کوتاہی نہ کرو۔ لیکن اس استطاعت میں مراتب ہوتے ہیں۔ جس طرح انوار نبوت انوار صدیقیت۔ انوار شہادت۔ انوار صلاحیت میں فرق مراتب ہے اسی طرح ان بندوں کی آثار استطاعت میں باعتبار قوت اور ضعف کے فرق ہوتا ہے لیکن یہ فرق ان کے اوپر والوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ نیچے والوں کے لئے تو یہ ہر حال میں مقتدا اور ہادی ہیں۔ سورۂ فاتحہ میں انھیں نورانی بندوں سے سیدھا راستہ طلب کرنے کی تعلیم ہے جس کی ترکیب اور تدبیر بھی فرما دی ہے۔ وحسن اولئک رفیقا اور یہ نبیین، صدیقین، شہداء صالحین بڑے اچھے رفیق ہیں۔

اولیاء اللہ کی رفاقت کے بغیر دین نہیں ملتا ہے

رفیق فرما کر اللہ تعالےٰ نے طریقہ بتا دیا کہ ان سے دین اس وقت ملیگا جب ان کو رفیق بنا لیا جاوے۔ یعنی ساتھی بنالیا جاوے۔ اسی کو بابا فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق ٭ عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

بے رفیق کے جس شخص نے راہ عشق میں قدم رکھا تو عمر ختم ہو گئی اور عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

وحسُنَ اولئک رفیقا میں جس رفاقت کا وعدہ ہے وہ دراصل موعود ہے آخرت کے لئے لیکن وہ رفاقت اسی دنیا ہی کی رفاقت کا ثمرہ ہو گی جس نے ان انعام والوں کو دنیا میں اپنا رفیق بنایا ہوگا اسی کو آخرت میں انکی رفاقت نصیب ہو گی۔

صحبت نیک کی ضرورت اور صحبت بد سے پرہیز

اور اس کی تائید دوسرے نصوص سے بھی ہوتی ہے۔ قیامت کے دن کافروں کے تحسّر کا جو عنوان ہوگا وہ عنوان اس مضمون کی تائید کرتا ہے۔ کافر قیامت کے دن حسرت کرے گا یالیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا۔ اے کاش کہ دنیا میں میں نے رسول کے ساتھ رہ کر رسول کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ اور حسرت سے یہ کہے گا۔ یا ویلتا لم اتخذ فلاناً خلیلا ہائے افسوس کہ میں نے فلاں بُرے ساتھی کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔

ان دونوں آیتوں کے تقابل سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ انعام والے بندوں کو اپنا رفیق بنالیا جائے۔ ان کا راستہ اللہ تک پہنچا ہوا ہے ان کی اتباع کی برکت سے تم بھی اللہ تک پہنچ جاؤ گے۔ اور جو بُرے ساتھی ہیں یعنی جو بجائے انعام پانے کے اپنی نافرمانیوں کے سبب غضب الٰہی کے مستحق ہیں اور جنھوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے ان لوگوں کا راستہ اگر اختیار کروگے تو چونکہ ان کا راستہ جہنم تک پہنچا ہوا ہے انکی اتباع کی نحوست تم کو بھی جہنم تک پہنچا دے گی۔

دین سراپا رحمت اور سراپا نعمت ہے

دین سراپا رحمت اور سراپا نعمت ہے دین کا ہر قانون محبت کی حلاوت رکھتا ہے لیکن دین کی حلاوت اور مٹھاس کو ان سے پوچھو جن کے دل میں دین کی حلاوت ہے جنھوں نے اپنے کو اور اپنے اللہ کو پہچان لیا ہے یعنی اپنا بندہ ہونا جان لیا اور حق تعالےٰ کا معبود ہونا سمجھ گئے۔ دین انعام الٰہی ہے اور انعام کی قدر اسی کو معلوم ہوتی ہے جو انعام سے

نوازا جاتا ہے پس انعام والے بندوں کی صحبت اختیار کرنے پر دین کی اور اللہ کی قدر معلوم ہوتی ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

خیارکم من ذکرکم باللہ رویتہ وزاد فی علمکم منطقہ ورغبکم فی الاخرۃ۔ ترجمہ :- تم میں سب سے اچھا وہ شخص ہے کہ اس کی طرف دیکھنا تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلا دے (یعنی اس کی زیارت اور قرب میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہو جاتی ہے) اور اس کی گفتگو تمھارے علم میں ترقی کرے (یعنی وہ جب کلام کرتا ہے حکمت وعلم کا کلام کرتا ہے اس سے سننے والوں کے علم میں ترقی ہوتی ہے اور اس کا عمل تم کو آخرت کی رغبت بڑھا دے (یعنی اس کے اعمال صالحہ کو دیکھ کر اس کی رغبت بڑھتی ہے کہ ہم بھی نیک کام کریں کہ آخرت میں نافع ہوں) (التشرف ج ۴)

نعمت دین کو زحمت سمجھنے کی وجہ

جو لوگ دین کو زحمت سمجھتے ہیں تو اس کی وجہ بُری صحبت ہے۔ بُری صحبت۔ برے اعمال۔ بُرے اخلاق نے ان کے دل اور دماغ کے ذوق سلیم کو فاسد کر دیا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بھنگی کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ اتفاق سے کسی عطار کی دوکان سے گذرا عطار عطر فروش کو کہتے ہیں لیکن لوگ اب دوا فروش کو بطور غلط العوام عطار کہنے لگے۔ عطر کی خوشبو سے بھنگی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ چونکہ دماغ ہر وقت پائخانہ کی بدبو کا عادی تھا پس خلاف عادت عطر کی خوشبو کا تحمل نہ کر سکا۔ لوگوں نے اس پر گلاب چھڑکا اور سونگھایا مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اس کے بھائی کو جب علم ہوا تو وہ مرض سمجھ گیا اور فوراً تھوڑا سا پائخانہ لیکر آیا اور اس کی ناک پر رکھدیا بدبو کا سونگھنا تھا کہ اس کی آنکھیں کھل گئیں اور فوراً بے ہوشی جاتی رہی۔

اب اگر وہ بھنگی عطر کو زحمت کا لقب دے تو اس بیوقوف کے کہنے سے عطر زحمت نہیں ہوسکتا۔ عطر تو نعمت ہی رہے گا اور اس کی بیہوشی سے عطر کی خاصیت کو غلط نہ سمجھیں گے بلکہ اس بھنگی کی ناک کا علاج کیا جاوے گا۔

اسی طرح دنیا، مردار کی بدبو سونگھتے سونگھتے آدمی فاسد الشامہ ہو جاتا ہے یعنی خوشبو جو ناک کی اصل غذا تھی اس کو ناگوار ہو جاتی ہے پس دین جو ایک لذیذ نعمت ہے اور ایسی نعمت ہے کہ تمام عالم کا بقا راس پر ہے جس دن روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا اسی دن اس عالم کی روح نکل جائیگی اور اسرافیل علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ صور پھونک دو کہ اب میرا نام لیوا زمین پر کوئی نہیں رہ گیا۔ اب زمین اور آسمان۔ آفتاب اور ماہتاب سب کو درہم برہم کردو۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کو ایمان والوں ہی کی برکت سے دنیاوی عیش حاصل ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ لا تقوم الساعۃ حتی یقال اللہ اللہ۔ قیامت نہ قائم ہوگی جب تک کہ زمین پر اللہ اللہ کہا جاتا رہیگا اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا کی ترقیات اللہ اللہ کرنے والوں ہی کے طفیل میں ہو رہی ہیں۔ جب اللہ اللہ کرنے والے نہ رہ جائیں گے تو دنیا کو درہم برہم فرما دیں گے۔ آجکل کے نوجوانوں کو اپنی اس غلط فہمی کا علاج کرنا چاہئے کہ وہ دین داری کو ترقی سے مانع سمجھتے ہیں۔ اسی کو اقبال لاہوری نے کہا ہے۔

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر ؎ لب خنداں سے نکل جاتی ہو فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم ؎ کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

ہم لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنے خاندان والوں کا جنازہ آئے دن قبرستان میں لیجا کر دفن کرتے ہیں اور کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ جسم جو دن رات

میں نہ جانے کتنے لباس بدلتا تھا۔ گھر میں رہنے کا الگ لباس دوستوں سے ملنے کا الگ لباس، دفتر میں جانے کا الگ لباس۔ پائخانہ میں جانیکا الگ لباس۔ نعوذ باللہ یہ تہذیب ہے کہ منجانب اللہ تعذیب یعنی آگے عذاب ہے جو جسم تکبر سے یہ کہتا تھا کہ تم جانتے نہیں کہ میں کون ہوں۔ آج پتہ چل گیا کہ آپ کون ہیں

ایک متکبر کی حکایت ایک بزرگ نے کسی متکبر سے فرمایا کہ غرور سے مت چل اس نے کہا کہ تم جانتے نہیں ہو کہ میں کون ہوں فرمایا ہاں جانتا ہوں آپ پیدائش کے وقت ایک نجس پانی یعنی منی تھے پھر مرنے کے بعد ایک گندہ مردار ہونگے اور اس وقت تین چار سیر پائخانہ اپنے پیٹ میں لئے ہوئے چل رہے ہیں۔

معافی کا غلط طریقہ متکبرین کا بھی عجب حال ہے یہ اپنے قصور کا اعتراف بھی کرتے ہیں تو اس میں بھی متکبرانہ انداز ہوتا ہے کہتے ہیں کہ اچھا میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ استغفراللہ۔ یہ الفاظ واپس لینے کا طریقہ خوب نکالا ہے۔ سوئی چبھو کر کوئی یہ کہے کہ اچھا صاحب ناراض کیوں ہوتے ہیں۔ میں اپنی سوئی نکالے لیتا ہوں

معافی مانگنے کا سلیقہ اے لوگو معافی مانگنے کا سلیقہ اپنے باپ آدم علیہ السلام سے سیکھو فرماتے ہیں۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین	اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا اور اگر آپ ہمارے قصور کو نہ بخشیں گے اور ہمارے حال پر رحم نہ فرمائیں گے تو ہم بڑے ٹوٹے میں پڑ جائیں گے۔

بندگی اس کا نام ہے۔

بندگی نبود بجز افگندگی۔ بندگی تو نام سر افگندگی کا ہے۔

دریں راہ حق عجز و مسکینیت بہ از طاعت و خویشتن بینیت

اللہ تعالیٰ کے راستے میں عاجزی اور مسکینیت خود بینی والی عبادت سے بہتر ہے

اسی کو ہمارے خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

ناز تقویٰ سے تو اچھا ہے نیاز رندی ؛ جاہ زاہد سے تو اچھی مری رسوائی ہے

ایک شعر کی ضروری اصلاح | ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ کی شان میں یہ شعر ؎

اگر بخشیں زہے قسمت نہ بخشیں تو شکایت کیا ؛ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

ادب کے خلاف ہے۔ اس میں دعویٰ ہے کہ عذاب جہنم کو ہم برداشت کر سکتے ہیں۔ حالانکہ اس کی ایک چنگاری سے نانی یاد آ جائے گی۔ اس قسم کے مضامین اکثر بے تمیز شعراء گھڑا کرتے ہیں۔ بے صحبت کا آدمی بے ادب ہوتا ہے۔ ادب تو ادب والوں سے آتا ہے۔ ہم جب بندے ہیں تو ہمارے لئے صرف نیازمندی اور بندگی کی شان زیبا ہے۔

زشت باشد روئے نازیبا و ناز ؛ عیب باشد چشم نابینا و باز

روئے نازیبا کے لئے ناز بُرا ہے ؛ جس طرح چشم نابینا کا کھلا رہنا عیب ہے

پھر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں ترمیم فرمائی اور یوں ارشاد فرمایا

اگر بخشیں زہے قسمت نہ بخشیں تو کروں زاری

کہ اس بندے کی خواری کیوں مزاج یار میں آئی

دنیا کی محبت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم موت کو بھولے رہتے ہیں۔

خلق الموت والحیاۃ میں موت کو مقدم فرمانے کی حکمت | حالانکہ حق تعالیٰ نے موت کو حیات پر مقدم الذکر فرما کر ہمیں تنبیہ فرما دی ہے کہ دیکھو دنیا میں جا تو رہے ہو مگر موت کو

یاد رکھنا۔ خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا۔ پیدا کیا اللہ نے موت اور زندگی کو تاکہ تمھاری جانچ کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے موت زندگی کے بعد آتی ہے لیکن اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں موت کو زندگی سے پہلے ذکر فرمایا ہے تاکہ دنیاوی زندگی کے چند روزہ عیش و آرام میں موت کی یاد بندوں کو آخرت سے غفلت میں نہ مبتلا ہونے دے۔

کثرت سے موت کو یاد کرنے کی حدیث

حضور صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں موت کو کثرت سے یاد کرتے رہو کیونکہ موت کی یاد تمام لذتوں کو توڑ دینے والی ہے۔ اکثروا ذکر ھاذم اللذات یعنی الموت (الحدیث)

ہمارے خواجہ صاحبؒ نے مراقبۂ موت کا ایک رسالہ لکھا ہے جو نہایت مفید اشعار کا مجموعہ ہے۔ جس کے چند شعر یاد ہیں۔

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم — رفتہ رفتہ چپکے چپکے دمبدم
قبر میں میت اترنی ہے ضرور — جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے — ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

حضرت عارفؒ فرماتے ہیں

اطلس عمرت بمقراض شہور — پارہ پارہ کرد خیاط غرور

ترجمہ :- مولانا فرماتے ہیں کہ اے شخص تیری عمر کے تھان کو مہینوں کی مقراض کے ذریعہ خیاط غرور نے یعنی دنیا نے پارہ پارہ کر دیا۔

دنیا کی بے ثباتی کو غور سے سوچنا چاہئے اور عبرت حاصل کرنا چاہئے کسی نے دنیا کی حقیقت خوب بیان کی ہے۔

جام تھا ساقی تھامے تھی اور در میخانہ تھا ؛ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے ماں باپ کو قبرستان میں دفن کیا ہے. کل ہماری اولاد ہمکو قبرستان میں دفن کرے گی. یہ ایک سلسلہ چلا آرہا ہے۔ اور ہر روز ہمارے اوپر موت کا ایک نمونہ گذرتا ہے تاکہ ہم عبرت حاصل کریں۔

حدیث النوم اخت الموت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ النوم اخت الموت. نیند موت کی بہن ہے. یعنی نیند موت کے مشابہ ہے۔ جب آدمی سو جاتا ہے تو موت کے آثار اس پر ہیبت جاتے ہیں. سویا ہوا انسان نہ تو اپنی مصیبتوں سے غمگین ہے نہ اپنے مال اور دولت سے مسرور ہے ایک عالم ہی دوسرا ہے جسکو حضرت عارف فرماتے ہیں

شب ز زنداں بے خبر زندانیاں ؛ شب ز دولت بے خبر سلطانیاں

رات میں قیدی اور بادشاہ برابر ہو جاتے ہیں رات کو قیدی قید خانے سے بے خبر (سو رہا) ہے اور رات کو اہل سلطنت اپنی دولت سے بے خبر (سوتے) ہیں یعنی مرنے کے بعد جس طرح خاک نشین اور تخت نشین سب برابر ہو جاتے ہیں اسی طرح زندگی میں بھی حق تعالیٰ نے رات کو موت کا نمونہ بنایا ہے تاکہ ہر روز ہمارے بندے اپنے اوپر آثار موت کا مشاہدہ کرکے ہمیں پہچان لیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

نیند سے استدلال توحید اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی۔ ان فی ذلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون (ترجمہ و تفسیر از بیان القرآن)

اللہ ہی قبض کرتا ہے یعنی معطل کرتا ہے ان جانوں کو جنکا وقت موت کا آگیا ہے ان کی موت کے وقت (من کل الوجوہ) اور ان جانوں کو بھی جنکی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت (من بعض الوجوہ) کہ حیات باقی رہتی ہے ادراک نہیں رہتا اور موت میں دونوں چیزیں بدن میں نہیں رہتی ہیں پھر معطل کرنے کے بعد ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف

عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو جو نوم میں ہوئی تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعاد معین یعنی مدت عمر تک کیلئے رہا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے پھر وہ ارواح ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں۔ اس مجموعہ تصرف مذکورہ میں ان لوگوں کے لئے جو سوچنے کے عادی ہیں خدا تعالیٰ کی قدرت پر نشانیاں ہیں جن سے توحید پر استدلال کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

حق تعالیٰ کی معرفت کیلئے چند نشانیوں کا ذکر۔

ومن آیاتہ خلق السمٰوٰت والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذالک لآیٰت للعالمین

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب و لہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے۔ اس میں دانشمندوں کے لئے نشانیاں ہیں

ومن آیاتہ منامکم باللیل والنہار وابتغاء کم من فضلہ ان فی ذالک لآیات لقوم یسمعون اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات میں اور دن میں اور اسکی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔

حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ لقوم یسمعون کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ نشانیاں سننے والوں کے لئے یعنی جس طرح اپنے سونے کا احوال نظر نہیں آتا سو لوگوں کی زبانی سنتے ہیں ۱۲

نیند کو حق تعالیٰ انسان کی لازمی فطرت قرار دیکر ہر روز موت کا اور ترک دنیا کا سبق پڑھاتے ہیں اور مرتے دم تک اس سبق کا تکرار جاری رہتا ہے۔ حضرت رومیؒ فرماتے ہیں

شب ز زنداں بے خبر زندانیاں | شب ز دولت بے خبر سلطانیاں

رات کو جب لوگ سو جاتے ہیں تو قیدی لوگ قید خانہ سے اور سلاطین اپنی سلطنت اور دولت سے بے خبر ہو جاتے ہیں اور اس بے خبری کے سبب دونوں کی ایک حیثیت

ہو جاتی ہے اور یہی حالت مرنے کے بعد ہو جاتی ہے۔ چہ بتخت مردن چہ بروئے خاک خواہ تخت شاہی پر مرے یا خاک پر مرے سب مُردے یکساں ہو جاتے ہیں بے بسی اور عاجزی میں۔ خواہ بادشاہ ہو یا فقیر ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل سب خاکی تھے پس خاک کی طرف لوٹ کر ایک حقیقت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اسی کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں منہا خلقنا کم اسی مٹی سے ہم نے تم لوگوں کو پیدا کیا ہے وفیہا نعیدکم اور اسی مٹی میں تم لوگوں کو لوٹا دیں گے۔ ومنہا نخرجکم تارۃً اُخریٰ اور اسی مٹی سے تم لوگوں کو دوبارہ اٹھا کھڑا کریں گے یعنی قیامت کے دن حساب و کتاب کے لئے پھر زندہ کردیں گے۔ پس ہر انسان خاکی ہے اگرچہ ہر ایک کی صورت اور ہر ایک کا رنگ جُدا گانہ ہے۔ اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

انسان کی حقیقت

ہندو قیچاقی و رومی و حبش ؛ جملہ یک رنگ اند اندر گور خوش

ترجمہ:۔ ہندی اور قیچاقی جو ایک قوم ہے ترکوں کی اور رومی اور حبشی یہ سب کے سب قبروں میں پہنچکر ایک حقیقت ہو جاتے ہیں یعنی سب کے سب خاک ہو جاتے ہیں۔

زخاکے بخیہ بر گل می زنند ۔۔۔ جملہ راہم باز خاکے می کنند

ترجمہ:۔ خاک ہی سے گارے پر بخیہ بناتے ہیں یعنی اجزاء غذائیہ جو دراصل خاک ہیں اس کو حق تعالیٰ شانہ جسم کے ساتھ جزء بدن کر دیتے ہیں۔ پس یہ غذائیں اور یہ بدن چونکہ دونوں خاکی ہیں اس لئے مرنے کے بعد (بقاعدہ کل شیٔ یرجع الی اصلہ ہر شئے اپنی اصل حقیقت کی طرف لوٹ جاتی ہے) خاک ہو جاتے ہیں۔

تا بدانی کاں ہمہ رنگ و نگار ۔۔۔ جملہ رو پوش است و مکر و مستعار

تاکہ تم جان لو کہ دنیا کے سب نقش و نگار سب آخرت کے لئے حجاب ہیں نمائش ہیں اور عارضی ہیں باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے کسی عربی شاعر نے خوب کہا ہے۔

لکل شیٔ اذا فارقتہ عوض ۔۔۔ ولیس للہ ان فارقت من عوض

ہر شئے کے لئے جس سے تم جدا ہو جاؤ بدل موجود ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے تم اگر جدا ہوئے تو اس ذات پاک کا کوئی بدل نہیں ہے۔

دنیا کی عمدہ عمدہ غذاؤں کی حقیقت اب دنیا کی عمدہ عمدہ غذاؤں کی حقیقت حضرت عارفؒ فرماتے ہیں۔

این کباب و این شراب و این شکر — خاک رنگین است نقشیں اے پسر

یہ کباب اور یہ شراب اور یہ شکر دراصل یہی خاک ہے جس کو حق تعالیٰ شانہ نے اے لڑکے رنگین اور منقش کر دیا ہے۔

خاک را رنگ و فن و شنگے دہد — طفل خوباں را بداں جنگے دہد

حق تعالیٰ کی صنعت عجیبہ حق تعالےٰ اپنی صنعت سے خاک کو رنگ اور ڈھنگ اور شنگ دیتے ہیں یعنی اس خاک میں رعنائی اور زیبائی دیتے ہیں پس اطفال خصلت لوگ خاک کے ظاہری نقش و نگار پر جنگ کرتے ہیں

از خمیرے اشتر و شیرے پزند — کودکاں از حرص آں کف می زنند

والدین آٹے کا اونٹ اور شیر پکاتے ہیں لڑکے اس اونٹ اور شیر کی صورت دیکھ کر حرص سے اپنا ہاتھ چوستے ہیں۔

شیر و اشتر نان شود اندر دہاں — در نگیرد ایں سخن با کودکاں

آٹے کا وہ شیر اور اونٹ منہ میں جا کر روٹی ہو جاتا ہے مگر یہ بات لڑکوں کی سمجھ میں نہیں آتی ہے

انسان درحقیقت کب بالغ ہوتا ہے

خلق اطفال اند جز مست خدا — نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

مخلوق سب کی سب بچے ہیں اگرچہ باعتبار عمر کے بوڑھے ہی ہوں بجز مستان خدا کے کیونکہ انسان جب تک خواہشات نفسانیہ سے خلاصی نہ پالے اس وقت تک بالغ نہیں ہوتا یعنی بالغ ہونے کا جو اصل مفہوم کامل العقل ہونا ہے اس مفہوم کا مصداق

وہ بلوغ ہوتا ہے جو اللہ والوں کو مجاہدہ وریاضت سے نصیب ہوتا ہے یعنی شیخ کامل کی صحبت اور مجاہدہ کی برکت سے جب خواہشات نفسانیہ مرضیات الٰہیہ کے بالکل تابع ہوجاتی ہیں اس وقت اس کی عقل درحقیقت بالغ ہوگئی کیونکہ اب نفس پر حاکم اور حکمران ہوگئی اور پہلے نفس اس پر حاکم اور حکمران تھا۔ اب یہ شخص اللہ والا ہوگیا۔ کیونکہ اب اپنی خواہشات کی باگ اسی طرف پھیرتا ہے جس طرف اپنے اللہ کی خوشنودی اور مرضی دیکھتا ہے۔ اب گناہوں کے تقاضوں کو حمام تقویٰ میں مثل ایندھن کے جلادیتا ہے جو بُری خواہشات کہ پہلے تاریکی اور ظلمت کا سبب تھیں اب حمام تقویٰ میں ایندھن بن کر نور تقویٰ پیدا کرنے لگیں۔

قلب انسانی کب محل نور ربانی ہوتا ہے اور جس قلب میں تقویٰ کا نور آجاتا ہے تو اب وہ شاہی محل ہوگیا اب نور حق کے لایق ہوگیا۔ اللہ نور السمٰوٰت والارض چونکہ حق تعالیٰ کی ذات پاک نور ہے اس لئے نورانی قلب کو اپنی تجلی کے لئے پسند فرماتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں

آنچہ طور ش برنتابد اے کیا　　　قدرتش اندر زجاجے ساخت جا

جس نور کا کہ طور متحمل نہ ہو سکا حق تعالیٰ کی قدرت نے اس نور کو مومن کے دل میں رکھدیا۔

گشت مشکوٰۃ زجاجی جائے نور　　　کہ ہمی درد زنور آں قاف و طور

جس نور سے کوہ قاف اور کوہ طور پارہ پارہ ہوجاتا ہے قدرت حق سے یہ مشکوٰۃ زجاجی یعنی مومن کا قلب اس نور کا محل بن گیا۔

در دل مومن بگنجم ہمچوں ضیف　　　بے زچون وبے چگونہ بے زکیف

قلب مومن میں میں سماجاتا ہوں مثل مہمان کے بلاچون اور بلاچگوں اور بلا کیف کے۔ حدیث قدسی ہے ما وسعنی سمائی ولا ارضی ولکن وسعنی قلب عبدی

المومن - ترجمہ :- میری وسعت کا تحمل نہ میرا آسمان کرسکا نہ میری زمین کرسکی لیکن میرے مومن بندے کے قلب نے میری وسعت کا تحمل کرلیا ہمارے خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

کہیں کون ومکاں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

الحمدللہ کہ معرفت الٰہیہ حصہ اول تمام ہوا۔ اس حصہ میں بفضلہ تعالیٰ حق تعالیٰ کی پہچان کے جو ذرائع اور طریقے ہیں وہ بحسن وخوبی کافی تفصیل سے جمع ہوگئے ہیں۔ حصہ ثانی میں اس امر کی تفصیل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان کے بعد بندوں پر عبدیت اور فنائیت کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے معرفت الٰہیہ کی دونوں جلدوں کو قبول فرمادیں۔ اور مجھکو اور تمام مسلمانوں کو اپنی معرفت کاملہ نصیب فرمادیں

جامہ پوشاں را نظر بر گازر است
روح عریاں را تجلی زیور است (رومیؒ)

وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

عبدالغنی

معرفتِ الٰہیہ

حصّہ دوم

معرفتِ الٰہیہ کے آثار و لوازم جب بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اپنی ذلت اور بندگی کا بصیرتِ قلب سے مشاہدہ کر لیتا ہے تو عظمتِ الٰہیہ سے ہر وقت دیا رہتا ہے ایک عجیب شان فنائیت کا حال طاری ہو جاتا ہے اور یہ حال راسخ ہو کر مقام بن جاتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق میرے مرشد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ

مقام فنائیت اخلاص سے بھی اونچا مقام ہے اخلاص سے بھی ایک اونچا مقام ہے اور وہ فنائیت کا مقام ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اخلاص میں کسی قدر اپنے اوپر نگاہ ہوتی ہے گو یہ نظر مذموم نہیں ہوتی کیونکہ اپنے اعضاء سے صدور اعمال حسنہ کو منجانب اللہ انعام سمجھتا ہے لیکن ان اعضاء کو اپنے احساس اور ادراک میں اپنے ساتھ منسوب کرتا ہے اور یہ کوئی امر غیر مستحسن نہیں ہے لیکن فنائیت کا درجہ اس سے بھی مافوق ہے اس درجہ میں اپنی ہستی اور صفات ہستی سے نظر اٹھ جاتی ہے۔ جیسے چراغ آفتاب کے سامنے اپنے وجود کو کالعدم پاتا ہے یعنی اپنے نور کو نور آفتاب کے سامنے اس درجہ مضمحل ضعیف النور پاتا ہے کہ اپنے اوپر نظر کرنے سے شرماتا ہے پھر اس نور آفتاب حقیقی کی کیا شان ہو گی۔

جُرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند | صاف گر باشد ندانم چوں کند

خاک آمیز جرعہ جب مجنوں کرتا ہے تو صاف اگر ہو تو میں نہیں جانتا کہ کیا سے کیا کر دے۔ کیا سے کیا کر دے پر اپنے ایک دوست مولانا محمد احمد صاحب پرتا بگڈھی کا ایک شعر یاد آگیا۔ خوب فرمایا ہے۔

نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا ؛ جو دستارِ فضیلت گم ہو دستارِ محبت میں

(مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھی)

عارف کی شان

جب عارف حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا آفتاب دیکھ لیتا ہے تو پھر اپنی ہستی اور ہستی کے تمام آثار و صفات کی طرف التفات کرنے سے شرماتا ہے۔

کیں چہ بدکارم کہ جملہ نیستم | پس چرا پیشت بہستی ایستم

ترجمہ :- میں کس قدر ذلیل ہوں کہ میری ذات حادث اور فانی ہے۔ پس اے اللہ آپ کے سامنے آتے ہوئے میں اپنی اس لچر ہستی کو لیکر کیوں کھڑا ہوں۔

مولانا سید سلیمان صاحب کا واقعہ

مولانا سید سلیمان صاحب نے ایک بار حضرت مرشد پاک تھانویؒ سے عرض کیا کہ حضرت فقیری کس چیز کا نام ہے۔ ارشاد فرمایا کہ فقیری نام ہے اپنے کو مٹا دینے کا۔ اس بات کو سن کر سید صاحب پر گریہ طاری ہو گیا، تمام سلوک اور تصوف کا حاصل یہی ہے کہ اپنے کو مٹا دیا جائے۔

منتہائے سیر سالک شد فنا | نیستی از خود بود عین البقا (عارف رومی)

مٹا دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خود کشی کر لی جائے۔ مٹانے کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے تمام ارادوں کو اپنی تمام خواہشات کو مرضیات اور ارادات الٰہیہ کا غلام اور تابع بنا دیا جاوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ اپنے

تمام خواہشات کو میرے لائے ہوئے احکام خداوندی کے تابع نہ کردے اسی تابع کردینے کا نام فنائیت ہے۔ اور عادۃ الٰہیہ یہی ہے کہ یہ دولت بدون کسی پیر کامل کی صحبت کے میسر نہیں ہوتی ہے حضرات صحابہؓ کو یہ دولت یعنی فنائیت کیسے حاصل ہوئی تھی۔ اسکا جواب خود لفظ صحابی میں موجود ہے۔ صحابی کا لفظ سُن کر ذہن منتقل ہوجاتا ہے کہ صحبت یافتہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

نفس نتوان کشت الا ظلِ پیر　　　دامن آن نفس کش را سخت گیر

حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ نفس نہیں فنا ہوتا ہے مگر پیر کامل کے سایہ سے پس اس نفس کش کا دامن مضبوط پکڑ لو۔

مرنے سے پہلے مرجانے کا مطلب

موتوا قبل ان تموتوا یعنی مرجاؤ مرنے سے پہلے اور عدّ نفسک من اھل القبور اپنے نفس کو اہل قبور میں سے شمار کرو۔ ان دونوں حدیثوں کا یہی مفہوم ہے جو مذکور ہوا یعنی اپنی مرضیات نفسانیہ کو مرضیات الٰہیہ کا غلام بنادیا جائے جس طرح وہ چاہیں تصرف فرمائیں۔ جہاں ان کی بھی مرضی ہو وہیں اپنی خواہش پر عمل ہو اور جہاں ان کی مرضی نہ ہو اس خواہش کے تقاضے پر عمل نہ کریں اور صبر کرلیں اسی کا نام مجاہدہ ہے اور اسی مجاہدہ سے بندہ اللہ تک پہنچتا ہے لیکن چونکہ مریض کی رائے بھی بیمار رہتی ہے۔ اس لئے اپنا علاج خود نہیں کرسکتا کسی اللہ والے سے تعلق اصلاح کے لئے کرنا فرض ہے۔ جب اصلاح نفس فرض ہے تو اصلاح نفس جس کے تعلق اور جس کی صحبت پر موقوف ہے وہ بھی فرض ہے۔ البتہ مرید ہونا سنت ہے فرض نہیں ہے جس کا جی چاہے سنت کی برکت کیلئے بیعت بھی ہوجائے۔

خشیتِ حق بقدرِ معرفتِ حق پیدا ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ کی معرفت جس قدر حاصل تی

ہے اسی قدر اس معرفت کے لئے اللہ تعالیٰ کی خشیت لازم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اے لوگو میں تم سب سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ جاننے والا ہوں اس سبب سے تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔ انی اعلمکم باللہ و اتقاکم (الحدیث) ترجمہ :۔ میں تم سب سے زیادہ عالم باللہ ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ حضور جب کھانا تناول فرماتے تھے تو ارشاد فرماتے تھے کہ انا اکل کما یاکل العبد میں اس طرح بیٹھ کر کھاتا ہوں جس طرح غلام بیٹھ کر کھاتا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی شان عبدیت کو شان رسالت پر مقدم فرمانا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عبدیت اور شان غلامی کو شان رسالت پر مقدم فرما کر امت کو بہت بڑا سبق پڑھا دیا۔ اشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں عرض کرتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمد اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہے۔ بندگی کو مقدم فرمایا۔ اس کے اندر تعلیم ہے کہ اے میری امت کے لوگو! نبوّت کا دروازہ تو ختم ہو چکا ہے لیکن ولایت کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا تم میں بڑے بڑے درجے کے اولیاء اللہ پیدا ہوں گے۔ مگر بندگی کا یہ سبق مت بھولنا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمہیں ابدال۔ اقطاب۔ اوتاد۔ غوث۔ مجدد۔ جو چاہیں بنا دیں لیکن میرا اسوۂ حسنہ سامنے رکھنا اور یاد رکھنا کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حضور میں اپنا بندہ ہونا پہلے عرض کیا ہے پھر اس اظہار عبدیت کے بعد انعام رسالت کا ذکر فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم راتوں میں نماز کے اندر اس قدر قرآن پڑھتے تھے کہ کھڑے کھڑے پا مبارک سوج آتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبود یت

لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ ما عبدناک حق عبادتک اے اللہ آپ کی عظمت

اور جلالت کے شایان شان محمد سے عبادت نہ ہو سکی جن کے رتبے ہیں سو اُن کو مشکل ہے۔

غیر عارف کا جہل غیر عارف بے سمجھ آدمی جب کچھ نفلیں پڑھنے لگتا ہے تو خود کو اللہ تعالیٰ کا مقرب اور نہ جانے کیا کیا سمجھ لیتا ہے۔ اور دوسروں کو حقیر نظر سے دیکھنے لگتا ہے یہ بڑی کم ظرفی اور نا اہلی اور جہل ہے۔ عابد غیر عارف کو شیطان اپنا کھلونا بنا لیتا ہے۔

شیطانی زہر اور جس زہر کو پی کر مردود ہوا تھا وہی انا خیر کا زہر آلود سبق پڑھا دیتا ہے۔

کم ظرف اور اہل ظرف کا فرق کم ظرف جلد ابل جاتا ہے اور اہل ظرف میں تحمل ہوتا ہے۔ عارفین کے حوصلے بھی نور معرفت کی برکت سے بلند ہوتے ہیں باز سلطان دیدۂ شیر نر کا شکار کرتا ہے وہ معمولی جانوروں کے شکار کا خیال بھی دل میں نہیں لاتا۔

عارف کا حوصلہ عارفین کے حوصلوں کو کون پا سکتا ہے جبکہ وہ سارے جہان سے رُخ پھیرے ہوئے صرف اللہ کے طالب ہیں۔

شد صفیر باز جان در مرج دین ‌ ‌ ‌ ‌ نعرہائے لا احب الآفلین

روح عارف کی آواز عارف کی جان جو قرب سلطان سے مثل باز شاہی کے ہے دین کی چراگاہ میں لا احب الآفلین کے نعرے لگا رہی ہے یعنی رُوح عارف کی آواز یہ ہے کہ میں فنا ہونے والی مخلوقات سے محبت نہیں کرتا ہوں اور نہ کروں گا۔

ملک دنیا تن پرستاں را حلال ‌ ‌ ‌ ‌ ما غلام عشق ملک لازوال

یہ دنیائے فانی کا ملک تن پرستوں کو مبارک ہو۔ ہم تو ملک عشق لازوال کے غلام ہیں۔

حکایت ایاز اور شاہ محمود مولانا رومیؒ نے ایاز اور محمود کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ جب ایاز محمود کا محبوب اور مقرب ہو گیا تو ارکین سلطنت کو ایاز پر حسد ہونے لگا رفتہ رفتہ یہ خبر محمود کو ہوئی۔ محمود بادشاہ نے ایاز کی خوبی اور اس کا کمال ارکین سلطنت پر ظاہر کرنے کے لئے ایک بار بہت سے

بیش قیمت موتی اور جواہرات بکھیر دیئے اور اعلان کر دیا کہ جو جس چیز پر ہاتھ رکھ دے وہ اُسی کی ہے۔ ہر ایک نے حرص اور طمع سے مختلف چیزوں پر اور جواہرات اور موتیوں پر اپنے اپنے ہاتھ رکھدیئے اور ایاز نے اٹھا اور شاہ محمود کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھدیئے کہ میں تو صرف آپ کو چاہتا ہوں۔ یہ ہے عقل کامل کہ جب بادشاہ ہمارا ہوگا تو ساری سلطنت ہماری ہوگی۔ یہ حوصلے کی بات ہوتی ہے۔

سرمدِ غم عشق بوالہوس را ندہند　　　سوزِ غم پروانہ مگس را ندہند

عارفین کی یہی شان ہوتی ہے کہ سارے جہان سے مستغنی ہو کر اللہ تعالیٰ ہی کی یاد میں لگے ہوئے ہیں۔ ؎

بسودائے جاناں زجاں مشتغل　　　بذکر حبیب از جہاں مشتغل
بیادِ حق از خلق بگریختہ　　　چناں مست ساقی کہ مے ریختہ

(سعدی شیرازیؒ)

ترجمہ:۔ محبوب حقیقی کی محبت میں ایسے سرگرم ہیں کہ اپنی جان سے بھی بے پرواہیں اور سارے جہان سے بے پرواہو کر ذکر حبیب میں لگے ہوئے ہیں یادِ حق میں مخلوق سے بھاگے ہوئے ہیں اور ساقی ازلؒ کے ایسے مست ہیں کہ نعمتوں کی طرف سے التفات جاتا رہا اور منعم حقیقی کی ذات پر ہر وقت ٹکٹکی بندھی ہوئی ہے۔

عارف اپنی ہر عبادت میں حق تعالےٰ کی عظمت اور کبریائی کے پیش نظر نقصان اور قصور دیکھتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرض نماز کے بعد استغفار فرمانے کی حکمت

یہی راز ہے کہ نماز فرض کے بعد

سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم استغفار فرمایا کرتے تھے، نماز کے بعد فوراً استغفار کرنے میں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ استغفار نام ہے کسی معصیت سے مغفرت طلب کرنے کا اور نماز ایک محبوب ترین عبادت ہے تو اس اشکال کا یہی حل ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے شایانِ شان نماز کا حق بندوں سے ادا نہیں ہو سکتا ہے اس لئے نماز کے بعد بندہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ آپ کی کبریائی کے مقابلہ میں میری غلامی میں جو نقصان اور قصور ہوا ہے میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ اور دنیا میں اس کا نمونہ بھی موجود ہے جب کسی معزز مہمان کو رخصت کرتے ہیں تو باوجود صد احترام اور آداب و مہمان نوازی بجا لانے کے نہایت شرمندگی سے نیاز مندانہ چہرہ بنا کر کہا کرتے ہیں کہ کیا بتاؤں آپ کی خاطر کا حق ادا نہ ہو سکا کوئی تکلیف ہوئی ہو تو معاف فرمائیگا۔

جب ایک بندہ بندوں کے حق میں کامل طور پر مطمئن نہیں ہوتا ہے کہ نہ معلوم کون سی بات مہمان کو ناگوارِ خاطر ہوئی ہو تو کہاں بندہ اور کہاں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک۔ چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا۔

پس عارفین ہر عبادت کے بعد اللہ تعالےٰ سے استغفار کرتے ہیں کہ اے اللہ جو کچھ مجھ سے اس عبادت میں کوتاہی ہوئی ہے معاف فرما دیجئے وہ جاہل عابد ہوتا ہے جو عبادت کر کے اپنے کو کچھ سمجھنے لگتا ہے۔

حضرت نانوتویؒ کی شانِ فنائیت

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے عالم تھے اور درویش کامل تھے مگر ایسی سادگی تھی کہ اجنبی شخص دیکھ کر یہ بھی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ مولانا کچھ پڑھے لکھے ہوں گے۔ اکثر کرتہ لنگی میں رہتے تھے کسی نے حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت مولانا قاسم صاحب نے اپنے کو بہت مٹا دیا ہے تو فرمایا

کہ ابھی کیا مٹایا ہے؟ اللہ اکبر بجائے فنائیت کے کس مقام پر مولانا کو حضرت حاجی صاحب دیکھنا چاہتے تھے۔

اخبات کی تعریف اللہ تعالیٰ کی عظمت سے دب جانے کا نام اخبات ہے ارشاد فرماتے ہیں ان الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات واخبتوا الی ربھم اولئک اصحاب الجنۃ ھم فیھا خالدون۔

ترجمہ :۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اچھے عمل کئے اور اپنے رب کی طرف جھکے ایسے لوگ اہلِ جنت ہیں اور وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اخبتوا کی ضمیر عملوا الصالحات اور اٰمنوا دونوں سے متعلق ہے یعنی ایمان کے ساتھ بھی اخبات کی کیفیت ملی ہو اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ بھی اخبات کا تعلق ہو۔ قرآنِ کریم میں جہاں جہاں ایمان اور اعمالِ صالحہ کا مطلق تذکرہ ہے وہاں وہاں یہ قید اخبات بھی ملحوظ ہے۔ تفسیر کا یہ اصول ہے کہ جب ایک حکم کسی جگہ مقید ہوگیا تو جہاں جہاں وہ مطلق بھی مذکور ہوگا اس قید سے مقید سمجھا جائے گا۔

استحضارِ عظمتِ الٰہیہ جس شخص پر جس درجہ عظمت الٰہیہ کا استحضار ہوگا اسی قدر اس کا اخبات بھی قوی ہوتا ہے۔ دنیا میں اس کا نمونہ موجود ہے کہ جب کسی بڑے حاکم کے سامنے معمولی آدمی کھڑا کر دیا جاتا ہے تو خوف کے مارے کانپنے لگتا ہے عجیب سکتہ سا طاری ہو جاتا ہے پس جن بندوں نے اللہ تعالیٰ کو جو احکم الحاکمین ہے پہچان لیا ہے ان پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی سے اور اپنی بندگی اور عاجزی سے ایک عجیب کیفیت تواضع اور فنائیت کی طاری رہتی ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں عباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا

رحمٰن کے محبوب اور مقبول بندوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ زمین پر نہایت مسکنت اور عبودیت سے چلتے ہیں ان کی چال سے ھون یعنی غلامی کی شان ٹپکتی ہے۔

ھوناً "ھون" لغت میں ذلت اور خواری کو کہتے ہیں مگر جو ذلت اور خواری کہ بندہ اپنے اللہ کی عظمت کے پیش نظر اپنے اندر دیکھتا ہے اس پر لاکھوں عزتیں اور سلطنتیں قربان ہو جائیں۔ خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں

خاک میں کس نے ملایا یہ تو دیکھ   شکر کر مٹی سوارت ہو گئی

واقعی انسان کی مٹی جبھی سوارت ہوتی ہے جب اپنے محبوب حقیقی اللہ تعالےٰ شانہٗ کے لئے اپنے کو مٹا دے اسی مٹانے میں انسانیت کی معراج ہے۔

تواضع کا صحیح مفہوم

من تواضع اللہ رفعہ اللہ (حدیث) جو اللہ کے لئے اپنے کو گراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتا ہے۔

وضعٌ کے معنی لغت میں رکھ دینے کے ہیں۔ باب تفاعل میں اس کے معنی اپنے کو گرا دینے کے ہیں۔ گرانا کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے سامنے اپنی تمام خواہشات کو بندہ بنا دے۔ جس چیز کو دیکھنے کی اجازت دیں وہاں آنکھ کھل جائے جس چیز سے منع فرما دیں کہ اس کو مت دیکھ وہاں آنکھیں نیچی ہو جائیں اسی طرح ہر خواہش پر عمل ہو۔

اور اپنے کو سب سے حقیر اور کمتر سمجھنا اور دوسروں کو اپنے سے اچھا سمجھنا یہی تواضع کا مفہوم ہے۔ ایک دفعہ ایک عربی کے مدرسہ میں دورۂ حدیث کے طالب علموں کا امتحان لینے کا اتفاق ہوا ایک طالب علم سے میں نے اسی حدیث کے متعلق دریافت کیا کہ یہاں تواضع کا کیا مفہوم ہے جواب دیا کہ تواضع کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مہمان آجاوے تو حُقّہ اور پان سے خوب خاطر تواضع کرے۔ استغفر اللہ۔ ایسے ایسے طالب علم بھی ہوتے ہیں۔ اس بیچارے نے تواضع کا وہ

مطلب سمجھا جو عوام سمجھتے ہیں۔

عبدیت اور فنائیت یہ بہت وسیع مضمون ہے جس کو حق تعالیٰ جس درجے کی فہم عطا فرماتے ہیں اسی درجے کی اس کے اندر عبدیت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ لا یجزون الا بقدر عقولھم ہر شخص اپنی عقل کے اعتبار سے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

دین کی فہم بڑی نعمت ہے دین کی فہم وہ نعمت ہے کہ عارف کی دو رکعت غیر عارف کی ہزار رکعت سے بہتر ہوتی ہیں کیونکہ عارف سمجھ کر عبادت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت سامنے ہوتی ہے نماز میں ہاتھ باندھے ہوئے ہے اور یہ دھیان بھی بندھا ہوا ہے کہ میں ایک حقیر بندہ ہوں اور میرا خالق پروردگار میرے سامنے ہے

نماند سرا پردہ الاجلال　　　　بدر ویقیں پردہ ہائے خیال

معرفت سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت کبر اور نخوت کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے

ہر کہ را جامہ عشقی چاک شد　　　　او ز حرص وعیب کلی پاک شد

جس شخص کا جامہ اللہ تعالےٰ کی محبت سے چاک ہو گیا وہ حرص اور جملہ امراض سے پاک ہو گیا۔

ایک اُن سے کیا محبت ہو گئی　　　　ساری دنیا ہی سے نفرت ہو گئی

محبت سے دین مستحکم نصیب ہوتا ہے محبت سے جس قدر مضبوط دین ہوتا ہے اس قدر دلائل سے نہیں میسر ہوتا ہے بے محبت کی پرہیزگاری ذرا سی دیر میں ٹوٹ جاتی ہے اور محبت والا جان دے دیتا ہے

ہمارے خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے　　　　سر زاہد نہیں یہ سر سر سودائی ہے

لاکھ چھڑ کو اب کہاں پھرتا ہے دل　　　　ہو گئی اب تو محبت ہو گئی

خواجہ صاحب کا ایک واقعہ ایک بار ہمارے مرشد پاک حضرت تھانوی رح نے حضرت خواجہ صاحب رح پر عتاب فرمایا اور حکم فرمایا کہ مجلس میں شرکت کی اجازت نہیں ہے حضرت خواجہ صاحب رح بڑے عاشق زار تھے ایک شعر میں اپنی محبت کا اظہار فرمایا۔

اُدھر وہ در نہ کھولیں گے اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں اُن کی کہیں میری

محبت والا کسی حال میں ہمت ہار کے محبوب کی طلب کو ترک نہیں کرتا ہے ؎

دست از طلب ندارم تا کار من بر آید ۔۔۔ یا تن رسد بجاناں یا جاز تن بر آید

میں محبوب کی طلب سے باز نہ رہوں گا یہاں تک کہ میں مقصود تک نہ پہنچ جاؤں یا تو میرا تن محبوب تک پہنچ جائے گا یا تو جان ہی تن سے جدا ہو جائیگی محبت کی یہی شان ہوتی ہے کہ محبوب کی ہر ادا سے خوش اور راضی رہتا ہے

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں ۔۔۔ شرط اول قدم آں ست کہ مجنوں باشی

منزل لیلیٰ کے راستہ میں جان پر بہت سے خطرات ہیں۔ شرط اول قدم یہ ہے کہ تو مجنوں ہو جائے پھر کوئی مشکل نہیں اور جب تک مجنوں نہیں ہوگے تو ہر زخم سے بھاگ نکلو گے۔

تو بہر زخمے گر بزانی ز عشق ۔۔۔ تو نمی دانی بجز نامے ز عشق

اے مدعی تو ہر زخم سے عشق سے بھاگتا ہے تو بجز نام عشق کے کام عشق سے بے خبر ہے۔

معرفت حق سے جو بندگی اور غلامی کی شان پیدا ہوتی ہے وہ غیر عارف کو کہاں میسر ہو سکتی ہے۔

حضرت مرشد پاک تھانوی رح کی شانِ عبدیت ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ مجھے کبھی یاد نہیں آتا کہ میں نے چارپائی کے پائنتی کھانا رکھ کر کھایا ہو اور مجھے کبھی یاد نہیں آتا

کہ میں نے اپنی چھڑی کا نچلا حصہ قبلہ رو رکھا ہو۔ اور۳ مجھے کبھی یاد نہیں آتا کہ میں نے نوکر کو کبھی پیسہ زمین پر پھینک کر دیا ہو۔ اور۴ مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی داہنے ہاتھ میں جوتا لیا ہو۔ اور۵ مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی روپیہ بائیں ہاتھ میں لیا ہو۔ اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں جب کسی کو اس کی اصلاح کے لئے ڈانٹتا ہوں تو اس وقت میں اپنے کو بھنگی سمجھتا ہوں اور مخاطب کو شاہزادہ سمجھتا ہوں جس طرح کہ بادشاہ شاہزادوں کی تعلیم اور تادیب کے لئے جلاّد کو حکم دیتا ہے کہ اس کو دُرّے لگاؤ لیکن جلاّد سے پوچھو کہ اس پر کیا گذرتی ہے اس حکم سے کانپ جاتا ہے اور لرزہ براندام اس حکم کی تعمیل کرتا ہے اور شاہزادوں کی تحقیر کا تو کیا وسوسہ آتا خود اپنی خیر مناتا رہتا ہے کہ بادشاہ کی نظر کہیں بدلی تو نہ جانے میرا کیا حال ہوگا۔

حضرت فرماتے تھے کہ کسی کو نصیحت کرنا اس وقت میں حرام ہے جس وقت کہ مخاطب کو حقیر سمجھ کر نصیحت کی جائے عین اصلاح اور نصیحت کے وقت اپنے کو کمتر اور مخاطب کو اپنے سے افضل سمجھنا یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق

ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

اصلاح کا منصب بڑا نازک منصب ہے۔

حضرت تھانوی رح کا ایک واقعہ

ایک بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ سڑک سے بوقت صبح گذر رہے تھے سرکاری بھنگی سڑک پر جھاڑو لگا رہا تھا۔ ایک عالم اور مخصوص رفیق نے آگے بڑھ کر مہتر سے کہا کہ بھائی ذرا دیر کو ملتوی کردو تاکہ ہمارے حضرت گرد سے بچ جاویں، حضرت والا نے سُن لیا اور فرمایا کہ آپ کو

کیا حق تھا کہ اس کے سرکاری کام میں دخل دیں وہ اپنی ملازمت کا حق ادا کر رہا ہے، کیا آپ نے مجھ کو فرعون سمجھ لیا ہے۔

اللہ اکبر عجیب عبدیت کی شان تھی۔ ایک طالب نے خط میں باطنی حالت اور فقہی مسائل کا استفسار دونوں جمع کر دیا اس پر حضرت نے فرمایا کہ میں نے ان کو یہ جواب لکھا کہ آپ ایک خط میں فقہی مسائل کو اور احوال باطنی کو جمع نہ کیا کریں اور فرمایا کہ میں نے یہ نہیں لکھا کہ احوال باطنی کو فقہی مسائل کے ساتھ جمع نہ کریں۔ مسائل فقہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قوانین ہیں ان کا ادب اسی امر کو مقتضی تھا۔

بڑوں سے ان کی سمجھ اور فہم کے اعتبار سے حق تعالیٰ ان کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں۔ ایک بزرگ نے بارش دیکھ کر فرمایا کہ اے اللہ شکر ہے کہ بڑے موقع سے آپ نے بارش فرمائی۔ آواز آئی کہ او بے ادب اور میں نے کب بے موقع بارش کی ہے۔ مقرباں را بیش بود حیرانی۔

حضرت تھانویؒ کا دوسرا واقعہ

ہمارے ضلع کے ایک حاجی صاحب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جمعہ کا دن تھا حضرت اپنے کرتے پاجامے میں تشریف لائے حاجی صاحب معمر آدمی تھے بے تکلف تھے عرض کیا کہ حضرت آپ نے عبا نہیں پہنا فرمایا کہ عبا بڑوں کا لباس ہے۔ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آپ بھی تو بڑے ہیں فرمایا کہ میں کیا بڑا ہوں ابھی تو میرا ایک خُلق بھی درست نہیں ہوا۔ اللہ کی کبریائی جن کے سامنے ہوتی ہے وہ اپنے کو سراپا تقصیر سمجھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عبدیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے خلیل کہتے ہیں گاڑھے دست کو واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا۔ اور بنالیا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا گاڑھا

دوست۔ اور ایک جگہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ واذ ابتلےٰ ابراھیم ربّہٗ بکلماتٍ فاتمھن ط قال انّی جاعلک للناس اماما۔ اور جس وقت امتحان کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان کے پروردگار نے چند باتوں میں اور وہ ان کو پورے طور سے بجالائے، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا۔

اس شانِ مقتدائیت اور شانِ خُلّت کے باوجود

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عبدیت کاملہ کی شان دیکھئے۔ عرض کرتے ہیں۔ ولاتخزنی یوم یبعثون (ترجمہ) اے اللہ جس دن حساب اور کتاب کے لئے لوگ اٹھائے جائیں گے اس دن آپ مجھے رسوا نہ فرمائیے گا۔

اور حق تعالیٰ نے اُس دعا پر یہ نہیں فرمایا کہ آپ ہمارے خلیل ہیں ایسی دعا آپ کے لئے زیبا نہیں یا آپ کو میری ذات سے ایسا اندیشہ کیوں ہے حق تعالیٰ نے اس مقام پر سکوت فرما کر یہ بتا دیا کہ ہم بندوں سے بندگی ہی چاہتے ہیں، ہم بندوں کی عاجزی اور خواری اور اُن کی پستی ہی دیکھنا چاہتے ہیں خواہ ہم اپنی عطا سے جس انعام سے چاہیں نواز دیں۔

اب اس مقام پر بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اولوالعزم پیغمبر تھے اور خلیل اللہ تھے تو اللہ تعالیٰ سے آپ کو رسوائی کا گمان کیوں گذرا، دنیا میں کوئی معمولی دوست بھی اپنے دوست کو رسوا نہیں کرتا ہے پھر اس ذات پاک سے خلیل اللہ کو رسوائی کا گمان کیونکر روا ہوسکتا ہے۔

اس ظاہری اشکال کا حل اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کی معرفت انبیاء علیہم السلام کو بدرجۂ کمال نصیب ہوتی ہے۔ جس وقت میں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا کی تھی اس وقت حق تعالےٰ شانہٗ کی جلالت اور کبریائی اور عظمت شان کا ایسا غلبہ ہوگیا تھا کہ

آپ کو اپنی خلّت اور رسالت کی طرف التفات نہ رہا پس اپنی بندگی اور عبدیت کو عظمت الٰہیہ کے سامنے دیکھ کر غلبۂ ہیبت سے یہ دُعا نکل گئی، اور اُس کی تائید میں دوسری نصوص موجود ہیں، قیامت کے دن حق تعالیٰ جب اپنی صفت قہاریت کا ظہور فرمائیں گے اور سوال فرمائیں گے کہ لمن الملك اليوم آج کے دن کس کا ملک ہے، پھر خود ہی جواب فرمائیں گے لله الواحد القهار آج صرف اللہ واحد قہار کی سلطنت ہے اور صرف اسی کا ملک ہے۔ اس وقت میں انبیاء علیہم السلام سے حق تعالیٰ سوال فرمائیں گے ماذا اُجبتم آپ لوگ اپنی اپنی امتوں کی طرف سے کیا جواب دیئے گئے تو عرض کریں گے لا علم لنا انك انت علام الغيوب ہیں تو کچھ علم نہیں بے شک آپ ہی علام الغیوب ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے اس جواب پر بھی بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ہر نبی کو اپنی اپنی امتوں کی طرف سے جو جوابات ملے تھے اس کا تو ان کو علم تھا ہی پھر اس علم سے نفی کیونکر صحیح ہو سکتی ہے تو یہاں بھی وہی بات ہے

انبیاء علیہم السلام پر غلبۂ جلال شان خداوندی

یعنی عظمت اور قہاریت کی شان کے مشاہدے سے انبیاء علیہم السلام کے بھی ہوش اس وقت بجا نہ رہیں گے غلبۂ ہیبت حق سے امت کی طرف سے دیئے ہوئے جوابات یاد نہ آسکیں گے دنیا میں بھی اس کا نمونہ موجود ہے کہ عدالت میں حاکم کے سامنے رٹی رٹائی اور مشق کرائی ہوئی باتیں بھی انسان بھول جاتا ہے۔ پس اس احکم الحاکمین کے سامنے انبیاء علیہم السلام کے علوم پر حق تعالیٰ کی جلالت اور کبریائی کا پردہ پڑ جائیگا

نماند سراپردہ الاجلال　　　بدر رو یقین پردہ ہائے خیال

تحقیق سراپردہ

سراپردہ اس بڑے پردے کا نام ہے جو سلاطین کے بالکل قریب پڑا ہوتا ہے یعنی متعدد پردوں کے بعد یہ آخری پردہ ہوتا ہے۔

تو قیامت کے دن تمام پردے اُٹھا دیئے جائیں گے اور جلال خداوندی کا سراپردہ رہ جائے گا۔

ہمارے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے العلم ہو الحجاب الاکبر کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ جو لوگ علم کو حجاب اکبر کہتے ہیں وہ سخت غلطی میں مبتلا ہے۔

العلم ہو الحجاب الاکبر کی تحقیق حجاب اکبر سے مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ علم خدا سے دور کرتا ہے، حجاب اکبر سے مراد وہ بڑا پردہ ہے جو سلاطین کے سامنے پڑا رہتا ہے جس کو سراپردہ کہتے ہیں، اس کے بعد پھر کوئی پردہ نہیں ہوتا ہے۔

حضرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنہار لاٰیات لاولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاماً وّ قعوداً و علی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلاً سبحانک فقنا عذاب النار۔

ترجمہ:۔ بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لئے جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے اس کو لایعنی نہیں پیدا کیا ہم آپ کو منزہ سمجھتے ہیں سو ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیجئے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ عبث نہیں بنایا یعنی اس عالم کی انتہا ہے دوسرے عالم میں یعنی اس عالم کے اعمال کی دوسرے عالم یعنی عالم آخرت میں بازپرس ہوگی۔

حضرات صحابہؓ کی شان عبودیت ان آیات میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی

عبدیت اور شان غلامی کا مقام دکھایا گیا کہ اے لوگو دیکھ لو ہمارے پہچاننے والوں کی یہ شان ہوتی ہے کہ کثرت ذکر اور فکر کے باوجود ان کو اپنی مقبولیت کا ذرا بھی گمان نہیں ہوتا، میری عظمت و کبریائی پیش نظر ہے، ہیبت حق سے دبے ہوئے ہیں، کیا مجال کہ یہ کثرت ذکر اور فکر ان کو ناز اور غرور میں مبتلا کر دے ان کو ہماری کبریائی اور غلامی ایسی پیش نظر ہے کہ اس قدر عبادت اور کثرت ذکر اور فکر کے باوجود اپنے کو جہنم کے قابل سمجھ کر عذاب دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں، عارفین کی یہی شان ہوتی ہے کہ کام بھی کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے بھی رہتے ہیں

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس عبدیت سے سبق حاصل کرنا چاہئے وہ بڑا جاہل عابد ہے جو عبادت کر کے اپنے کو کچھ سمجھنے لگتا ہے اس تکبر کی نحوست سے ساری محنت عبادت کی اکارت ہو جاتی ہے۔

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے　　　حاصل خواجہ بجز پندار نیست

خواجہ سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ حاصل ہو گیا اور حال یہ ہے کہ خواجہ کو کچھ حاصل نہ ہوا بجز تکبر اور نخوت کے۔

عابد مغرور کی مثال اس بے سمجھ مغرور عابد کی مثال اس بے وقوف چمار کی سی ہے جو کسی شاہی محل کے لئے اپنی جھونپڑی کا سڑا ہوا بانس بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لے جا رہا ہو اور اس ہدیۂ حقیر پر مغرور بھی ہو کہ اتنی بڑی چیز شاہی محل کے لئے لے جا رہا ہوں۔ اس چمار کے غرور کی وجہ کیا ہے۔ اس کو اپنے سڑے ہوئے بانس پر ناز کیوں ہے اس لئے کہ اس نے شاہی محل کبھی دیکھا نہیں ہے راستے میں ہے جب شاہی محل کی شان اور شوکت دیکھے گا تو اس وقت اپنے سڑے بانس کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی۔ ؎

گر بہ بینی یک نفس حسن ودود　　　اندر آتش افگنی جان و دود

گر بہ بینی کرّ و فرِّ قرب را — جیفہ بینی بعد ازیں ایں شرب را

(رومی)

(۱) اگر تو حق تعالیٰ کے حسن کو ایک نفس بھی مشاہدہ کرلے تو اپنی جان عزیز کو آتش میں ڈالدے یعنی اللہ پر قربان ہو جائے۔

(۲) اگر تو قرب خداوندی کی جلالت شان اور کرّ و فر دیکھ لے تو سارے جہان کے عیش و آرام کے اسباب ہیچ اور مردار نظر آنے لگیں۔

عابد غیر عارف کا یہی حال ہوتا ہے کہ عظمتِ الٰہیہ کی معرفت نہ ہونے سے اس کی نظر اپنی عبادت پر تو ہوتی ہے لیکن حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور کبریائی پر نہیں ہوتی ہے، اس نے اس چمار کی طرح ابھی شاہی محل کا مشاہدہ نہیں کیا ہے ابھی منزل سے دور ہے اس لئے اپنی ٹوٹی پھوٹی اور کھوٹی عبادت پر اس قدر نازاں ہے اور عارف کی نظر حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور جلالت پر ہوتی ہے۔ اس لئے باوجودیکہ اس کی دو رکعت بے سمجھ عابد کی ہزار رکعت کے برابر ہے لیکن عبادت کی اس بڑی کمیت اور کیفیت کے باوجود اپنے کو اللہ کی عظمت کے سامنے کتوں سے بدتر سمجھتا ہے کہ نہ معلوم میاں کو بھی پسند ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے شایان شان اپنی غلامی اور عبادت کو ناقص پاتا ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی شان عبدیت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کی ستاری ہے ورنہ میاں اگر ہمارے اترے پترے کھولدیں تو ایک بھی معتقد نہ رہے یہ ذرین کی سمجھ والے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ والا اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے رکھتا ہے اور حق تعالیٰ کی نظر سے اپنے اعمال کو پرکھتا ہے اصلی کسوٹی تو میاں کے پاس ہے۔ تمام مخلوق کی تعریف کرنے سے کیا ہوتا ہے جب وہ پسند فرمالیں تو وہ پسند کام آنے والی ہے اور ان کی پسند کا یقینی فیصلہ مرنے

کے بعد ہی معلوم ہوگا۔ لوگوں کی واہ واہ تو آدمی کو واہی بنا دیتی ہے لوگوں کی واہ واہ کا خواہاں نہ رہنا چاہئے۔ اپنی آہ سے اپنے اللہ کو خوش رکھنا چاہئے۔ اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں۔

ازیں بر ملائک شرف داشتند ۔۔۔ کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

فرشتوں پر اسی سبب سے اولیاء اللہ سبقت لے جاتے ہیں کہ اپنے کو عظمت الٰہیہ کے سامنے کتوں سے بہتر نہیں جانتے کہ نہ معلوم کس بات پر پکڑ ہو جائے کیونکہ بعض اعمال ایسے ہیں جن کو ہم معمولی سمجھ کر بے فکر رہتے ہیں اور وہ اللہ کے نزدیک اشد اور سنگین ہوتے ہیں۔ قال تعالیٰ

وتحسبونه هيّنا وهو عند الله عظيم الآیة ترجمہ:۔ اور تم لوگ اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات تھی۔

حضرت مرشد پاک تھانویؒ کی عبدیت اور فنائیت

ہمارے مرشد پاک فرمایا کرتے تھے کہ الحمد للہ میں اپنے کو تمام مسلمانوں سے کمتر سمجھتا ہوں فی الحال اور کافروں سے اپنے کو بدتر سمجھتا ہوں فی المآل یعنی ہر مسلمان کے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ چونکہ فی الحال ایمان کی نعمت موجود ہے اس لئے ممکن ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی عمل اللہ کے نزدیک ایسا محبوب ہو جو اس کی مقبولیت کا سبب ہو اور میرے ساتھ ممکن ہے کہ کوئی ایسا عمل موجود ہو جو اللہ کے نزدیک میری نامقبولیت کا سبب بن جائے۔ پس اس احتمال کے ہوتے ہوئے ہمیں ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم کسی فاسق اور گنہگار مسلمان کو حقیر سمجھیں اور اس سے اپنے کو بہتر سمجھیں۔ اسی طرح کافر کے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ فی الحال تو ایمان اس کو حاصل نہیں ہے لیکن ممکن ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو ایمان نصیب ہو جائے اور اعتبار خاتمہ ہی کا ہے اور ممکن ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے کسی معصیت کی نحوست سے میرا

ایمان سلب کرلیا جائے۔ پس جب تک خاتمہ ایمان پر نہ ہو جائے اس وقت تک ہم کو ہرگز حق نہیں ہے کہ ہم اپنے کو کسی کافر سے افضل سمجھیں اور اس کو حقیر سمجھیں البتہ اس کے کفر سے عداوت رکھنا مطلوب ہے۔

حضرت بڑے پیر صاحب کی شان عبدیت

حضرت بڑے پیر صاحبؒ فرماتے ہیں۔

ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم ✿ حسنت بریں چستی و چالاکی ما

حضرت غوث پاکؒ فرماتے ہیں کہ جب ایمان کو سلامتی کے ساتھ قبر میں پہنچائیں گے اس وقت اپنی چستی و چالاکی پر تعریف کریں گے اور جب تک زندگی ہے اس وقت تک خطرہ ہے جب تک کشتی طوفان کے تھپیڑوں سے دوچار ہو اس وقت تک مطمئن ہو جانا بے وقوفی ہے عارفین کی شان یہی ہے کہ کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں۔ یہی ڈرنا ہی ولایت کی نشانی ہے اگر یہ ڈر نکل گیا تو ولایت بھی ہاتھ سے نکل گئی۔

تقویٰ شرط ولایت ہے

کیونکہ ایمان اور تقویٰ شرط ولایت سے ہے۔ اولیاء اللہ کی تعریف یہی ہے کہ الذین آمنوا وکانوا یتقون جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور حق تعالےٰ اسی کو مقتدا بناتے ہیں جو متقی ہوتا ہے۔ اسی لئے سورۂ فاتحہ میں جس صراط مستقیم کی درخواست ہے اور اس کی منظوری میں ہدایت کی جو کتاب تیس پارے کی نازل فرمائی گئی ہے۔

ھدًی للمتقین کے عجیب تفسیری لطائف (عنوان اول)

اس کا ابتدائی عنوان

ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدًی للمتقین ہے یعنی اس کتاب سے اولاً ہدایت

اس خاص جماعت کو ہوگی جو علم الٰہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تربیت کے لئے پہلے ہی منتخب تھی، پھر انھیں تربیت یافتہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افراد سے تمام انسانوں کی ہدایت کا کام لیا جائے گا۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ — تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو

اخرجت للناس بتا رہا ہے کہ اس جماعت کے افراد دوسرے انسانوں کی ہدایت کے لئے امام بنائے گئے ہیں اور امام مقتدی سے آگے ہوتا ہے۔ بس حق تعالیٰ نے ھدًی للمتقین کو مقدم فرمایا کہ اولاً قرآن سے حضرات صحابہؓ کو ہدایت ہوگی پھر ان کے ذریعہ سے تمام انسانوں کو ہدایت ہوگی۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم او کما قال۔ — میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جن کی بھی اقتدا کروگے ہدایت پا جاؤگے

دنیا کا یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب کوئی اہم اور عظیم الشان کام کیا جاتا ہے تو اپنے مخصوص اور مخلص دوستوں کو بلا لیتے ہیں اور اس اہم کام کے متعلق مشورہ کرتے ہیں کہ اس کام کو کس طرح پھیلایا جائے۔ پھر مشورے کے بعد جب طریقۂ کار طے پا لیتا ہے تو ان مخلصین دوستوں میں سے ہر ایک کو اس طریقۂ کار کی عملی مشق کرائی جاتی ہے حتیٰ کہ جب ہر فرد خوب پختہ کار ہو جاتا ہے تو انھیں پختہ کار دوستوں کے ہر فرد کو اس طریقۂ کار کا امام بنا کر ہر طرف منتشر کر دیا جاتا ہے تاکہ یہ پختہ کار افراد اپنے حلقوں میں اس کام کو عام

اور تام کریں۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے دین اسلام کو سارے عالم میں پھیلانے کے لئے جب اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو علم الٰہی میں جو افراد اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور مخلص دوست تھے ان کو اس دین کی نصرت اور تبلیغ کے لئے منتخب فرمایا۔ اس انتخاب کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ ذالک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل۔ یہ ان کے یعنی حضرات صحابہؓ کے اوصاف مذکورہ یعنی ابتغاء فضل و رضاء حق کیلئے شدت علی الکفار رحمت فیما بینھم رکوع اور سجود اور ان کے چہروں کے انوار کا بیان توریت میں ہے اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھی بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ اُن سے کافروں کو جلادے۔ پ۲۶ سورہ حجرات۔

کیونکہ جس قدر کام اہم اور عظیم الشان ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کے لئے چُنے ہوئے مخلص احباب کا انتخاب بھی کیا جاتا ہے تاکہ اس اہم کام کے لئے اگر سراندازی اور جانبازی کا بھی موقع آئے تو وہاں ان مخلصین اور محبین کا اخلاص اور ان کی شدّت محبت ان کو ثابت قدم رکھے۔ اور غیر مخلص غیر محب سے اہم امور میں کام نہیں لیا جاتا ہے کیونکہ ان کا عدم اخلاص اور انکی قلت محبت یا عدم محبت وقت پڑنے پر راہ فرار اختیار کر لیتی ہے تو جس وقت یہ کتاب نازل فرمائی گئی اور سارے عالم کی ہدایت کے عظیم الشان کام کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس وقت حق تعالےٰ نے اولاً اپنے اولیاء یعنی متقین کو منتخب فرمایا اور قرآنی ہدایات پر ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک میں عملی مشق کرائی گئی حتیٰ کہ یہ اپنے اخلاص اور شدّتِ محبت کے سبب بڑی ہمّت

اور بڑے حوصلے کے ساتھ پختہ کار ہو کر علیٰ ھدًی من ربھم کا خطاب پا گئے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے حق تعالیٰ نے سارے عالم کو اعلان فرمادیا کہ اب ہمارے یہ اولیاء محبین مخلصین اس اہم کام کی انجام دہی کے لئے خوب پختہ کار ہو گئے ہیں، اب اے ہمارے رسول آپ اعلان فرما دیجئے کہ

ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی	یہ میرا رستہ ہے میں جس طرح علی وجہ البصیرۃ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اسی طرح میرے یہ احباب (یعنی حضرات اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی) میری اتباع کی برکت سے پختہ کار ہو کر علی وجہ البصیرۃ اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان متقین اولیاء اللہ ساتھیوں کو منتشر فرمادیا تاکہ اقصائے عالم میں ہدایت کے انوار پھیل پڑیں۔

عام طور پر ھدًی للمتقین پر یہ اشکال اور خلجان لوگوں کو ہوا کرتا ہے کہ قرآن جب متقین کو ہدایت کرتا ہے تو ان کو تو ہدایت حاصل ہی ہے ہدایت تو غیر متقین کو ہونی چاہئے۔ اشکال تقریر مذکور سے بفضلہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے خوب واضح طور پر حل ہو جاتا ہے۔

دوسرا عنوان اور ایک عنوان اس تقریر کا اور بھی ہے وہ یہ کہ یہ کتاب حق تعالیٰ کی طرف سے ایک والا نامہ ہے اور والا نامہ دوستوں کے پاس بھیجا جاتا ہے، دشمنوں کے پاس نہیں بھیجا جاتا ہے۔ اور متقین بندے اللہ تعالیٰ کے غلام بھی ہیں اور دوست بھی ہیں۔

حضرات صحابہؓ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے مخلص اور جاں نثار بندے تھے۔ پس قرآن کی اول ہدایت انھیں متقین دوستوں کے لئے ہے اور اول

مخاطب قرآنی آیات کے یہی حضرات تھے پھر ان کی ہدایت کے صدقے میں دوسروں کو ہدایت ہوئی ہے۔

یہ بہت علمی مقام ہے جس میں اکثر اہل علم بھی اُلجھ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس مقام کی نہایت آسان تقریر میرے دل میں ڈالدی۔

تیسرا عنوان سورہ فاتحہ سے ھدًی للمتقین کا عجیب ربط

تیسرا عنوان یہ ہے کہ سورہ فاتحہ میں بندوں کی طرف سے حق تعالیٰ شانہ نے ہدایت کی درخواست نازل فرمائی ہے کیونکہ بڑے درباے جب کوئی چیز ملتی ہے تو کہتے ہیں درخواست لکھ کر لاؤ۔ اس وقت کسی واقف کار سے جو کہ حاکم کا ادب شناس ہوتا ہے خوشامدیں کرتے ہیں کہ ہماری عرضی کا مضمون لکھ دو تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی عظمت اور جلالت شان کا ادب بندوں کو کہاں سے آسکتا تھا وہاں تک تو ان کی عقل کی پرواز ہی ناممکن تھی۔ پس بندوں کی عاجزی دیکھ کر حق تعالیٰ کی رحمت خود وکیل بن گئی اور وہ ذات نعم الوکیل ہے۔ وہ ہمارے اللہ بھی ہیں اور ہمارے وکیل بھی ہیں۔ چنانچہ سورہ فاتحہ میں ان کی رحمت نے اپنی کبریائی اور عظمت کے شایانِ شان ہدایت کی درخواست نازل فرمائی۔ اور اس درخواست کی منظوری میں تیس پارے نازل فرمائے جس کی ابتدا الٓمّٓ ذالك الکتاب لاریب فیه ھدًی للمتقین سے ہے۔ اور درخواست ہدایت ہی میں یہ سبق بتا دیا گیا تھا کہ صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ صراط الذین انعمت علیھم ہے یعنی انعام والوں کا راستہ ہے اور چونکہ لفظ انعام سے اندیشہ تھا کہ یہود و نصاریٰ دنیا کی آرائش اور زیبائش کو دکھا کر اپنے کو انعام والوں میں ہونے کا دعوٰے کر کے فریب دینے لگیں اس لئے حق تعالیٰ نے غیر المغضوب فرما کر یہود کو اور ولا الضالین فرما کر نصاریٰ کو انعام والوں سے الگ فرما دیا اور انعام والوں کے انعامات کی تصریح فرما دی کہ انعام سے

مراد انعام نبوت و صدیقیت و شہادت و صلاحیت ہے الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین (الآیۃ)

اب ھدًی للمتقین کا اس عنوان سے یہ ربط ہوا کہ درخواست ہدایت میں چونکہ سیدھا راستہ انعام والوں کا راستہ بتایا گیا تھا اس لئے اس درخواست کی منظوری میں جو کتاب نازل کی جارہی ہے اس میں سب سے پہلے انعام والوں ہی کا ذکر کیا جارہا ہے۔ چنانچہ متقین کا لفظ ایسا جامع اختیار فرمایا گیا جو انعام والوں کے ہر فرد پر صادق آتا ہے۔ تقوی کا وصف سب میں مشترک ہے۔ قرآن سے سید المتقین کو بھی ہدایت ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ حضور صلعم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرماتے ہیں ووجدك ضالًا فھدی اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتلا دیا حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ اپنی تفسیر موضح القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوان ہوئے قوم کی راہ و رسم سے بیزار تھے اور اپنے پاس کوئی رسم و راہ نہ تھی اللہ نے دین حق نازل کیا ۱۲ موضح

پس ھدی للمتقین فرما کر یہ بتا دیا گیا کہ جن انعام والے بندوں کی راہ تم نے سورہ فاتحہ میں طلب کی ہے وہ یہی متقین بندے ہیں جن کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں جن کی صفات و علامات یہ ہیں کہ الذین یومنون بالغیب (الی) واولئك ھم المفلحون وہ چھپی ہوئی چیزوں پر یقین لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف سے اُتاری گئی اور اُن کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اُتاری جا چکی ہیں اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں بس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو اُن کے

پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔ اولئک علیٰ ھدیً من ربھم فرما کر بتا دیا کہ یہی ہمارے منعم علیہم بندے ہیں جو اپنے رب کی ہدایت پر خود بھی چلنے والے ہیں اور انھیں کے پیچھے اگر تم بھی سیدھ باندھ لو تو تم کو بھی صراط مستقیم پر چلنا نصیب ہو جاوے گا۔

الحمدللہ کہ ہدیً للمتقین کا سورۂ فاتحہ سے عجیب و غریب ربط میرے اللہ نے میری زبان سے بیان کرا دیا اور کئی عنوان سے اس کی تقریر ہو گئی اور یہ سب ہمارے حضرت مرشد پاک تھانویؒ کا فیض ہے۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل ؎ میرے مولیٰ یہ تیری مہربانی

عارفین کی عبدیت اور ان کی فنائیت کا مضمون چل رہا تھا کہ جو جتنا ہی اللہ کو پہچانتا ہے اسی قدر وہ عظمتِ الٰہیہ کے استحضار سے اپنے کو حقیر اور کمتر بلکہ ارذل الخلائق دیکھتا ہے۔ اور یہی درجہ تصدیق کا ہے۔

اپنے کو حقیر سمجھنا درجۂ تصور میں ناکافی ہے فنائیت درجہ تصدیق میں مطلوب ہے

غیر عارف کا اپنے کو حقیر سمجھنا درجۂ تصور میں ہوتا ہے لیکن اس میں نفس کی چال بھی شامل ہوتی ہے

یعنی غیر عارف اپنے دل میں یہ کہتا ہے کہ در اصل میرے اندر تو اوصاف حمیدہ ہیں لیکن چونکہ حکم ہے کہ اپنے کو سب سے کمتر سمجھو اور کسی کو حقیر نہ جانو اس لئے اپنے کو سب سے کمتر سمجھتا ہوں تو یہ سمجھنا تصور کا درجہ ہے اور محض تصورات غیر مفید ہوتے ہیں اور عارف کی شان تصورات سے بالاتر ہوتی ہے اسکو معرفت عظمت الٰہیہ کے سبب اپنی عبودیت اور کمتریت کا یقین نصیب ہوتا ہے۔ اور اذعان نسبت ہی کا نام تصدیق ہے اور مقصود دراصل تصدیق ہوتی ہے

اعمال حسنہ کر کے ڈرتے رہنے پر ایک آیت سے استدلال

حضرت عائشہ صدیقہ رض

نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ جو آیت ہے یوتون ما اٰتوا وقلوبھم وجلۃ یعنی دیتے ہیں جو دیتے ہیں اور ان کے دل خوف زدہ ہیں (یہ تمام افعال کو عام ہے کیونکہ سب ہیں ان کو عدم سے ہستی میں لانا ہے اور وجود دینا ہے) کیا مراد اس سے وہ شخص ہے جو چوری اور زنا کرے (کیونکہ خوف تو ان ہی افعال کے بعد ہوتا ہے) آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ مراد وہ شخص ہے جو روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور صدقہ دے اور پھر ڈرے کہ اس سے قبول نہ کیا جائے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھنے پر خوف کو غالب رکھا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعمال پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے۔ اور اچھے اعمال کر کے غرور و ناز میں مبتلا نہ ہو۔ پس آیت الذین یوتون ما اٰتوا وقلوبھم وجلۃ میں حق تعالیٰ نے ہدایت کاملہ کی تعلیم فرما دی کہ کام کر کے بے خوف نہ ہونا چاہیئے اور اس آیت میں ان بندوں کی تعریف فرمائی گئی ہے جو اچھے اعمال کر کے خوف زدہ رہیں۔ حق تعالیٰ کا راستہ تذلل اور خواری اور غلامی کا ہے ناز و پندار اور عجب اور تکبر شیطان کا راستہ ہے۔ طریق کا حاصل یہی ہے کہ کرتا رہے اور ڈرتا رہے۔ مرتے دم تک یہ دونوں کام جاری رہیں ؎

دریں راہِ حق عجز و مسکینیت به از طاعت و خویشتن بینیت

ترجمہ:۔ حق تعالیٰ کے راستہ میں عاجزی اور مسکنت اس طاعت سے بہتر ہے جو خود بینی کے ساتھ ہو۔ اسی کو ہمارے خواجہ صاحبؒ نے فرمایا ہے۔

ناز تقویٰ سے تو اچھی ہے نیاز رندی جاہ زاہد سے تو اچھی ہے مری رسوائی

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کا ایک ارشاد

حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی معرفت کی بات ارشاد فرمائی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کے دربار میں ایک چیز نہیں ہے اور جس دربار میں جو چیز نہیں ہوتی اس کی بڑی قدر ہوتی ہے۔ وہ چیز کیا ہے بندوں کی گریہ و زاری اور ان کی ندامت و خواری۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان چیزوں کی بڑی قدر ہوتی ہے۔ حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

کہ برابر میکند شاہ مجید　　اشک را در وزن باخون شہید

ترجمہ:۔ کہ وہ شاہ مجید برابر رکھتا ہے۔ اشک گریہ کو وزن میں خون شہید کے تھا۔

نالۂ مومن ہمی داریم دوست　　گو تضرع کن کہ این اعزاز اوست

ترجمہ:۔ ہم مومن کے نالے کو دوست رکھتے ہیں۔ مومن سے کہو کہ تضرع کرتا رہے کیونکہ یہ اس کا اعزاز ہے۔

دعا کی مقبولیت میں تاخیر کی ایک حکمت

مولانا فرماتے ہیں کہ بہت سے مخلص جو کہ دعا میں نالہ کرتے ہیں۔ اور ان کے اخلاص کا دھواں یعنی اُن کے آہ و نالے آسمان تک پہنچتے ہیں یہاں تک کہ اس سقف عالی کے اوپر تک یعنی عرش تک نالۂ گنہگاراں کی خوشبو جاتی ہے مگر اس کی اجابت اور قبولیت میں دیر ہوتی ہے۔ اس تاخیر کو دیکھ کر ملائکہ خدا تعالیٰ سے زار زار نالہ کرتے ہیں کہ اے اجابت کرنے والے ہر دعا کے اور اے وہ ذات پاک جس کی پناہ طلب کی جاتی ہے یہ بندۂ مومن تضرع کر رہا ہے اور وہ بجز آپ کے کسی کو تکیہ گاہ نہیں جانتا ہے۔ آپ تو بیگانوں کو یعنی کفار کو عطا دیتے ہیں۔ آپ سے ہر خواہشمند آرزو رکھتا ہے اور باوجود اس کے اس کی عرض اور درخواست قبول فرمانے میں اس قدر توقف ہوا اس میں کیا مصلحت ہے؟

مومن کیلئے تاخیر قبولیت دعا کا عین عطا ہونا

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تاخیر قبولیت اس کی بیقدری

کے سبب نہیں ہے بلکہ عین یہی تاخیر عطا اس کی امداد اور عطا ہے کیونکہ ہم مومن کے نالے کو دوست رکھتے ہیں اس مومن سے کہو کہ تضرع کرتا رہے یہی اس کا اعزاز ہے۔ جو حاجت اس کو غفلت سے میری طرف لائی ہے جس حاجت نے لہو کشاں میرے کوچہ میں اس کو پہنچایا ہے اگر میں اس حاجت کو پوری کردوں تو وہ میرے کوچہ سے پھر غفلت کی طرف واپس چلا جاوے گا۔ اگرچہ یہ دعا میں سو جان سے نالہ کر رہا ہے اور دعا کی حالت میں اس کا سینہ خستہ اور دل شکستہ ہے اور نالہ و فریاد کا مقتضا، یہ تھا کہ اس کی حاجت جلدی پوری کردی جاتی لیکن توقف اس لئے ہے کہ مجھکو اس کی آواز بھلی معلوم ہوتی ہے اور دعا میں اس کا اے اللہ اے اللہ کہنا اور اس کا یہ راز و نیاز اور یہ امر کہ وہ تملق اور ماجرا میں ہر ہر طرح سے مجھکو پھسلاتا ہے۔ یہ سب مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے

تمثیل اوّل

پھر مولانا اس کو دو مثالوں سے سمجھاتے ہیں فرماتے ہیں کہ طوطیوں اور بلبلوں کو پسندیدگی کی وجہ سے خوش آوازی کے سبب قفس میں بند کر دیتے ہیں اور کوّے یا اُلو کو قفس میں نہیں بند کرتے۔ کیونکہ ان کی آواز کانوں کو تکلیف دیتی ہے۔

تمثیل ثانی

دوسری مثال یہ ہے کہ کسی عاشق مزاج کے سامنے جب دو عورتیں آویں جن میں ایک تو بڑھیا ہو اور دوسری حسین عورت ہو اور دونوں آکر روٹی مانگیں تو وہ شخص جلدی سے روٹی لاکر بوڑھیا کو دیکر دفع کر دے گا تاکہ وہ صورت مکروہ اور آواز مکروہ جلدی دور ہو۔ اور اس دوسری کو جس کا قد اور رخسارہ خوبصورت ہے اس کو روٹی جلدی نہ دے گا اور اس سے کہے گا کہ تھوڑی دیر آرام سے بیٹھ جا گھر میں تازی روٹی پک رہی ہے پھر گرم روٹی آجانے کے بعد کہے گا تھوڑی دیر اور رک جا کہ حلوا آتا ہے۔ غرض اس

ترکیب سے اس کو ذرا ٹھہر جا کرتا رہتا ہے۔ پس مثل اس بڑھیا کے بیگانوں یعنی کفار کو سمجھنا چاہیئے اور مثل اس شاہد خوش رو کے مومنوں کو سمجھنا چاہیے جس کے دینے میں دیر کی جاتی ہے۔

دنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت کس اعتبار سے ہے

یہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اس لئے ہے کہ اس کی حاجات کم پوری ہوتی ہیں جس سے وہ تنگ ہونے لگتا ہے اور اصلی سبب نہیں جانتا۔ جس طرح طوطی اور بلبل کے لئے قفس تجویز کیا جاتا ہے اور وہ تنگ ہوتی ہے اور کافروں کے لئے یہ دنیا جنت ہے کیونکہ ان کی اکثر حاجتیں پوری کردی جاتی ہیں۔

ف:۔ تاخیر اجابت کی علت یا حکمت کا اسی میں انحصار مقصود نہیں بلکہ منجملہ دیگر اسباب کے ایک یہ بھی ہے چونکہ یہ مشہور نہ تھی اس لئے اس پر تنبیہ مناسب ہوئی اور حدیث الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر کی ایک توجیہ یہ بھی ہے یہاں بھی اس میں انحصار نہیں اور توجیہات بھی مشہور ہیں، مثلاً یہ کہ مومن کو جو نعمتیں جنت میں ملنے والی ہیں دنیا میں کیسی ہی خوش عیشی ہو مگر اس کے اعتبار سے قید خانہ ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس کافر کی عقوبت کے اعتبار سے دنیا کی مصیبت بھی جنت ہے اور مثلاً یہ کہ مومن کا دنیا میں مثل قید خانہ کے دل نہیں لگتا ہے اور کافر کا دنیا میں خوب جی لگتا ہے۔ وبھذا الاخیر یشھد ذوقی۔ اور یہ آخری توجیہ میرے جی کو زیادہ لگتی ہے۔

(کلید مثنوی دفتر ششم ص۲۹۴)

دوسری جگہ حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کے بندے اپنے گناہوں کو یاد کر کے اور قیامت کے دن پیش ہونے کا خیال کر کے

رو پڑتے ہیں تو گنہگاروں کی آواز گریہ سے عرش کانپنے لگتا ہے۔

نالۂ گنہگاراں کا اثر

چوں برآرند از پشیمانی حنین
عرش لرزد از انین المذنبیں
آں چناں لرزد کہ مادر بر ولد
دست شاں گیرد ببالا می کشد
(عارف رومیؒ)

ترجمہ:۔ جب یہ لوگ ندامت و توبہ کے سبب آواز نالہ نکالتے ہیں تو عرش کانپنے لگتا ہے گنہگاروں کی آواز گریہ سے اور ایسا کانپتا ہے جیسے ماں اپنے بچہ پر کانپ اٹھتی ہے جب وہ روتا ہے پس عرش اس وقت اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ اور اوپر کھینچ لیتا ہے جیسے ماں بچہ کو گود میں لے لیتی ہے۔ اور عرش ان سے کہتا ہے کہ اے لوگو تم کو خدا تعالیٰ نے دنیا اور شیطان کے دھوکے سے چھڑا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا برائے طلب گریہ وزاری

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں
اللھم ارزقنی عینین ھطالتین تسقیان
القلب بذروف الدمع من خشیتک
قبل ان تکون الدموع دماً والاضراس جمرا۔

ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ مجھے ایسی آنکھیں برسنے والی عطا فرما دیجئے جو تیرے خوف سے اپنے آنسو برسا کر میرے دل کو سیراب کریں قبل اس کے کہ آنسو خون ہو جائیں اور ڈاڑھیں انگارے ہو جائیں۔ اور آنکھیں کب روتی ہیں جب دل روتا ہے تب محبت میں شدت آتی ہے۔

حضرت رومی فرماتے ہیں۔ ؎

عاشقی پیداست از زاری دل　　　نیست بیماری چو بیماری دل

اے دریغا اشک من دریا بُدے　　　تا نثار دلبر زیبا شدے

تا نعرۂ مستانہ خوش می آیدم　　　تا ابد جاناں چنیں می بایدم

(عارف رومی رحمہ)

ترجمہ:۔ عاشقی ظاہر ہوتی ہے زاری دل سے اور دل کی بیماری عشق جیسی کوئی بیماری نہیں ہے (۲) اے کاش میرے آنسو دریا ہو جاتے تاکہ اس دلبر زیبا پر نثار ہوتے۔ (۳) نعرہ مستانہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اے محبوب تا ابد میں اسی طرح چاہتا ہوں۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے

سهر العيون لغير وجهك ضائع　　　وبكاهن بغير فقدك باطلٌ

ترجمہ:۔ غیر حق کے لئے آنکھوں کا بیدار رہنا بیکار ہے اور لغو ہے۔ اصلی جاگنا تو وہ ہے کہ آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھتا رہے۔ اور اسی طرح غیر حق کے لئے رونا باطل ہے اصلی رونا تو وہ رونا ہے جو آپ کی جُدائی کے غم سے رویا جائے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ؎

مردم ازیں الم کہ نہ مردم برائے تو　　　اے خاک بر سرم کہ نشد خاک پائے تو

من کیستم کہ بہر تو جاں را فدا کنم　　　اے صد ہزار جان مقدس فدائے تو

غم نیست گر ز مہر تو دل پارہ پارہ شد　　　اے کاش ذرہ ذرہ شود در ہوائے تو

می خواہم از خدا بدعا صد ہزار جاں　　　تا صد ہزار بار بمیرم برائے تو

ترجمہ:۔ (۱) میں اس غم سے مردہ ہوں کہ آپ کے لئے کیوں نہ قربان ہوا اور خاک پڑے میرے سر پر کہ یہ سر آپ کا خاکِ پا نہ ہوا۔

(۲) میں کیا حیثیت رکھتا ہوں کہ آپ پر فدا ہوں آپ کی ذات پاک پر تو

لاکھوں مقدس جانیں قربان ہیں۔

(۳) وہ غم غم کہلانے کا مستحق نہیں جب تک کہ آپ کی محبت سے دل پارہ پارہ نہ ہو۔ اے کاش دل آپ کی محبت میں ذرّہ ذرہ ہو جائے۔

(۴) میں خدا تعالیٰ سے صد ہزار جان دعا میں مانگتا ہوں تاکہ صد ہزار بار آپ کی رضا کے لئے قربان ہوں۔

درحقیقت محبت کے لائق صرف حق تعالیٰ ہی کی ذات ہے کیونکہ صرف انھیں کی ایک ایسی ذات ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

فانی سے محبت کا انجام

حضور صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ احبب من شئت فانك مفارقه. حضور فرماتے ہیں کہ تم جس سے چاہو محبت کرو پس تحقیق کہ تم اس سے جدا ہونے والے ہو یا تم پہلے چل بسوگے یا وہ پہلے چل بسے گا۔

یہ چمن یوں ہی رہیگا اور ہزاروں جانور ۔۔۔ اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائینگے

دین بڑی لذیذ نعمت ہے تجربہ کر کے کوئی دیکھ لے۔ لذت ایں مے نہ شناسی بخدا تانہ چشی۔ اس شراب کی لذت نہیں پہچان سکتے ہو. بخدا جب تک اسے تم چکھ نہ لو دنیا ہی میں جنت کا لطف شروع ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس بندے سے خوش ہوتے ہیں تو اُس بندے کو بھی خوش فرما دیتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضامندی تو حاصل ہی ہوتی ہے لیکن تم بھی خوش ہو جاؤ گے۔ میاں جس سے راضی ہوتے ہیں تو اُس کو بھی خوش کر دیتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

رضی اللہ عنهم و رضوا عنه۔ اللہ ان سے یعنی حضرات صحابہؓ سے راضی ہو گیا اور یہ لوگ بھی اللہ سے راضی ہیں۔

اہل اللہ فاقے اور پیوندی لباس میں بھی خوش اور مطمئن رہتے ہیں

ظاہری تکلیف بھی سہی فاقہ اور پیوندی لباس بھی سہی لیکن دل اُن کا مطمئن ہے۔ کس سبب سے مطمئن ہے ذکراللہ کی غذاء روحانی سے مطمئن ہے۔ حق تعالیٰ کی محبت سے ان کی سمجھ نورانی ہوتی ہے۔ یہ دل کو سمجھا لیتے ہیں کہ میرا پیدا کرنے والا رب مجھے اسی حال میں رکھنا پسند کرتا ہے اور اسی میں میرا نفع ہے کیونکہ وہ ہمارے پالنے والے ہیں، وہ رب العالمین ہیں تو رحمٰن و رحیم بھی ہیں، بڑی رحمت سے پرورش فرماتے ہیں اور وہ حکیم مطلق بھی ہیں جو خواہشات ہمارے لئے مضر ہیں خواہ ضرر دنیوی کے اعتبار سے یا ضرر اخروی کے اعتبار سے ان کی حکمت اور رحمت ان خواہشات کے اسباب سے ہم کو دور رکھتی ہے۔ اگر دنیا کا کوئی کافر ڈاکٹر بھی ہمیں مشورہ دیتا ہے کہ تمہارے لئے مثلاً تین وقت کا فاقہ ضروری ہے ورنہ سخت ضرر کا اندیشہ ہے۔ ہم بے چون وچرا خوشی خوشی فاقے کر لیتے ہیں۔ اس کافر معالج سے غلطی کا بھی احتمال ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات تو پاک ہے۔ حق تعالیٰ کا ہر تصرف بندوں کے ساتھ عین حکمت ہے اور یہ حکمت عین رحمت ہے۔ اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ ہر حال میں خوش رکھتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتے ہیں تو ان کی رضا کا پرتو اس مقبول بندے کے قلب پر پڑتا ہے جس کے فیض سے یہ بھی ہر وقت خوش رہتا ہے۔

مقبول بندوں کو انتقال کے وقت حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت

اور جب اس مقبول بندے کا چل چلاؤ کا وقت ہوتا ہے تو ارشاد فرماتے ہیں یاایتھا النفس المطمئنۃ اے اطمینان والی روح سبحان اللہ اس خطاب میں حق تعالےٰ نے بتا دیا کہ میرے اس مقبول بندے کو میری

یاد کی برکت سے دنیا ہی میں اطمینان حاصل تھا ارجعی الی ربك تو اپنے پروردگار کی طرف چل راضیۃ مرضیہ اس طرح سے کہ تو اللہ سے خوش اور اللہ تجھ سے خوش ہے "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" میں تو اپنی خوشی کو مقدم فرمایا تھا اور اب جب چل چلاؤ کا وقت ہے تو بندے کی خوشی کو مقدم فرمایا ہے جس میں یہ لطیف اشارہ بتا دیا کہ اب تک تو میری مرضیات کا تابع تھا اور اپنی خوشی کو میری خوشی پر قربان کرتا تھا اب عالم بدل رہا ہے اب صرف تیری خوشی رہے گی، میں اب تجھے اتنا دوں گا کہ تیری خواہش تھک جائے گی اور میری عطا دینے سے نہ تھکے گی. چنانچہ جنت میں مومن کی ہر خواہش پوری ہوگی۔

(ف) ان آیتوں کی یہ تفسیر نہیں ہے کیونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ یہ خطاب قیامت کے دن ہوگا جبکہ قرینہ مقام بتاتا ہو البتہ بعض روایات میں آیا ہے کہ مرنے کے وقت مومن سے یہ کہا جاتا ہے لیکن ان روایات میں نہ تو تفسیر اس آیت کی مقصود ہے اور نہ وقت موت کی تخصیص پس یہاں جو مضمون ان آیتوں سے متعلق ہے وہ حدیثوں سے ماخوذ ہے۔

ہر بندے کے ساتھ حق تعالیٰ کا الگ معاملہ ہے

دنیا میں بندے ہر طرح کے ہیں کوئی راحت میں ہے کوئی تکلیف میں ہے۔ ہر بندے کے ساتھ حق تعالےٰ کا معاملہ الگ ہے ہر ایک کے ساتھ تربیت کا جداگانہ تعلق ہے جس طرح شفا خانہ میں بہت سے مریض آتے ہیں مگر ہر مریض کا نسخہ الگ ہوتا ہے کسی کے لئے کوئی دوا کسی کے لئے کوئی دوا۔

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است
به عندلیب چہ فرمودہ کہ نالان است

آپ نے پھول کے کان میں کیا کہہ دیا ہے کہ وہ خنداں ہے۔ اور آپ نے بلبل سے کیا بات فرمادی ہے کہ وہ نالاں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ظلم سے پاک ہے جس کے ساتھ جو معاملہ ہے وہی عین رحمت ہے اور وہی عین حکمت ہے خواہ ہماری سمجھ میں آئے نہ آئے جس طرح دنیا میں معالج کی تجویز کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں ہے۔

عالم حادث عالم غیب کا نمونہ ہے

پس اس عالم کے اندر جو نمونے حق تعالےٰ نے پیدا فرمائے ہیں وہ سب عالم غیب کے کارخانے کے پرتو ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ عالم شہادت یعنی یہ دنیا عالم غیب کا نمونہ ہے۔ حق تعالیٰ کے تصرفات سے راضی رہنا ہی عین عقل ہے اور یہی عین عبدیت ہے۔ عارفین کے اندر رضا بالقضا تفویض اور تسلیم کی شان غالب ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایسے موقع پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ ؎

بلبل چہ گفت گل چہ شنید و صبا چہ کرد
اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں

یہ کس کا حوصلہ ہے کہ باغبان سے دریافت کرے کہ بلبل نے کیا کہا، پھول نے کیا سُنا اور صبا نے کیا کیا۔

بندوں کا کام بندگی ہے چون و چرا نہیں

دنیا میں ہم چون و چرا کے لئے پیدا نہیں فرمائے گئے۔ ہم بندے ہیں اور بندگی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ یہ تمام اشکالات و اعتراضات اسی وقت تک ہیں جب تک محبت نہیں پیدا ہوتی۔ ورنہ محبت تو ذکر محبوب سے فرصت نہیں دیتی۔ عاشق کی شان تو یہ ہوتی ہے ؎

الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم
ما ہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم

ترجمہ :- جو کچھ ہم نے پڑھا تھا سب فراموش کر بیٹھے مگر اب محبوب کا ذکر ہے اور اسی کا تکرار کرتا ہوں۔

حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

اب بھی مجذوب جو محرم پذیرائی ہے　　کیا جنوں میں ابھی آمیزش دانائی ہے

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ عجیب شان وجد سے فرمایا کرتے تھے۔ ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ہم نے سکندر اور دارا کا قصہ نہیں پڑھا ہے ہم سے بجز مہر اور وفا کی حکایت کے کچھ نہ پوچھو۔

مجنوں کی حکایت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مجنوں کی ایک حکایت لکھی ہے۔ ایک شخص نے دریا کے کنارے مجنوں کو دیکھا کہ ریت پر اپنی انگلی سے کچھ لکھ رہا ہے اس نے دریافت کیا کہ اے مجنوں کیا لکھ رہے ہو۔ ؎

گفت اے مجنوں شیدا چیست این　　می نویسی نامہ بہر کیست این

اے مجنوں شیدا یہ کیا کر رہے ہو کس کے لئے یہ خط لکھ رہے ہو۔ مجنوں نے جواب دیا ؎

گفت مشق نام لیلیٰ می کنم　　خاطر خود را تسلّی می دہم

مجنوں نے جواب دیا کہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اور اسی طرح سے اپنے دل کو تسلّی دیتا ہوں۔

جب ایک مردار کی محبت میں یہ حال ہو جاتا ہے۔

تو جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند　　صاف گر باشد ندانم چوں کند

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود　　گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

عشق مولیٰ لیلیٰ سے کب کم ہو سکتا ہے۔ ان کے لئے گیند بن جانا اولیٰ ہے یعنی جس طرح گیند لوگوں کے پیروں سے ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے، اسی طرح حق تعالیٰ

کی محبت میں دربدر پھرنا زیادہ اولیٰ ہے۔

حق تعالیٰ کی محبت میں عجیب لذت ہے

حق تعالیٰ کی محبت میں عجیب لذت ہے دنیا میں اس لذت کے مقابلے میں کوئی لذت نہیں ہے یہی لذت عارفین کو سارے جہان سے بے پروا کر دیتی ہے۔ لیکن اس بے پروا ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ لوگوں کے ساتھ اخلاق میں بے پروائی برتتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قلب میں کسی مخلوق سے ہراس اور طمع کا تعلق نہیں ہوتا۔

موحد چہ بر پائے ریزی زرش — چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد ز کس — ہمین است بنیاد توحید و بس

توحید جس کے قلب میں راسخ ہو جاتی ہے تو اس کے پاؤں پر خواہ تو سونے کا ڈھیر رکھدے یا اس کے سر پر ہندی تلوار رکھدے لیکن وہ سونے کی طمع سے یا ہندی تلوار کے خوف سے توحید سے ہٹ نہیں سکتا ہے۔ توحید کی قوت کے فیض سے موحد کو نہ کسی سے امید ہوتی ہے نہ کسی سے ہراس ہوتا ہے اور اسی پر توحید کی بنیاد ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ جب رابطہ قائم ہو جاتا ہے تو وہی گدڑی والا بزبانِ حال یہ کہتا ہے۔

رخ زرین من منگر کہ پائے آہنی دارم — چہ می دانی کہ در باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم

ترجمہ:۔ اے شخص میرے زرد چہرے کو مت دیکھ کیونکہ میں آہنی پیر رکھتا ہوں اے مخاطب تجھ کو کیا معلوم کہ میں اپنے باطن میں کس شہنشاہ حقیقی کو ہمنشیں رکھتا ہوں

حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

روبہے کہ ہست او را شیر پشت — بشکند کلہ پلنگاں را بمشت

ترجمہ:۔ جس لومڑی کو شیر کا سہارا نصیب ہو گیا تو وہ چیتے کا کلہ ایک گھونسے سے

پھاڑ دیتی ہے۔

پس یہی بندہ ضعیف اور عاجز جب اپنے باطن میں حق تعالیٰ شانہ سے رابطہ قائم کرلیتا ہے تو اس کی ہمّت اور اس کا حوصلہ عام انسانوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اسی روحانی قوت کے متعلق مولانا فرماتے ہیں۔ کہ اہل اللہ بظاہر تو شکستہ حال ہوتے ہیں لیکن

ضعف در کشتی بود در نوح نے　　　ضعف قطب درتن بود در روح نے

ترجمہ:۔ یہ ضعف صرف ان کے جسم میں ہوتا ہے ان کی روح میں ضعف نہیں ہے۔ ضعف صرف کشتی میں ہے حضرت نوح علیہ السلام میں نہیں ہے۔

یہی باطنی قوت جو فیض توحید سے عطا ہوتی ہے اللہ والوں کو ماسوا اللہ سے مستغنی رکھتی ہے۔

حضرت غوث پاک کا واقعہ

حضرت غوث بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب شاہ سنجر نے خط لکھا کہ حضرت آپ کی خانقاہ کا بڑا خرچ ہے اگر اجازت ہو تو میں آپ کے لئے ملک نیمروز وقف کردوں تو کس استغناء کے ساتھ دو شعر لکھ کر بھیجدیئے۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد　　　گر در دلم رود ہوس ملک سنجرم
آنگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب　　　من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

ترجمہ:۔ مثل شاہ سنجر کے چتر کے میر انصیبہ سیاہ ہو جائے اگر میرے دل میں ملک سنجر کی ہوس داخل ہو جس وقت سے کہ میں نے آدھی رات کی سلطنت کی خبر پالی ہے میں ملک نیمروز کو ایک جو کے عوض میں نہیں خرید سکتا ہوں۔

اللہ والوں کی شکستہ حالی کا سبب اللہ کی محبت ہے۔

عشق سب آرائش و زیبائش کو ختم کر دیتا ہے

یہ محبت کے لوازم سے ہے جب دل میں عشق حق آتا ہے تو بدن کی آرائش

اور ربا لش کی فرصت نہیں دیتا

سہ نشانی عاشقاں را اے پسر — آہ سرد و روئے زرد و چشم تر

ترجمہ :۔ عاشقوں کی تین نشانیاں ہیں۔ آہ سرد، چہرہ زرد، اور چشم تر۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے تین شعر

حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں۔

رُخ سے کاکل ہٹا دیا کس نے — رات کو دن بنا دیا کس نے

حسن لیلےٰ دکھا کے اے امداد — مجھکو مجنوں بنا دیا کس نے

اور فرماتے ہیں

بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہنچے وہاں — گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

حق تعالیٰ کی عظمت کا استحضار اللہ والوں کو مٹا دیتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فنائیت اور عبدیت کاملہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تمھیں یہ دیکھنا منظور ہو کہ مردہ زمین پر چل رہا ہے تو میرے ابوبکر صدیق کو دیکھو۔ اللہ اکبر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق کس قدر بلند عبدیت کی خوشخبری ارشاد فرمائی ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ کی عظمت کا کس درجہ قوی استحضار حضرت صدیق اکبرؓ کو نصیب تھا کہ جس نے آپ کو اپنی ہستی سے اس درجہ بے خبر کر دیا تھا یعنی جس طرح مردہ بدست زندہ کا حال ہوتا ہے اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ پر تفویض اور تسلیم کا حال غالب ہو کر مقام بن گیا تھا۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام پر غلبہ عظمت الٰہیہ کا اثر

تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام پر جب حق تعالیٰ شانہ کی عظمت و جلالت کا ظہور ہوتا ہے تو سکڑ کر مثل

گویا ہو جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یحدثنا ونحدثہ فاذا حضرتہ الصلوٰۃ کانہ لم یعرفنا ولم نعرفہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کرتے اور ہم آپ سے باتیں کرتے مگر جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ کی یہ حالت ہو جاتی کہ گویا نہ آپ ہمکو پہچانتے ہیں اور نہ ہم آپ کو پہچانتے ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ۔

اذا سمع الاذان کانہ لا یعرف احدًا من الناس۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب اذان سنتے تو آپکی یہ حالت ہو جاتی کہ گویا آپ کسی کو بھی نہیں پہچانتے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص اوقات قرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرب کے بعض اوقات ایسے گذرتے تھے کہ آپ بجز ذات حق کے کسی کو نہ پہچان سکتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا واقعہ چنانچہ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ اس وقت حق تعالیٰ کی معیت اور قرب کی تجلیات میں محو تھے غلبۂ حضور مع الحق کا یہ عالم تھا کہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ کو پہچان نہ سکے اور دریافت فرمایا کہ من انتِ تو کون ہے۔ عرض کیا انا عائشہ میں عائشہ ہوں۔ پھر بھی حضور نے نہ پہچانا۔ لہٰذا پھر دریافت کیا کہ من عائشہ عائشہ کون؟ عرض کیا بنت ابی بکرؓ ابو بکر کی بیٹی پھر بھی آپ کو اس حالت سے افاقہ نہ ہوا دریافت فرمایا کہ من ابو بکر

ابوبکر کون ہیں عرض کیا ابن ابی قحافہ ابو قحافہ کے بیٹے۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ من ابو قحافہ ابو قحافہ کون تب حضرت عائشہ صدیقہ رض پر دہشت اور خوف کا غلبہ ہوا اور چپکے سے واپس ہوگئیں۔ پھر جب آپ کو اس حالت سے افاقہ ہوا تو حضرت عائشہ صدیقہ رض نے سب ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ میرے اور میرے اللہ کے درمیان بعض مخصوص وقت ہوتا ہے اس وقت میں مجھے ایسا قرب نصیب ہوتا ہے کہ اس مقام قرب میں نہ تو کسی نبی مرسل کی رسائی ہوسکتی ہے اور نہ کسی مقرب فرشتے کی۔ سے

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربط خفی سے ✤ معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت خشیت نماز میں حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے تو استحضار عظمت حق سے آپ کے قلب سے ایسی آواز آتی تھی جیسے کوئی ہانڈی جوش کر رہی ہو۔

یسمع لصدرہ ازیز کازیز المرجل (الحدیث)

حضور کی شان عبدیت اس درجہ قرب اور رفعت شان رسالت کے باوجود آپ کی شان عبدیت یہ تھی کہ آپ بکثرت استغفار فرمایا کرتے تھے ارشاد فرماتے ہیں۔

انہ لیغان علی قلبی فاستغفر اللہ فی الیوم واللیلۃ سبعین مرۃ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے قلب پر بھی غبار چھا جاتا ہے سو شب و روز میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔

ہمارے حضرت مرشد پاک رح نے تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ منتہی پر بھی تغیرات طاری ہوتے ہیں جو اس کی شان کے مناسب ہوتے ہیں

اسی تغیر احوال کی وجہ سے ایک بار حضرت حنظلہ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کو اپنے اوپر نفاق کا شبہ ہو گیا اور دونوں حضرات گھبرائے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ جب ہم لوگ آپ کی مجلس میں ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا جنت اور جہنم ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور جب ہم اپنے بال بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ایمان کی وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہی حالت باقی رہے جو ہمارے پاس رہتی ہے تو ملائکہ تم لوگوں سے مصافحہ کرنے لگیں تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں پر لیکن ساعۃ کذا و ساعۃ کذا یعنی کبھی یہ حالت مناسب ہے کبھی وہ حالت مناسب ہے۔ اگر ہمیشہ ایک ہی حالت قائم رہے تو انتظام معاش وغیرہ منہدم ہو جائے۔ یعنی یہ تغیر احوال کچھ مضر نہیں، بلکہ اسی میں حکمت ہے اسی کو حضرت سعدی رح فرماتے ہیں

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم | گہے بر پشت پائے خود نہ بینم
اگر درویش بر حالے بماندے | سر دست از دو عالم بر فشاندے

سو سالک کو تغیر احوال سے تنگ دل نہ ہونا چاہیے؛ جب تک وہ معاصی تک نہ پہنچا دیں۔ اور معاصی سے بچنا امر اختیاری ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تغیر دوسرے سالکین کے تمکن سے بھی ارفع ہے۔ مگر آپ کے تمکن کے مقابلہ میں تغیر ہے نیز آپ کے ارشاد کہ

تقریر انہ لیغان علی قلبی

انہ لیغان علی قلبی میں جو غین مذکور ہے وہ مانع یا منقص تجلی نہیں ہے کیونکہ وہ تجلی جو آپ کے قلب پر ہوتی ہے اس قدر قوی النور ہے کہ خود اس غین کو بھی منور کر دیتی ہے۔ چنانچہ ظاہر بھی ہے کہ وہ تعلقات اور توجہات الی الخلق جو مصداق ہیں اس غین کا اور عامہ مومنین کے لئے ساتر تجلیات ہیں آپ کے لئے موجب زیادت قرب اور عین طاعت

تھے پس خود ان کی ظلمت جو ان کی اصل وضع کا مقتضا تھا بالکلیہ محو ہوگئی اور یہی حکم سب انبیاء علیہم السلام کے لئے عام ہے بخلاف اولیاء کے کہ ان کے لئے حُجب بشریہ کسی وقت ساتر تجلیات ہو جاتے ہیں گو قوی الستر نہ ہوں۔

(از کلید مثنوی دفتر ششم ص۱۸۰)

حضرت گنگوہیؒ کی تحقیق کہ حضورؐ کا استغفار کن امور سے تھا

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا مغفرت چاہنا کس بات سے تھا جبکہ آپ کی ذات مبارکہ معصوم تھی۔

توحضرت گنگوہی ؒ نے فرمایا کہ بات یہ ہے قرب کے درجات ہوتے ہیں جنکی حد نہیں ہے نہ نبوت کے درجات قرب ختم ہوتے ہیں نہ ولایت کے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا کسی معصیت سے نہ تھا بلکہ آپ کو جو ترقی درجات قرب میں عطا ہوتی تھی تو ماسبق کے اعتبار سے استغفار فرماتے تھے یعنی قرب کا ماسبق کا درجہ مابعد کے درجہ سے کمتر معلوم ہوتا تھا اور خیال ہوتا تھا کہ اب تک کونسی چیز قرب کے اس درجۂ عالی پر پہنچنے سے مانع تھی۔ پس آپ اس چیز کو ذنب سے تعبیر فرما کر استغفار فرماتے تھے۔ یہ حضرات مغز دین جانتے تھے۔

قرب کے درجات غیر متناہی ہونے کا ثبوت یایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا کی آیت سے

قرب اور یقین کے غیر متناہی مراتب کا ثبوت اس آیت سے ہوتا ہے حق تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا — اے ایمان والو ایمان لاؤ

ہمارے مرشد پاک حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیان القرآن کے حاشیہ مسائل السلوک میں اس آیت کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ ایمان لانیوالی

سے ایمان لانے کا حکم فرمانا بظاہر تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب ایمان قلب میں موجود ہے تو پھر ایمان لانے کا حکم کیوں ہو رہا ہے تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یقین کے مراتب بہت ہوتے ہیں۔ اتنے مراتب ہیں کہ ان کا احاطہ محال ہے۔ بمعنی لاتقف عند حد کیونکہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات پاک اور اس کی صفتیں غیر محدود ہیں۔ پس مومنین سے ایمان لانے کا امر اس اعتبار سے ہے کہ فی الحال قلب میں جو درجہ یقین کا حاصل ہے اس کے اوپر کے مرتبے کی تحصیل میں کوشش کرتے رہو اسی کو حضرت عارف رومی فرماتے ہیں ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست ٭ آنچہ بروے می رسی بروے مایست

ترجمہ :۔ اے برادر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب کے غیر متناہی مراتب ہیں جس مقام قرب پر تم اس وقت فائز ہو اس پر قناعت کرکے ٹھہر نہ جاؤ بلکہ اس کے اوپر کے مراتب کی فکر میں لگ جاؤ۔

اصلی علم اور اصلی فکر کیا ہے اصلی علم اور اصلی فکر یہ ہے جو بندوں کو اللہ تک پہنچادے۔ ؎

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے ٭ راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

(عارف رومی)

ترجمہ :۔ اصلی فکر وہ ہے کہ راستہ کھولدے اور اصلی راہ وہ ہے جو شہنشاہ حقیقی یعنی حق تعالےٰ تک پہنچی ہوئی ہو۔

ایہا القوم الذی فی المدرسہ ٭ کل ما حصلتموہ وسوسہ

علم نبود الا علم عاشقی ٭ مابقی تلبیس ابلیس شقی

(عارف رومی)

ترجمہ :۔ حضرت عارف رومی فرماتے ہیں کہ اے وہ قوم جو مدرسہ میں صرف

درس و تدریس پر مطمئن ہے۔ جو کچھ کہ تم لوگوں نے حاصل کیا ہے وہ سب وسوسہ ہے کیونکہ علم حقیقی تو صرف وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کر دے اور جس علم نے حق تعالیٰ کی محبت قلب میں نہ پیدا کی وہ سب ابلیس شقی کا آلہ کار ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ عالم بے عمل کے پاس بیٹھنا بھی مضر ہے۔

طلباء اور مدرسین کیلئے حضرت تھانویؒ کا ارشاد

ہمارے حضرت مرشدؒ فرمایا کرتے تھے کہ طلباء کو چاہیے کہ جب مدارس سے فارغ ہوں تو کم از کم چھ ماہ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ پڑیں تاکہ جو کچھ مدرسہ میں حاصل کیا ہے اس پر عمل کرنے کی ہمت اور قوت قلب میں پیدا ہو جاوے۔ دین فقط کتابوں کے نقوش کا نام نہیں ہے۔

آجکل اہلِ علم اعمال سے غافل کیوں ہیں

مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ پہلے تو ہمارے حضرات سے کچھ مستغنی سے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق عطا فرمائی تھانہ بھون حاضر ہوئے اور حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم سے فائدہ حاصل کر کے فرمایا کہ افسوس اب تک میں کیوں محروم رہا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ مجھے کچھ آتا ہے۔ مگر حضرت تھانویؒ کے علوم کے سامنے تو میں بالکل جاہل معلوم ہوتا ہوں۔ پھر تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ایک والہانہ تعلق ہو گیا۔ بفضلِ الٰہی سید صاحب مجاز بیعت بھی ہو گئے پھر تو ایسی نورانی سمجھ عطا ہوئی کہ ایک بار کسی نے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ مدارس کے طلباء اس زمانہ میں عملی کوتاہیوں میں مبتلا ہیں تو بہت عمدہ جواب دیا فرمایا کہ "دین مجموعہ ہے دو جزء کا۔ ایک علم نبوت اور دوسرے نور نبوت چونکہ طلباء صرف علم نبوت تو حاصل کرتے ہیں اور اللہ والوں سے نور نبوت نہیں حاصل

کرتے ہیں۔ اس لئے علم پر قوت عملیہ سے محروم رہتے ہیں ۱۲

حق تعالیٰ نے میرے قلب میں اس کی تائید میں قرآن پاک کی ایک آیت ڈالی ہے جس سے اس مضمون کی تائید اور تفصیل ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین۔ — اے لوگو تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا ہے اور کتاب مبین نازل ہوئی ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں نور سے مراد حضور صلعم کی ذات مبارک ہے حضور صلعم سے حضرات صحابہؓ نے کتاب کی بھی تعلیم حاصل کی یعنی علم نبوت بھی حاصل کیا اور حضور صلعم کی صحبت مبارکہ سے انوار نبوت کو بھی اپنے سینوں میں حاصل کیا علم نبوت کے نقوش تو کتابوں میں لئے جا سکتے ہیں لیکن انوار نبوت کا محل کاغذ نہیں بن سکتا۔ نور کا محل تو مومن کا قلب ہی ہو سکتا ہے۔ پس علوم نبوت تو کتابوں سے کتابوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں اور انوار نبوت سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں۔ اسی کو حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ۔ ؎

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت ؂ اک خانہ بخانہ ہے اک سینہ بسینہ ہے

حدیث پڑھنے اور پڑھانے کا لطف کب ہے

ہمارے حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حدیث پڑھنے کا لطف تو جبھی ہوتا ہے جب شاگرد بھی صاحب نسبت ہو اور استاد بھی صاحب نسبت ہو۔ طلباء میں جو عملی کوتاہیاں زیادہ بڑھتی جارہی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ اس زمانے میں طلباء صرف علم نبوت مدارس میں حاصل کر لیتے ہیں اور نور نبوت کو کسی صاحب نسبت بزرگ سے نہیں حاصل کرتے پس کیوں نہ دین ادھورا رہے۔ دین کامل تو اسی وقت نصیب ہو سکتا ہے جبکہ اس کے دونوں اجزاء حاصل کئے جائیں۔

یعنی علم نبوت بھی حاصل کریں اور بعد میں کسی صاحب نظر سے نور نبوت بھی حاصل کریں ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر جج اکبر الہ آبادی کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا ؎ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(اکبر الہ آبادی)

جج اکبر الہ آبادی مرحوم کے یہاں ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے تھے۔ دیندار آدمی تھے اور بڑے ظریف الطبع تھے۔ صحبت اہل اللہ کی ترغیب میں نوجوان طبقے کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ ؎

نہیں سیکھا انھوں نے دین رہ کر شیخ کے گھر میں ؎ پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

(اکبر الہ آبادی)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار فرمانے پر جو تحقیق فرمائی ہے یہی تحقیق ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے۔ حضرت نے تفسیر بیان القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ

لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر میں ذنب کیا مراد ہے

حق تعالیٰ نے سورۂ فتح پ۲۶ میں جو ارشاد فرمایا ہے کہ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے۔ تو یہاں خطاء سے مراد معصیت نہیں ہے۔ یہاں ذنب سے مراد ذنب مجازی ہے۔ کیونکہ ہر نبی معصوم ہوتا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل عبادت تھا۔ اور آپ کے لئے جس فعل کو ترک کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے تو اس فعل متروک سے دوسرا فعل مامور زیادہ عبادت تھی پس جس عبادت سے اعلیٰ عبادت کی طرف آپ کو متوجہ فرمایا گیا تو اس اعلیٰ کے مقابلہ میں ماسبق کو حق تعالیٰ شانہٗ نے مجازاً ذنب فرما کر اس کی مغفرت کی بشارت دیدی

تاکہ آپ کو قلق نہ رہے ورنہ مقربان را بیش بود حیرانی کے تحت آپ ملول خاطر ہوتے۔

حضرت آدم علیہ السّلام کا عصیان نسیان تھا

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق حق تعالیٰ شانہٗ نے جو ارشاد فرمایا ہے

کہ عصیٰ اٰدم ربہ فغوی اور آدم علیہ السلام سے اپنے رب کا قصور ہوگیا سو غلطی میں پڑ گئے (سورۂ طٰہٰ پ۱۶)

تو اس کا جواب حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہاں عصیان بمعنی میں نسیان کے ہے کیونکہ دوسری جگہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے۔ فنسی ولم نجد لہ عزما۔ سو ان سے غفلت ہوگئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔

اب یہ سوال ہوتا ہے کہ جب نسیان تھا تو اس نسیان کو عصیان سے تعبیر کیوں فرمایا تو اس کا جواب حق تعالیٰ شانہٗ نے بہت عجیب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے میرے دل میں ڈالا ہے جس کے اندر طریق اور سلوک سے متعلق ایک لذیذ اور نافع تقریر ہے۔ اور حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی تائید مذکور سے اس کے بیان کی ہمت بھی ہوگئی جب اکابر سلف سے تائید ہو جاتی ہے تو قلب کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ وہ تقریر یہ ہے کہ

حضرت آدم علیہ السّلام کے نسیان کو عصیان سے تعبیر فرمانے پر ایک عجیب تقریر

نسیان حضرت آدم علیہ السلام کو عصیان سے تعبیر فرمانے کے ساتھ حق تعالیٰ نے اپنی صفت ربوبیّت کا ذکر فرمایا ہے وعصیٰ اٰدم ربہ اور آدم علیہ السلام سے اپنے رب کا قصور ہوگیا۔ یہاں رب فرما کر یہ بتادیا کہ نسیان کو عصیان کے عنوان سے تعبیر فرمانے میں حضرت آدم علیہ السلام کی تربیت مقصود ہے۔ چنانچہ عصیان میں بوجہ شان عتاب ہے اس کے استحضار سے حضرت آدم

علیہ السلام کے قلب مبارک پر ایسی ندامت اور شکستگی طاری ہوئی کہ آپ اس حزن اور ندامت کی راہ سے عبدیت کے اس عالی مرتبے پر فائز ہو گئے جس مرتبے پر کہ علم الٰہی میں آپ کو تاج خلافت عطا ہونا تجویز ہوا تھا۔ غلبۂ حزن اور ندامت سے آپ کی عبدیت کے بیج کو پختہ کرنا تھا تاکہ عبدیت آدم علیہ السلام خلافت الٰہیہ کا بار اٹھا سکے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری کا اثر

علی آزاد سید عبدالجلیل صاحب بلگرامی نے اپنی کتاب سبحۃ المرجان میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر جب حق تعالیٰ شانہٗ کا عتاب ظاہر ہوا تو آپ اس قدر روئے کہ آپ کے گریہ وزاری کے آنسوؤں سے چھوٹے چھوٹے چشمے پیدا ہو گئے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تا جرا جنس درد از راہ دور آوردہ است ؎ از برائے داغ دل آتش زطور آوردہ است
سیل خون از سینۂ گرمم روان گردست عشق ؎ نازم اعجازش کہ طوفاں از تنور آوردہ است

پھر حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے جمع شدہ آنسوؤں کے چشموں سے خوشبودار پھول کے درخت پیدا فرمائے ۱۲ یہ روایت اگرچہ کہیں حدیثوں میں نہیں دیکھی ہے لیکن انھوں نے کہیں سے اس کو نقل کیا ہوگا۔ بہر حال کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ آنسو بھی تو بڑے قیمتی تھے۔

علم الٰہی میں تو آپ خلیفۃ اللہ فی الارض بنا کر پیدا ہی فرمائے گئے تھے جیسا کہ حق تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفہ اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب لیکن یہ خلافت کس راہ سے ملے گی۔ پہلے رلائیں گے تب دیں گے۔

اس راہ میں صاحب الحزن بہت جلد ترقی کرتا ہے

حضرت مرشد پاکؒ فرمایا کرتے تھے کہ صاحب الحزن بہت جلد حق تعالےٰ

کے راستے کو قطع کرتا ہے اور جب کسی سالک کا خط آتا کہ حضرت آجکل قبض باطنی سے دل غمگین رہتا ہے تو تحریر فرما دیتے کہ دلگیر نہ ہوں یہ حالت قبض منجملہ حالات رفیعہ سے ہے اگر ہمیشہ بسط کی حالت طاری رہے تو انسان عجب اور پندار میں مبتلا ہو جائے ۱۲

تربیت کا مقتضا یہی تھا کہ نسیان کو عصیان سے تعبیر فرما دیا جائے کیونکہ وہ رب بھی ہیں اور حکیم مطلق بھی ہیں ان کی تربیت حکمت کے ساتھ ہوتی ہے۔ تربیت کہتے ہیں کسی شئے کو تدریجاً اس کے اس درجۂ کمال پر پہنچا دینا جو درجہ کہ علم الٰہی میں بربنار حکمت الٰہیہ اس شئے کے لئے تجویز ہو چکا ہے۔

وعصیٰ اٰدم ربہ میں جو ربوبیت ہے اسی شان ربوبیت کو حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے قلب مبارک پر منکشف فرما دیا فتلقیٰ اٰدم من ربہ کلمٰت۔ بعد ازاں حاصل کر لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند الفاظ اور عرض کئے۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔ اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا۔ اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ فرمائیے گا تو ہم بڑے ٹوٹے میں پڑ جائیں گے۔ اس دعا میں بھی صفت ربوبیت تلقین فرمائی گئی

عجیب لطائف علوم قرآن کے ہیں ۔ جب چاہتے ہیں پردہ اٹھا دیتے ہیں
مخدرات سر پردہ ہائے قرآنی ؛ چہ دلبر اند کہ دل می برند پنہانی

پھر حق تعالیٰ نے صفت ربوبیت کے ساتھ ارشاد فرمایا ثم اجتبٰہ ربہ فتاب علیہ وھدیٰ پھر ان کے رب نے مقبول بنا لیا سو ان پر توجہ فرمائی اور راہ پر قائم رکھا۔

ربوبیت الٰہیہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ندامت اور زاری کی راہ سے آپ کے شایانِ شان مرتبۂ عبدیت پر پہنچا کر اس پر خلافت کا تاج رکھدیا اتنے مراحل سے گذار کر خلیفۃ اللہ فی الارض کی پگڑی باندھی گئی تھی۔ کیسے کیسے امور راہ میں پیش آجاتے ہیں

جس کو مقتدا بناتے ہیں اس کو خوب پختہ کر کے بناتے ہیں۔ تب دوسروں کی رہبری سپرد فرماتے ہیں۔

اب جب سب کام مکمل ہو گیا یعنی گریہ وزاری سے تربیت خاص کی نگرانی میں حضرت آدم علیہ السلام کی عبدیت کامل اور اکمل ہو کر تاج خلافت سے مشرف ہو گئی تو حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ اب آپ کی تسلی فرما دی جائے کیونکہ غلبۂ حزن کی حالت میں بربنائے بشریت خلافت کا کام کما حقہ انجام دینے سے اعضاء قاصر رہتے۔

لوازم بشریہ کا انفکاک کاملین سے بھی نہیں ہوتا ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوازم بشریہ کا انفکاک کاملین سے بھی نہیں ہوتا ہے اسباب خوشی ورنج سے کاملین بھی متاثر ہوتے ہیں ورنہ جو حکمتیں طبائع بشریہ سے متعلق ہیں مثلاً مسرت پر شکر اور رنج پر صبر ورضا وغیرہ فوت ہو جائیں۔ پس ضرورت ہوئی کہ اب آپ کی تسلی فرما کر آپ کا غم بھلا دیا جائے۔ اور انبساط کیساتھ کار خلافت کی انجام دہی میں لگ جائیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ فنسی ولم نجد لہ عزما۔ آپ کا عصیان تو نسیان تھا ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ کے قلب میں اس چوک کا ارادہ نہ تھا۔ دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ بعض طبائع اپنی شرافت کی بناء پر آقا کی ناراضگی سے اس قدر منفعل ہوتی ہیں کہ ان کی شکستگی اور ندامت کو دیکھ کر آقا کا کرم جوش میں آجاتا ہے اور آقا خود سمجھانے لگتا ہے کہ جاؤ بے فکر رہو خوب دل لگا کر کام کرو وہی غم لئے نہ پڑے رہو۔ انسان ہی سے غلطی ہو جاتی ہے اسی طرح مقربان بارگاہ حق اپنی معمولی چوک سے اس قدر منفعل اور شکستہ ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگ کبائر کے ارتکاب سے بھی ندامت کے اس رفیع مقام پر نہیں پہنچتے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مقرب بارگاہ کے سامنے حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اپنی ذلت و عبدیت ہوتی ہے۔ اسی امر کے پیش نظر بزرگوں نے لکھا ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین اور صوفیہ کا قول مشہور ہے مقربان

راہش بود حیرانی۔

بڑوں کی معمولی چوک کو بھی اہمیت دی جاتی ہے

بڑوں کی معمولی چوک کو بھی اہمیت دیجاتی ہے جیسا کہ حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں

طاعت عامہ گناہ خاصگاں ؛ وصلت عامہ حجاب خاص داں

عوام کا مقام قرب خواص کیلئے حجاب ہوتا ہے

حضرت عارفؒ فرماتے ہیں عوام کا مقام قرب خواص کے لئے مقام حجاب ہے اور عوام کی عبادت خواص کے لئے معصیت ہے۔ وصال کا ترجمہ قرب سے اس لئے کیا ہے کہ

قرب او را وصال می گویند ؛ وصل او را محال می گویند

ترجمہ :۔ ان کے قرب کو مجازاً وصال کہتے ہیں اور ان کے وصل بامعنی الحقیقی کو محال کہتے ہیں۔ عوام کی طاعت چونکہ اخلاص اور خشیت کی روح سے خالی ہوتی ہے اس لئے یہ طاعت عامہ مقربان حق کے لئے معصیت اور گستاخی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو چونکہ مقتدا بنانا تھا اس لئے شان مقتدائیت کا اقتضاء یہ تھا کہ آپ کے نسیان کو عصیان سے تعبیر فرمایا جائے۔ اس تعبیر سے حضرت آدم علیہ السلام کی رفعت شان کا ظہور ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عارفؒ فرماتے ہیں

گر خفاشے رفت در کور و کبود ؛ باز سلطاں دیدہ را بارے چہ بود

ترجمہ :۔ اگر خفاش کور و کبود میں چلا گیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اس کی فطرت ہی ظلمت پسند واقع ہوئی ہے لیکن وہ باز جو سلطان کا مقرب ہے تو اس مصاحب آفتاب کا تاریکی اور ظلمت کی طرف مائل ہونا بیشک تعجب خیز امر ہے۔

حق تعالیٰ کی ربوبیت کی شانیں غیر محدود ہیں وکلّ یوم ھو فی شان روزانہ ہر وقت

کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے) تعبیر عصیان سے جو ربوبیت مقصود تھی اس کی تکمیل کے بعد حق تعالیٰ نے اس شان ربوبیت کو دوسری شان ربوبیت سے بدلدیا یعنی تعبیر عصیان کو تعبیر نسیان سے بدل کر آپ کے غمزدہ اور ٹوٹے ہوئے دل پر نسیان کا مرہم رکھدیا تاکہ اب کارخانۂ خلافت کا کاروبار گرم ہوجائے۔ یہ قرآنی لطائف ہیں جن کے اندر اہل طریق کے لئے احوال باطنیہ سے متعلق مفید مضامین حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے کہلادیئے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عبدیت

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ہدہد نے جب تذکرہ کیا کہ ملک سبا میں بلقیس (جو ایک جنیہ کی لڑکی تھی) کی بڑی بادشاہت دیکھ کر آیا ہوں تو آپ نے اس کے نام ایک خط لکھ کر دیا کہ اس کا جواب لاؤ۔ سورۂ نمل میں حق تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے۔ سبحان اللہ خط کا عنوان عجیب شان عبدیت لئے ہوئے ہے۔ خط کا عنوان یہ ہے۔

انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ان لا تعلوا علی واتونی مسلمین۔	وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم تم لوگ میرے مقابلہ میں تکبر مت کرو۔ اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے والا نامے میں انہ من سلیمان تحریر فرمایا اپنے نام کے ساتھ اپنا کوئی لقب نہیں لکھا حالانکہ آپ اتنے بڑے بادشاہ تھے کہ آپ کی حکومت انسانوں کے علاوہ جنوں پر اور تمام پرندوں پر بھی تھی آپ تمام پرندوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔ اس شان کی سلطنت کے باوجود آپ نے اپنے والا نامہ میں صرف اپنا نام تحریر فرمایا۔ حق تعالیٰ شانہ کا نام جہاں ہو وہاں عبودیت کا مقتضا یہی تھا کہ

تو مباش اصلا کمال این است و بس ٭ رو در و گم شو وصال این است و بس

ترجمہ :۔ تو بالکل نہ رہ یعنی اپنے کو مٹا دے یہی مٹانا بندگی کے لئے کمال ہے۔ جا اپنے ٹمٹماتے ہوئے فانی چراغ ہستی کو اس حقیقی باقی آفتاب حق کی جلالت و عظمت شان کے سامنے فنا کر دے۔ بس اسی کا نام وصال ہے۔ ؎

پیش یوسف نازش و خوبی مکن ٭ جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش ٭ ہمچو او با گریہ و آشوب باش

(عارف رومی)

ترجمہ (۱) :۔ مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی جلالت و عظمت شان کے سامنے تم عجز بیچارگی اور عاجزی کے اظہار کے ناز اور خوبی مت دکھاؤ (۲) جب تم یوسف نہیں ہو یعنی باعتبار اپنی ذات کے فانی عاجز محتاج ہو تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح گریہ اور زاری کی راہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختیار کرو۔

مگر اللہ تعالیٰ نے اس سادے عنوان میں عجیب اثر پیدا فرما دیا کیونکہ من تواضع للہ رفعہ اللہ جو اپنے کو اللہ کے لئے گرا دیتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ بلند فرما دیتا ہے چنانچہ جب یہ والا نامہ بلقیس نے دیکھا تو اس کا دل مرعوب ہو گیا اور اس نے اپنے درباریوں سے کہا یا ایہا الملؤا انی القی الی کتاب کریم اے اہل دربار میرے پاس ایک خط با وقعت ڈالا گیا ہے۔ پھر بلقیس نے درباریوں سے کہا کہ اس خط کے جواب میں کچھ تحفے بھیجتی ہوں اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے قبول کر لیا تو سمجھ لینا کہ دنیادار ہیں ان کا مقابلہ کچھ مشکل نہیں ہو گا اور اگر انھوں نے تحفے واپس کر دئے تو یقین کر لینا کہ وہ اللہ کے سچے نبی ہیں اس صورت میں ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا ہے۔

چنانچہ جب تحفے واپس آ گئے تو بلقیس کو یقین ہو گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اہل دربار سے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا ہے

جو بلقیس کا تخت قبل اس کے کہ وہ میرے پاس مطیع ہو کر آویں حاضر کردے ایک قوی جن نے جواب دیا کہ حضور میں قبل اس کے کہ آپ اجلاس سے اٹھیں تخت کو حاضر کردوں گا اور عرض کیا وانی علیہ لقوی امین اور میں اس پر طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوکر مضبوط اور امانت دار رکھنا چاہئے قوت اور امانت دونوں صفتیں ضروری ہیں۔

اہل دربار سے دوسرے شخص نے کہا کہ حضور میں آپ کے سامنے آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لاکر حاضر کرسکتا ہوں پس حضرت سلیمان علیہ السلام کی آنکھ جھپکنے سے پہلے آپ کے سامنے بلقیس کے تخت کو اس شخص نے لاکر کھڑا کردیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی عبدیت رفیعہ اس مقام پر قابل عبرت ہے۔ فرماتے ہیں

هٰذا من فضل ربی لیبلونی ءاشکر ام اکفر ط ومن شکر فانما یشکر لنفسہٖ ج ومن کفر فان ربی غنی کریم (پ ۱۹ سورۂ نمل)

حضرت سلیمان علیہ السلام تخت کو روبرو دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے تاکہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب غنی اور کریم ہے۔

سبحان اللہ ہر ہر لفظ سے بندگی کی شان ظاہر ہورہی ہے کہیں سے اپنے اوپر نگاہ نہیں ہے کہ میری سلطنت ایسی ہے یا میرے رفقاء ایسے ہیں۔ ھذا من فضل ربی سے نفس کی جڑ کاٹ دی۔

خاص بندوں کی نگاہ تو ہر وقت انھیں کے فضل پر رہتی ہے اپنے اوپر نگاہ عبودیت کی رہتی ہے اور اس فضل کو بھی اپنے لئے آزمائش سمجھتے ہیں۔ خاص بندوں کو

عبودیت بھی نہایت بلند عطا کیجاتی ہے۔

خواص بندے انعامات الٰہیہ کو امتحانات الٰہیہ سمجھتے ہیں

وہ انعامات الٰہیہ کو امتحانات الٰہیہ سمجھتے ہیں عجب اور پندار تو نااہلوں کو پیدا ہوجاتا ہے۔ ناکساں کم ظرف اور کم حوصلہ ہوتے ہیں۔ حوصلہ کہتے ہیں چڑیوں کے پیٹ میں جہاں ان کا دانہ جمع ہوتا ہے۔ ہندی زبان میں اس کو پوٹی کہتے ہیں۔ حوصلہ عربی لفظ ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے تفسیر موضح القرآن میں ھذا من فضل ربی کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا ہے اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے جن سے کرامت ہونے لگی۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ قال الذی عندہ علم من الکتاب سے مراد خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔

عارفین اپنے اعمال حسنہ کو عطاء حق سمجھتے ہیں

عارفین کی یہی شان ہوتی ہے کہ ان کو جو کچھ بھلائیاں پہنچتی ہیں یا اُن سے جو کچھ اچھے اعمال صادر ہوتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی عطا اور انعام سمجھتے ہیں۔ اپنے نفس کی طرف منسوب نہیں کرتے ہیں اسی وجہ سے ان کو اپنی تکثیر عبادت ونوافل پر کبھی ناز نہیں پیدا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

ما اصابك من حسنة فمن اللہ وما اصابك من سيئة فمن نفسك ۔ (الآیۃ پ۵)	اے انسان تجھکو جو کوئی خوش حالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیش آتی ہے اور جو کوئی بد حالی پیش آتی ہے وہ تیرے ہی سبب سے ہے

عارفین پر اس تعلیم کی وجہ سے ہر وقت ادب کی خاص شان غالب ہوتی ہے

حضرت خضر علیہ السلام کا ادب

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی توڑنے کے فعل کو

اپنی طرف منسوب فرمایا۔

اما السفینۃ فکانت لمساکین یعملون فی البحر فاردت ان اعیبھا وکان وراءھم ملک یاخذ کل سفینۃ غصبا۔

وہ جو کشتی تھی سو چند غریب آدمیوں کی تھی جو اس کے ذریعہ سے دریا میں محنت مزدوری کیا کرتے تھے اور اسی پر ان کی گذر اوقات ہوا کرتی تھی سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور وجہ اسکی یہ تھی کہ ان لوگوں سے آگے کی طرف ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر اچھی کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا سو اگر ان کی کشتی میں عیب ڈالا جاتا تو اس کو بھی چھین لیتا اور ان غریبوں کا ٹکڑا مارا جاتا بس اس توڑنے میں یہ مصلحت تھی۔ (بیان القرآن)

حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو عیب دار کرنا اگرچہ خدا تعالیٰ ہی کے حکم سے تھا مگر ادباً اس فعل کی نسبت حق تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف نہ کی اور یوں کہا کہ میں نے یہ چاہا۔ اسی طرح جس لڑکے کو حکم خدا سے مار ڈالا اس کو بھی اپنی طرف منسوب کیا۔

فاردنا ان یبدلھما ربھما خیرا منہ زکوۃ واقرب رحما

پس ہم کو یہ منظور ہوا کہ بجائے اس کے ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔

اور جب اس دیوار کا ذکر آیا ہے جس کی بنیاد میں دو یتیم بچوں کا مدفونہ مال تھا اس کے متعلق یوں عرض کیا۔

فاراد ربک ان یبلغا اشدھما ویستخرجا کنزھما رحمۃ من ربک۔

سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جاویں اور اپنا دفینہ نکال لیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے دونوں کاموں کو یعنی کشتی کے عیب دار کرنے اور لڑکے کے مار ڈالنے کے ارادوں کو اپنی طرف منسوب کیا اور دیوار اٹھانے کے ارادے کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ عبدیت کاملہ کی یہی شان ہوتی ہے۔ حالانکہ ہر کام خدا تعالیٰ ہی کے حکم سے کیا تھا جیسا کہ آگے فرماتے ہیں۔ وما فعلتہ

من امری۔ اور کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ لیکن کیسا ادب کو نباہا ہے سبحان اللہ۔

قصہ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تفسیری لطائف

اس مقام پر ایک عجیب بات یاد پڑی ایک مفسر علی مہائمی گذرے ہیں۔ ان کی قبر بمبئی میں ہے میں ان کے مزار پر حاضر ہوا ہوں۔ اپنی تفسیر علی مہائمی میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے جن افعال پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اشکال ہوا تھا وہ سب افعال خود اُن پر بیت چکے تھے۔ اگر اپنے اندر غور کرتے تو ہر اشکال کا حل خود اپنے اندر موجود پاتے جس کی تفصیل یہ ہے کہ

(۱) جس کشتی میں چھید کر دینے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اشکال ہوا کہ اب اس کشتی کے سوار ہلاک ہو جائیں گے تو خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بحکم خدا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے تو ایک صندوقچہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بند کر کے دریا میں ڈالدیا تھا۔ کیونکہ فرعون کو نجومیوں نے یہ خبر دی تھی کہ اس سال بنی اسرائیل میں ایک بچہ ایسا پیدا ہوگا جو تیری ہلاکت اور زوال سلطنت کا سبب ہوگا۔ پس اس ظالم نے حکم جاری کر رکھا تھا کہ اس سال بنی اسرائیل میں جتنے بچے پیدا ہوں سب قتل کر دیئے جائیں۔ حق تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام فرمایا کہ جب تک ان کا اخفا ممکن ہو تم ان کو دودھ پلاؤ۔ پھر جب تم کو ان کی نسبت جاسوسوں کے مطلع ہونے کا اندیشہ ہو تو بے خوف و خطر ان کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈالدینا اور تم نہ تو ان کے غرق سے اندیشہ کرنا اور نہ مفارقت پر غم کرنا کیونکہ ہم ضرور ان کو تمہارے ہی پاس واپس پہنچا دیں گے۔ پھر اپنے وقت پر ان کو پیغمبر بنائیں گے۔ غرض وہ اسی طرح دودھ پلاتی رہیں پھر جب افشارِ راز کا خوف ہوا تو صندوق میں بند کر کے اللہ کے نام پر دریائے نیل میں چھوڑ دیا!

اس کی کوئی شاخ فرعون کے محل میں جاتی تھی یا تفریحاً فرعون کے متعلقین دریا کی سیر کو نکلے تھے، غرض وہ صندوق کنارہ پر لگا تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو مع صندوق کے اٹھا لیا تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنیں بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین اس بارے میں بہت چوکے کہ اپنے دشمن کو اپنی بغل میں پالا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام صندوق سے نکال کر فرعون کے پاس لائے گئے تو فرعون کی بی بی حضرت آسیہ نے فرعون سے کہا کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے یعنی اس کو دیکھ کر جی خوش ہوا کرے گا تو اس کو قتل مت کرو، عجب نہیں کہ بڑا ہو کر ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنا لیں اور ان لوگوں کو انجام کی خبر نہ تھی کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے ہاتھ فرعون کی سلطنت غارت ہوگی ادہر یہ قصہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل خیالات مختلفہ کے ہجوم سے بے قرار ہوگیا اور بے قراری بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ ایسی سخت بے قراری کہ قریب تھا کہ غایت بیقراری سے وہ موسیٰ علیہ السلام کا حال سب پر ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہیں کہ یہ ہمارے وعدہ پر یقین کئے بیٹھی رہیں۔ غرض بمشکل انھوں نے دل کو سنبھالا اور تدبیر شروع کی۔ وہ یہ کہ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن یعنی اپنی بیٹی سے کہا ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا۔ سو وہ چلیں اور یہ معلوم کر کے کہ صندوق محل میں کھلا ہے محل میں پہنچیں اور موسیٰ علیہ السلام کو دور سے دیکھا۔ اور ان لوگوں کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ ان کی بہن ہیں اور اس فکر میں آئی ہیں اور ہم نے پہلے ہی سے یعنی جب سے صندوق سے نکلے تھے موسیٰ علیہ السلام پر دودھ پلانے والیوں کی بندش کر رکھی تھی یعنی کسی کا دودھ نہ لیتے تھے۔ سو وہ اس حال کو دیکھ کر موقع پا کر کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور دل سے اس کی خیر خواہی کریں ان لوگوں نے ایسے وقت میں کہ دودھ پلانے کی مشکل پڑ رہی

تھی اس مشورہ کو غنیمت سمجھا اور ایسے گھرانے کا پتہ پوچھا انھوں نے اپنی والدہ کا پتہ بتلا دیا چنانچہ وہ بلائی گئیں اور موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کی گود میں دیدئے گئے اور جاتے ہی دودھ پینا شروع کر دیا۔ اور ان لوگوں کی اجازت سے چین سے اپنے گھر لے آئیں گاہے گاہے لیجا کر ان کو دکھلا آتیں۔ غرض حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح ان کی والدہ کے پاس اپنے وعدہ کے موافق واپس پہنچا دیا تاکہ اپنی اولاد کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تاکہ فراق کے غم میں نہ رہیں اور تاکہ مرتبۂ معائنہ میں اس بات کو اور زیادہ یقین کے ساتھ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ (بیان القرآن سورۂ قصص)

اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سال کے نوزائیدہ بچوں کے قتل عام کے تحت کیوں نہیں قتل کیا۔ اس کی وجہ حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں والقیت علیک محبۃ منّی ولتصنع علی عینی (سورۂ طٰہ) اور میں نے تمہارے اوپر یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے کے اوپر اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈالدیا تاکہ جو تم کو دیکھے پیار کرے اور تاکہ تم میری خاص نگرانی میں پرورش پاؤ (بیان القرآن سورۂ طٰہ)

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو دیکھتا تھا اسے بے اختیار پیار آتا تھا۔ پس اس طرح حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت اپنے اور اپنے رسول کے دشمن فرعون کے گھر میں کرائی۔ حالانکہ فرعون نے نجومیوں کی خبر سے کیا کیا انتظامات کر رکھے تھے۔ مگر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ان فرعون وھامٰن وجنودھما کانوا خاطئین۔ بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین بہت چوکے۔ یہ ترجمہ ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ یہاں خطا کا ترجمہ چوک سے فرمایا ہے۔

(۲) اور دوسرا اشکال جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک بے گناہ لڑکے کے قتل سے پیدا ہوا تھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے تو حکم خدا سے اس کو قتل کیا تھا کیونکہ وہ

لڑکا بالغ ہوکر کافر ہوتا اور ماں باپ پر اس کی طغیانی اور سرکشی کا اثر پڑتا۔ اور ماں باپ نیک ایماندار تھے اس لئے حق تعالےٰ نے والدین کی راحت کی خاطر اس لڑکے کو قتل کا حکم فرمایا۔ یہ وجہ تو خود حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اشکال ظاہر کرنے پر بیان فرمائی تھی لیکن صاحب تفسیر علی مہائمی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ معاملہ خود گذر چکا تھا کیونکہ ایک مظلوم قبطی کی حمایت میں ایک شخص کو ایک ایسا گھونسہ رسید کیا کہ اس کا کام ہی تمام ہو گیا فوکزہ موسیٰ فقضی علیہ ترجمہ تو موسیٰ نے اس کو ایک گھونسہ مارا سو اس کا کام ہی تمام کردیا یعنی اتفاق سے وہ مر ہی گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس خلاف توقع نتیجہ سے بہت پچھتائے اور عرض کیا۔

رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی فغفرلہ انہ ھو الغفور الرحیم	اے میرے پروردگار مجھ سے قصور ہوگیا آپ معاف کردیجئے سو اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا بلاشبہ وہ غفور رحیم ہے (سورۂ قصص)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عبدیت کاملہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس شخص کو گھونسہ مارا تھا وہ فرعونی تھا بوجہ حربی ہونے کے اس کا قتل مباح تھا۔ نیز ارادہ محض تادیب کا تھا قتل کا نہ تھا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عبدیت کاملہ نے خلاف اولیٰ کو کمال خوف سے گناہ سمجھا کیونکہ اولیٰ یہ تھا کہ زیادہ زور سے گھونسہ نہ مارا جاتا۔ پس خلاف اولیٰ کو کمال خشیت الٰہیہ سے معصیت سمجھ کر عرض کیا اے میرے پروردگار مجھ سے قصور ہوگیا۔

(۳) تیسرا اشکال۔ وہ یتیم بچوں کی دیوار کو جو عنقریب منہدم ہونے کو تھی۔ جب حکم الٰہی سے حضرت خضر علیہ السلام نے درست کردیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بدون عوض یہ کام کیوں کیا کہ جبکہ ہم دونوں بھوک سے پریشان ہیں۔

قالی لوشئت لتخذت علیہ اجرا (سورۂ کہف) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت ہی لے لیتے ۱۲ کیونکہ اس گاؤں کے لوگوں نے مسافر کا حق نہ سمجھا کہ ہم لوگوں کو اپنا مہمان بنا لیتے۔ کیا ضرورت تھی کہ ان کی دیوار مفت بنا دی جائے۔ (موضح القرآن)

صاحب تفسیر علی مہائمی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گذر چکا تھا چنانچہ جب اس سبطی کو ایک گھونسہ مارا اور وہ مر گیا اور یہ خبر فرعون تک پہنچی تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق درباریوں سے مشورہ کیا اور اخیر رائے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی قرار پائی اس مجمع میں ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے محب اور خیر خواہ تھے وہ دوڑے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور اس خبر کی اطلاع دیکر مشورہ دیا کہ آپ یہاں سے چلد یجئے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی رب نجنی من القوم الظالمین۔ اے میرے پروردگار مجھکو ان ظالموں سے بچا لیجئے۔

پھر یہ دعا کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام توکلاً علی اللہ غیبی القاء سے مدین کی طرف ہو لئے جب مدین کے کنوئیں پر پہنچے تو اس پر مختلف آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو اس کنوئیں سے کھینچ کھینچ کر اپنے مواشی کو پانی پلا رہے تھے اور ایک طرف کو دو عورتیں دیکھیں کہ وہ اپنی بکریاں روکے کھڑی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے پوچھا کہ تمھارا کیا مطلب ہے وہ دونوں بولیں کہ ہمارا معمول یہ ہے کہ ہم اپنے جانوروں کو اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ چرواہے جو کنوئیں پر پانی پلا رہے ہیں پانی پلا کر جانوروں کو ہٹا کر نہ لیجائیں ایک تو حیا کے سبب دوسرے مردوں سے مزاحمت ناتوانوں سے کب ہو سکتی ہے اور اس حالت میں تو ہم آتے بھی نہیں مگر ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں اور گھر پر اور کوئی کام کرنے

والا نہیں اور کام ضرور ہے اس مجبوری سے ہم کو آنا پڑتا ہے۔ بس یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام کو رحم آیا اور انھوں نے ان کے لئے پانی کھینچ کر ان کے جانوروں کو پلایا اور ان کو انتظار اور پانی کھینچنے کی تکلیف سے بچایا پھر وہاں سے ہٹ کر ایک سایہ کی جگہ میں جا بیٹھے پھر جناب باری تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار اس وقت جو نعمت بھی قلیل یا کثیر آپ مجھکو بھیجدیں میں اس کا سخت حاجتمند ہوں (کیونکہ اس سفر میں کچھ کھانے پینے کو نہ ملا تھا) حق تعالیٰ نے اس کا یہ سامان کیا کہ وہ دونوں بیبیاں اپنے گھر لوٹ کر گئیں تو باپ نے معمول سے جلدی آجانے کی وجہ دریافت کی انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کا تمام قصہ بیان کیا انھوں نے ایک لڑکی کو بھیجا کہ ان کو بلالاؤ موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی جو کہ اہل شرف کی طبعی حالت ہے اور آکر کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تاکہ تم کو صلہ دیں کہ تم نے ہماری خاطر ہمارے جانوروں کو پانی پلادیا تھا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ میں اولاد ابراہیم سے ہوں، اجنبیہ کو بے وجہ بے قصد دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ غرض اس طرح ان بزرگ کے پاس پہنچے یہ بزرگ یعنی لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی اور فرمایا کہ اب اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے۔ (بیان القرآن سورۂ قصص)

صاحب تفسیر علی مہائمی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بدون اُجرت طے کئے حضرت شعیب علیہ السلام کے جانوروں کو پانی پلایا۔ اور پانی پلاکر الگ سایہ میں بیٹھ کر حق تعالیٰ سے دعا کی۔

رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر۔	اے میرے پروردگار جو نعمت بھی قلیل یا کثیر آپ مجھکو بھیجدیں میں اس کا سخت حاجتمند ہوں۔

حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چاہتے تو کچھ اجرت ٹھہر الیتے مگر باوجود بھوک کی حالت کے بدون اجرت کام کردیا۔ اور یہ معاملہ حضرت خضر علیہ السلام نے کیا تو اس پر اعتراض فرمایا۔ یہ قرآنی لطائف ہیں جو حق تعالیٰ شانہ اپنے مقبول بندوں کو القا فرمادیتے ہیں۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعہ سے عوام کو ایک دھوکہ اور اس پر تنبیہ

حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے اس قصہ سے بعض لوگوں کو یہ دھوکا لگا کہ علم باطن جو حضرت خضر علیہ السلام کو حاصل تھا علم شریعت سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا افضل ہے ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی شاگردی کیوں اختیار فرماتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر ہیں اور انبیاء اولوالعزم کے برابر دوسرے کو یہ علم نہیں ہوتا۔ لیکن قصہ یہ ہوا کہ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں وعظ فرمایا تو کسی نے پوچھا کہ اس وقت آدمیوں میں سب سے بڑا عالم کون شخص ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں۔ مطلب یہ تھا کہ ان علوم میں کہ جن کو قرب الی اللہ کی تحصیل میں دخل ہے میرے برابر کوئی نہیں لیکن چونکہ ظاہراً لفظ مطلق تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ آپ کو احتیاط فی الکلام کی تعلیم دیجائے اس لئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا بندہ مجمع البحرین میں تم سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ بعض علوم میں وہ زیادہ ہے گو ان علوم کو قرب الٰہی میں دخل نہ ہو۔ پس یہاں حضرت خضر علیہ السلام کی فضیلت جزئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کلی کے منافی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کی شاگردی کا حکم نہیں ہوا تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مصلحت کے لئے از خود حضرت خضر علیہ السلام کی مصاحبت کا اپنے اوپر التزام فرمالیا تھا۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جن بزرگوں کے سپرد دین کی خدمت ہوتی ہے۔ یہ قطب الارشاد اولیاء اللہ افضل ہیں ان اولیاء اللہ سے جن کے سپرد تکوینی خدمات کی جاتی ہیں اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجاذیب کی صحبت سے کچھ نفع نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو وہی کریں گے جو ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے اور قطب الارشاد حضرات سے دین کا نفع تو ظاہر ہی ہے لیکن وہ مباح مقاصد دنیویہ کے لئے بھی نافع ہیں اس طور سے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور حدیث شریف میں ہے لا یرد القضاء الا بالدعا یعنی قضاء الٰہی نافذ ہونے کے بعد بھی دعا کی برکت سے واپس ہو جاتی ہے اس تقدیر کا نام تقدیر معلق ہے۔ علم الٰہی میں اس قسم کی قضا مشروط ہوتی ہے کہ مثلاً فلاں بندہ جب دعا کرے گا تو یہ بلا فلاں بندے پر نازل نہ ہوگی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا واقعہ ارشاد فرمایا تھا کہ انھوں نے کسی بزرگ کے متعلق لوح محفوظ میں دیکھا کہ جہنمی لکھا ہوا ہے پھر انھوں نے دعا کی کچھ دن کے بعد پھر کشف ہوا دیکھتے ہیں کہ اب لوح محفوظ میں انھیں بزرگ کے متعلق جنتی لکھا ہوا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ادب اور انکی عبدیت کاملہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عبدیت اور شانِ ادب کو حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

الذی خلقنی فھو یھدین ۝ والذی ھو یطعمنی ویسقین ۝ واذا مرضت فھو یشفین ۔	اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ایسی ہے جس نے مجھکو اور اسی طرح سب کو پیدا کیا پھر وہی میری مصلحتوں تک رہنمائی کرتا ہے یعنی عقل اور فہم دیتا ہے جس سے نفع وضرر کو سمجھتا ہوں اور جو کہ مجھکو کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں جس کے بعد شفا ہو جاتی ہے تو وہی مجھکو شفا دیتا ہے۔ (بیان القرآن)

حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ واذا مرضت فھو یشفین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ مرض جو کہ ایک گونہ نقص یعنی عیب کی بات ہے اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی طرف منسوب کیا۔ اور آگے جو فرمایا والذی یمیتنی ثم یحیین اور جو مجھ کو وقت پر موت دے گا پھر قیامت کے روز مجھ کو زندہ کرے گا۔ تو موت کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف جو کی ہے اس میں شبہ نہ کیا جاوے کہ موت بھی تو عیب اور نقص ہے۔ پھر اس کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کیوں کی کیونکہ موت کا دینا بوجہ عموم کے نقص سے نکل گیا۔

آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔ والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین۔ اور جس سے مجھکو یہ امید ہے کہ میری خطاؤں کو قیامت کے روز معاف کردے گا۔ اس میں دو ادب ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام معصوم اور خلیل اللہ تھے، لیکن اس درجہ مقبولیت اور محبوبیت اور معصومیّت کے باوجود اپنی اجتہادی چوک کو خطیئہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے سامنے اپنی عبودیت کا یہی حق تھا۔

(۲) دوسرا ادب یہ تھا کہ باوجود رسالت اور خلّت کے اپنی مغفرت کیلئے یقین کا لفظ نہیں استعمال فرمایا تاکہ اللہ تعالےٰ پر کسی امر کا واجب ہونا نہ ظاہر ہو۔ عبدیت کاملہ کا مقتضا یہی تھا کہ حق تعالےٰ سے مغفرت کی امید رکھی جائے۔ (از بیان القرآن)

حضرت نوح علیہ السّلام کا ادب اور اُنکی عبدیت کاملہ

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان جب کفر کے سبب سے طوفان میں غرق ہونے لگا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے غرق ہونے سے قبل اس امید پر کہ شاید حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کے دل میں ایمان القا فرمادے اور یہ ایمان لے آوے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے

ہے اور آپ کا یہ وعدہ بالکل سچا ہے کہ گھر والوں میں جو ایمان والے ہیں ان کو بچا لونگا اور گو یہ کنعان سر دست ایمان والا اور مستحق نجات نہیں ہے لیکن آپ احکم الحاکمین اور بڑی قدرت والے ہیں۔

رب ان ابنی من اھلی وان وعدك الحق وانت احکم الحاکمین	اے میرے رب میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور آپ احکم الحاکمین ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نوح یہ شخص ہمارے علم ازلی میں تمہارے ان گھر والوں میں نہیں جو ایمان لاکر نجات پاویں گے یعنی اس کی قسمت میں ایمان نہیں ہے، بلکہ یہ خاتمہ تک تباہ کار یعنی کافر رہنے والا ہے سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کی تم کو خبر نہیں یعنی ایسے امر محتمل کی دعا مت کرو۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم آئندہ نادان نہ بن جاؤ۔

فلا تسئلن ما لیس لك به علم ط انی اعظك ان تکون من الجاھلین۔	اے نوح، مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کی تم کو خبر نہیں میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادان نہ بن جاؤ۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جب یہ شان عتاب دیکھی تو کانپ گئے اور دعا میں جو کلمات عرض کئے اُن کے اندر کس درجہ ادب اور عبودیت ہے فوراً عرض کیا کہ

رب انی اعوذ بك ان اسئلك ما لیس لی به علم والا تغفر لی وترحمنی اکن من الخاسرین۔	اے میرے رب میں اس امر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ سے ایسے امر کی درخواست کروں جس کی مجھکو خبر نہ ہو اور اگر آپ میری مغفرت نہ فرماویں گے اور مجھ پر رحم نہ فرمادیں گے تو میں تو بالکل تباہ ہی ہو جاؤں گا۔

٭شان عتاب میں جو عنوان تھا فلا تسئلن ما لیس لك به علم اسی عنوان کا ادب

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی دُعا ربّ انی اعوذبك ان اسئلك مالیس لی بہٖ علم میں کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی عبدیت کاملہ

حضرت زلیخا علیہا السلام کے بارے میں سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی برارت کے سلسلہ میں خود حضرت زلیخا علیہا السلام کے خاندان کے ایک بچے نے شہادت دی کہ

(۱) وشهد شاهدٌ من اهلها ان كان قميصه قُدّ من قُبُلٍ فصدقت وهو من الكاذبين ٥ وان كان قميصه قُدّ من دُبُرٍ فكذبت وهو من الصٰدقين (پ۱۲ سورۂ یوسف)

اوراس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے جو شیرخوار بچہ تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے معجزے سے بول پڑا آپ کی برارت پر شہادت دی کہ ان کا کرتہ اگر آگے سے پھٹا ہے تو تنزلاً و تبرعاً تسلیم کرلیا کہ عورت سچی اور یہ جھوٹے اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا تو عادۃً یقینی ہے کہ عورت جھوٹی اور یہ سچے۔

(۲) دوسری شہادت حضرت یوسف علیہ السلام کے اس ساتھی کی ہے جس نے قید خانے میں آپ کے اندر بزرگی کے آثار پاکر آپ سے یوں عرض کیا یوسف ایھا الصدیق (پ۱۲ سورۂ یوسف) ترجمہ :۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ عجیب ترجمہ تحریر فرماتے ہیں۔ "اے یوسف اے صدق مجسم" سبحان اللہ یہ ترجمہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ وجد آجاتا ہے۔

پیر ما سر عالم مستی ﴿﴾ بادل ہوشیار می گوید

(۳) تیسری شہادت ان عورتوں کی ہے جنھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھتے ہی بجائے لیموں کاٹنے کے اپنی اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں تھیں۔ جب ان عورتوں سے عزیز مصر نے دریافت کیا کہ ماخطبکن اذ راودتّنّ یوسف عن نفسه ط قلن حاش للّٰه ما علمنا علیه من سوء ط ترجمہ عزیز

مصر نے ان عورتوں سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسف علیہ السلام سے اپنے مطلب کی خواہش کی (یعنی ایک نے خواہش کی اور بقیہ نے اس کی اعانت کی کہ اعانت فعل بھی مثل فعل کے ہے) عورتوں نے جواب دیا کہ حاش للہ ہم کو اُن میں ذرا بھی تو برائی کی بات معلوم نہیں ہوئی۔

(۴) چوتھی شہادت خود عزیز مصر کی بیوی کی ہے جب اس نے دیکھ لیا کہ حق ظاہر ہو گیا۔ قالت امرأۃ العزیز الئٰن حصحص الحق ز انا راودتّہ عن نفسہ وانہ لمن الصادقین۔ ترجمہ :۔ خود عزیز مصر کی بیوی نے جب دیکھا کہ حق ظاہر ہو گیا تو عزیز مصر سے کہنے لگیں کہ اب تو حق بات سب پر ظاہر ہو ہی گئی اب اخفا بیکار ہے سچ یہی ہے کہ میں نے اُن سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی اور بیشک اس بات میں کہ ھی راودتنی حضرت یوسف علیہ السلام سچے ہیں

(۵) حق تعالیٰ بھی شہادت دے رہے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مجھ سے اس اضطراب کی حالت میں دعا کی رب السجن احبُّ الیّ مما یدعوننی الیہ ج والّا تصرف عنی کیدھن اَصبُ الیھن واکُن من الجاھلین ٥ فاستجاب لہ ربہ فصرف عنہ کیدھن ط انہ ھو السمیع العلیم

ترجمہ و تفسیر :۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے (جو یہ باتیں سنیں اور دیکھا کہ یہ عورت تو بیڈھب پیچھے پڑی ہے اور سب اسی کی ہاں میں ہاں ملاتی ہیں تو حق تعالیٰ سے) دعا کی کہ اے میرے رب جس (واہیات) کام کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں۔ اس سے تو جیلخانہ میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے۔ اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں گے تو ان کی صلاح کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔ سو ان کی دعا اُن کے رب نے قبول کی۔ اور ان عورتوں کے داؤ پیچ کو اُن سے دور رکھا۔ بے شک وہ دعاؤں کا بہت سننے والا اور ان کے احوال کا

خوب جاننے والا ہے۔

اتنی شہادتوں کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام کی عبدیت کاملہ کو دیکھئے۔ فرماتے ہیں۔ وما ابرئی نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ط ان ربی غفور رحیم۔ میں اپنے نفس کو (بالذات) بری (اور پاک) نہیں بتلاتا (کیونکہ) نفس تو (ہر ایک کا)، بری ہی بات تبلاتا ہے بجز اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے اور اس میں امر بالسوء کا مادہ نہ رکھے جیسے انبیاء علیہم السلام کے نفوس ہوتے ہیں مطمئنہ جن میں یوسف علیہ السلام کا نفس بھی داخل ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ میری نزاہت وعظمت میرے نفس کا ذاتی کمال نہیں کہ تخلف محال ہو بلکہ رحمت وعنایت الٰہیہ کا اثر ہے اس لئے وہ امر بالسوء نہیں کرتا ورنہ جیسے اوروں کے نفوس ہیں ویسا ہی میرا ہوتا) بلاشبہ میرا رب بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے (بیان القرآن)

نفس کی ذاتی صفت امارہ بالسوء ہے۔ بروزن فعالہ صیغہ مبالغہ ہے یعنی بہت امر کرنے والا بری باتوں کا۔ پھر یہی نفس جب بری باتوں سے توبہ کرلے تو مرتبۂ توبہ میں یہ نفس لوامہ کہلاتا ہے اب توبہ کی برکت سے حق تعالیٰ کی رحمت وعنایت اس پر ہوتی ہے جس کے اثر سے یہ نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ پھر جب دنیا سے چل چلاؤ ہوتا ہے تو دو خطاب اس کو اور عطا ہوتے ہیں راضیۃ مرضیۃ اے نفس مطمئنہ تو اللہ سے راضی اور اللہ تجھ سے راضی۔

دونوں جانب سے اشارے ہو چکے ہم تمہارے تم ہمارے ہو چکے

نفس کے پانچ خطابات

پس اس نفس کے پانچ خطابات ہیں۔ امارہ بالسوء۔ لوامہ۔ مطمئنہ۔ راضیہ۔ مرضیہ۔

حق تعالیٰ کے مقبول بندوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس پر ہمیشہ

بدگمان رہتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نے اپنی عبودیت اور عجز کو عظمت الٰہیہ کے سامنے پیش کر دیا کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتا نفس تو بُری ہی بات بتلاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قول پر یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کیوں کہہ رہے ہو جبکہ ہم آپ کی برارت پر شہادت دے رہے ہیں۔ اس سے یہ بتا دیا کہ بندوں کی طرف سے ہمکو یہی پسند ہے۔ یہاں تک تو اپنی عبدیت کاملہ کا اظہار تھا آگے حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ کا حق ادا فرما رہے ہیں الا ما رحم ربی بجز اس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔

عارفین کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنی طاعات وحسنات کو حق تعالیٰ کی رحمت وعنایت سمجھتے ہیں۔ جن اعضار سے ہم عبادت کرتے ہیں وہ بھی تو انھیں کے دیئے ہوئے ہیں اور ان اعضار میں قوتیں کام کرنے کی کہاں سے آئیں ایسے جوڑ دار اعضار جو قیام، رکوع، سجدہ میں بآسانی پھیلتے اور سکڑتے ہیں کس نے پیدا کئے۔ کیا ہمارا ہے؟ جو ہم اپنے وجود کا نام لیتے ہیں۔

لاحول ولا قوۃ کی عجیب تقریر

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ دعا جنت کے خزانوں سے ایک خزانہ ہے۔ اس میں فنائیت اور عبدیت کی عجیب تعلیم ہے بندوں کی طرف سے درخواست ہو رہی ہے کہ اے علو اور عظمت والی ذات آپ اپنی بلندی اور رفعت شان کا استحضار مجھکو نصیب فرما دیجئے تاکہ میں اپنی نگاہ میں پست ہو جاؤں اور اپنی عظمت وکبریائی کا استحضار مجھ پر غالب فرما دیجئے تاکہ میں اپنی نگاہ میں حقیر ہو جاؤں علی اور عظیم دو ناموں کی برکت سے استعانت کی درخواست ہو رہی ہے علو کے مقابلے میں پستی اور عظمت کے مقابلہ میں حقارت ہے اس دعا میں حق تعالیٰ کی یہ دونوں صفتیں بندوں سے یہ مطالبہ کر رہی ہیں کہ میرے علو کے

سامنے پست ہو جاؤ اور میری عظمت کے سامنے حقیر ہو جاؤ۔ جب یہ نعمتیں مل گئیں تو سب کچھ مل گیا یہی پستی اور نیستی تو حاصل عبدیت ہے۔ بندگی نبود بجز افگندگی بندگی اسی کا نام ہے کہ اپنے کو مٹا دے۔

فہم خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

ترجمہ:۔ بندگی کا راستہ فہم خاطر تیز کرنے کا نام نہیں ہے بغیر شکستگی کے حق تعالےٰ کا فضل دستگیری نہیں فرماتا ہے۔

جب علو اور عظمت الٰہیہ کا غلبہ ہوا تو اپنی حقیقت معلوم ہوئی کہ ہم تو محض مٹی کے ایک ڈھیر ہیں اور جب ہم نہایت ضعیف اور عاجز ہیں تو حق تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کے شایان شان کیسے عبادت ہو سکتی ہے اور غلامی کا حق ادا کرنا ضروری ہے۔ پس کوئی چارہ نہ دیکھا بجز اپنی عاجزی اور بیچارگی کے اظہار کے اور حق تعالےٰ سے استعانت طلب کرنے کے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں کو درخواست کا مضمون بتلا دیا کہ اس طرح سے عرض کرو کہ اے اللہ نہ گناہوں سے پھرنے کی طاقت ہے نہ نیک اعمال کرنے کی قوت ہے مگر آپ کے دو ناموں علی او رعظیم کی مدد سے۔ اس دعا میں اپنی بیچارگی پیش نظر ہے کہ ہم ضعیف ہیں ہماری نگاہ تو صرف آپ کے کرم پر ہے۔ بس اس حقیر پر کرم فرما دیتے ہیں کہ اس کی نگاہ جب صرف ہماری ذات پر ہے تو اس کو محروم کیسے کردوں۔ میرے علو اور میری عظمت کی شان کے خلاف ہے کہ میں ایسے عاجز پر رحم نہ کروں اور خالی ہاتھ اپنے دربار سے واپس کردوں۔ جب ا پنے حول اور قوت پر نگاہ ہوتی ہے اس وقت وہاں سے مدد نہیں آتی - کیونکہ رحمت کا پانی نشیب اور پستی تلاش کرتا ہے۔

یہی راز ہے کہ جب موذن حیّ علی الصلوٰۃ آؤ نماز کے لئے کہے تو لبیک یاربی

"حاضر ہوں اے میرے رب" کی تعلیم حضور صلعم نے نہیں دی بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت اپنی عاجزی اور ضعف ظاہر کرو یعنی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہو اے اللہ نہیں طاقت ہے گناہوں سے پھرنے کی اور نہ نیک عمل کرنے کی مگر آپ کی مدد سے ایک بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز سے قبل لاحول ولا قوۃ الا باللہ کو اس کے معنی کا خیال کر کے پڑھ لیا کرے تو اس کی نماز بہت عمدہ نماز ہو گی اور کثرت وساوس سے محفوظ رہے گی۔

اب کوئی کہے کہ صاحب یہاں تو جو کچھ حول اور قوت تھی اس کی بھی نفی ہو رہی ہے تو خزانہ جنت کا بھلا کیا ہاتھ لگے گا۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ سلب اور نفی کس سے ہو رہی ہے۔ اپنے بودے لچر نفس سے اور اس حول اور قوۃ کو کہاں جوڑا جا رہا ہے اس ذات پاک کے خزانے سے جو باقی ہے۔ یہ خبر حکم میں انشار کے ہے یعنی اسئلك الحول والقوۃ بعون اللہ العلی العظیم۔ پس اور انیستی و عبودیت سلب و نفی حول اور قوت سے جلب رحمت کا سوال ہے۔ اور جب ان کی رحمت ہماری دستگیری فرمانے لگے تو سمجھ لو کہ جنت کا خزانہ مل گیا جب یہاں رحمت فرمانے لگے تو وہاں بھی محروم نہ فرمائیں گے اور ان کی رحمت جب سائلین کو بھیک عطا کرتی ہے تو وہ عطا ان کی شان کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ پس بندہ جب بھیک کا پیالہ اپنے فانی حول اور قوت سے خالی کر کے حق تعالیٰ کے دربار میں پیش کر دیتا ہے تو حق تعالیٰ کا کرم جوش میں آ کر جنت کا خزانہ سونپ دیتا ہے جس کے ثمرات اور نعمتوں کو کبھی فنا نہیں۔ ما عندکم ینفد و ما عند اللہ باق۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔ جب اپنے حول اور اپنی قوۃ کو بندہ اپنی ذات سے نفی کر کے حق تعالیٰ کے خزانے میں جمع کر دیتا ہے تو حق تعالیٰ کے یہاں سے عطا فرمودہ حول اور قوت سے جو اعمال حسنہ پیدا ہوتے ہیں وہ غیر فانی ہوتے ہیں اور اس کی غیر فانی

جزا اور ثمرات جنت تک پہنچا دیتے ہیں حتیٰ کہ شہدا جس جسم کو حق تعالیٰ کی راہ پر قربان کرتے ہیں وہ جسم بھی باقی ہو جاتا ہے وہ ایسے باقی ہیں کہ ان کے خزانے میں پہنچکر فانی بھی باقی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے قاعدہ کلیہ بیان فرما دیا۔ ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے اور جو حق تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔

پس انسان اپنی تمام قوت بینائی، شنوائی، گویائی کو اللہ کی مرضی کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق چلتا ہے۔ دیکھتا ہے بنتا ہے تو یہ سب اعمال باقی بن جاتے ہیں اور خزانہ الٰہی میں جمع ہو جاتے ہیں ؎

رنگ صدق و رنگ تقویٰ و یقین　　تا ابد باقی بود بر عابدین

پس اپنی فانی قوتوں کی نفی کر کے باقی سے تعلق جوڑ لو حق تعالیٰ کی عنایت سے جو حول اور قوت عطا ہو گی وہ ایسی باقی ہو گی کہ مع اپنے ثمرات اعمال حسنہ کے تم کو جنت میں لیجاوے گی اور اپنی خواہشات نفسانیہ میں اگر یہ قوتیں خرچ ہوتی رہیں گی تو وہ سب فانی ہو کر مستوجب سزا ہوتی ہیں۔

ہدایت اور اصلاح کے لئے اس ورد کی کثرت نہایت مفید ہے اور عجیب التاثیر ہے۔ کم از کم پانچسو مرتبہ اگر یہ ورد لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ لیا جاوے۔ تو گناہوں سے بچنے کی ہمت اور نیک اعمال کرنے کی قوت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو جاتی ہے۔ اگر اتنا نہ ہو سکے تو ستر ہی بار ہر روز پڑھ لیا جاوے عبادت کرتے کرتے اگر اپنے اوپر خود بینی والی نگاہ پڑنے لگے تو فوراً اس ورد کو اس کے معانی کا خیال کر کے پڑھنے لگے۔ اس ورد کی برکت سے شیطانی قدم تکبر و خود بینی کا اکھڑ جاتا ہے۔

گناہوں سے پھرنے کی طاقت کی درخواست کو مقدم فرمایا ہے۔ کیونکہ ہر گناہ

سبب ناراضگی حق ہے اور نیکی کی توفیق فضل و رحمت حق ہے پس جلب رحمت حق کے لئے دفع ناراضگی حق کا تقدم ضروری ہے۔ جو شخص اصلاح نفس سے عاجز ہو رہا ہو اس کے لئے اس ورد کی کثرت از بس نافع ہے۔ حضرت میاں چاند شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو اکثر یہی ورد تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

اس راہ میں فنائیت اور عاجزی ہی سے کام چلتا ہے۔ بڑے بڑے عابدین ناز اور تکبر کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ ان کو معرفت نہ تھی اگر اللہ کی عظمت کو پہچانتے تو ہرگز کبھی اپنے اعمال حسنہ اور طاعات پر نظر نہ جاتی۔ اللہ والے اگر کبھی اپنے اندر وسوسہ بھی کبر کا محسوس کر لیتے ہیں تو فوراً نفس کا مزاج درست کر دیتے ہیں۔

واقعہ حضرت عمرؓ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ایک مشک پانی سے بھری ہوئی اپنی پشت پر رکھ کر کسی غریب مسلمان کے دروازے پر آواز دی کہ دروازہ کھولو بہشتی پانی بھرے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا امیر المؤمنین یہ آپ کیا کر رہے ہیں آپ خلیفۃ المسلمین ہیں۔ آپ کو سقّہ بننے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ ارشاد فرمایا کہ میرے نفس میں خیال گذرا کہ عمر کے پاس قیصر و کسریٰ کے وفود آتے ہیں پس میں نے اپنے نفس کا یہ علاج کیا ہے" تاکہ نفس کا مزاج درست ہو جائے۔ اللہ اکبر عارفین کی یہی شان ہوتی ہے۔ عارفین تو عبادت کر کے ڈرتے رہتے ہیں کہ نہ معلوم کوئی گستاخی نہ ہو گئی ہو۔ سید العابدین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ کی عظمت کے شایان شان آپ کی غلامی کا حق ہم سے ادا نہ ہو سکا تو پھر کس کا منہ ہے جو دعویٰ کرے ادائیگی حق عبدیت کا۔

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ مغفرت بدون رحمت حق کے محض اعمال سے نہ ہو گی۔

کوئی شخص محض اعمال سے نہ بخشا جائیگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص محض اپنے اعمال سے

نہ بخشا جائے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بھی نہیں۔ فرمایا ہاں میں بھی نہیں بخشا جاؤں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لیں۔ ہمارے اعمال درحقیقت جزار کے قابل نہیں ہیں کیونکہ ہم ناقص ہیں۔ ہماری ذات میں احتیاج اور ضعف داخل ہے۔ ہمارے اعضار سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں اُن میں نقصان ہوتا ہے۔

اعمال پر جزار، دراصل عطا ہے

قرآن پاک میں جہاں جہاں بندوں کے اعمال پر جزار کا وعدہ آیا ہے۔ تو وہ درحقیقت ہمارے ٹوٹے پھوٹے اعمال کی جزا نہیں ہوگی بلکہ وہ حق تعالیٰ کی عطا ہوگی اس حقیقت کو حق تعالیٰ شانہٗ نے تصریحاً ارشاد بھی فرمادیا ہے۔ جزاء من ربك عطاءً حسابا (ان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ ملے گا جو کافی انعام ہوگا آپ کے رب کی طرف سے) یعنی تمہارے اعمال تو جزار کے قابل نہ تھے لیکن چونکہ ان ناقص اعمال کا تعلق تمہارے اعضار سے تھا اس وجہ سے ہم نے غایت کرم سے حوصلہ افزائی کے طور پر ان انعامات کا نام جزار رکھدیا تاکہ تمہارا دل خوش ہوجائے ورنہ یہ جزار درحقیقت ہماری طرف سے عطا ہی ہوگی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آخری وصیت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب خنجر لگا اور شہادت کا وقت قریب آپہنچا تو آپ نے آخری وصیت یہ فرمائی کہ اپنے کو سب سے برا سمجھنا جو اپنے کو اچھا سمجھے گا ہلاک ہوجائے گا۔ اتنے میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے یہ رومی نہ تھے لیکن اہل روم ان کو پکڑ کر لے گئے تھے اس لئے رومی کا لقب پڑ گیا تھا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حالتِ نزع میں دیکھ کر رونے لگے واعمراہ واحبیباہ وااخاہ کہنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا بات فرمائی ایسی بات فرمائی جو آب زر سے لکھنے

کے قابل ہے۔ دوسروں کو بندگی سکھا گئے۔ ارشاد فرمایا "اے صہیب میری تعریف مت کرو اگر حق تعالیٰ مجھے کسی عمل پر اجر نہ دیں صرف برابر سرابر چھوڑ دیں تو میں اس کو غنیمت سمجھوں گا"۔ یہ حضرات دین کی سمجھ رکھنے والے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ من نوقش فی الحساب فقد عذب جس سے حساب میں کُرید ہوگی قیامت کے دن تو سمجھ لو کہ بس اس کی خیر نہیں وہ عذاب میں پکڑ لیا گیا۔ اسی لئے اس دعا کی تعلیم دی گئی کہ اللھم حاسبنی حساباً یسیرا اے اللہ قیامت کے دن مجھ سے حساب آسان فرما۔ اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔ ؎

ذرہ سایہ عنایت بہتر است   از ہزاراں کوشش طاعت پرست

ترجمہ :- ایک ذرہ عنایت حق کا سایہ بہتر ہے طاعت پرست کی ہزاروں کوشش سے

زانکہ شیطان خشت طاعت برکند   گر دو صد خشت است خود دارہ کند

اس واسطے کہ شیطان عبادت کی اینٹ ہٹا دیتا ہے اور دو سو اینٹیں بھی ہوں تب بھی اس کے اندر اپنا راستہ کرلیتا ہے یعنی طاعات میں ریا و نمود کی آمیزش کر کے طاعات کو خراب کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو سالک کسی اللہ والے سے دین کی باریک سمجھ نہیں حاصل کرتا ہے۔ اس کی ہر عبادت میں نفس اور شیطان کا شمول ہو جاتا ہے۔

عابد بے سمجھ عابد بے سمجھ چند رکعت نفلیں اور کچھ ذکر و تلاوت کے بعد دوسروں سے اپنے کو افضل سمجھنے لگتا ہے۔ اور دوسروں کو حقیر اور گنہگار سمجھ کر خلوت میں اپنے ناز اور پندار کی بت پرستی میں مبتلا رہتا ہے۔ ایسے ہی خلوت نشینوں کے متعلق حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

خیالات نادان خلوت نشیں   بہم برکند عاقبت کفر و دین

ترجمہ :- جاہل بے سمجھ خلوت نشیں کے خیالات بالآخر کفر اور دین کو خلط ملط

کر دیتے ہیں ایسے شخص کی یہ خلوت نشینی اور بھی موجب ہلاکت ہے کیونکہ مخلوق سے تو الگ ہوا لیکن اپنے نفس سے نہ الگ ہوا۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی نصیحت

حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے دو شعر میں اپنے پیر کی دو نصیحتیں بیان فرمائی ہیں فرماتے ہیں۔

مرا پیر دانائے فرخ شہاب ۔۔۔ دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بین مباش ۔۔۔ دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ میرے پیر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے ہمیں دو نصیحتیں ارشاد کیں ہیں ایک تو یہ کہ اپنے اوپر کبھی نگاہ خود بینی کی مت ڈالنا۔ دوسرے یہ کہ کسی دوسرے پر بد بین مت ہونا۔

خلوت نشینی کب محمود ہے؟

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کوئی خلوت اختیار کرے تو یہ سمجھ کر کہ ہم گنہگار ہیں اور بُرے ہیں۔ مخلوق ہماری برائی اور شر سے محفوظ رہے گی۔ اور جو شخص مخلوق کو برا اور بدعمل سمجھ کر خلوت نشین ہو جائے یہ نہایت برا شخص ہے۔ تکبر میں مبتلا ہے اس کی نیت درست نہیں ہے۔ کاملین نے تو اپنے کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھا ہے۔ کیونکہ اپنے خاتمہ کا حال نہیں معلوم کہ کیا ہوگا۔ پس اس اعتبار سے تو فی الحال جانور ہم سے اچھے ہیں کیونکہ ان کے لئے حساب کتاب جنت جہنم کچھ نہیں ہے۔

ازیں بر ملائک شرف داشتند ۔۔۔ کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

اولیاء اللہ اس سبب سے فرشتوں سے فوقیت لیجاتے ہیں کہ اپنے کو کتے سے بھی بہتر نہیں سمجھتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد

ہمارے دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ

فرماتے تھے کہ میں اس نیت سے بیعت کر لیتا ہوں کہ قیامت کے دن پیر کو جہنم میں جاتا ہوا دیکھ کر ترس کھائیگا ہاتھ پکڑنے کی لاج آوے گی شاید اسی کی برکت سے بخشدیا جاؤں اللہ اکبر یہ شیخ العرب والعجم کے کلمات ہیں۔ یہی ہیں اولیاء اللہ یہی ولایت کی نشانی ہے کہ اپنے کو سب سے کمتر سمجھتے ہیں جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ حضرات خاتمے کے خوف سے فکرمند ہوتے ہیں۔ جاہل پیر خود کو مریدوں سے افضل سمجھتا ہے۔ جاہل استاد شاگردوں سے اپنے کو افضل سمجھتا ہے لیکن اللہ والے بظاہر تو مریدوں اور شاگردوں کی تربیت کیلئے ڈانٹ ڈپٹ بھی کرتے ہیں لیکن وہ سوچتے ہیں کہ مرغی کے نیچے کبھی بطا اور ہما کے انڈے بھی رکھدیئے جاتے ہیں ان انڈوں سے جو بچے نکلیں گے وہ مرغی سے افضل ہوں گے البتہ تربیت کا حق اپنی جگہ پر ہوگا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اپنوں کو دوسروں سے کمتر سمجھنے کے لئے احتمال کافی ہے یقینی علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے کاملین اپنے نفس کی عجب اور کبر سے ہر وقت نگرانی رکھتے ہیں اور اپنے متعلقین کو بھی نفس کی چالوں سے باخبر کرتے رہتے ہیں

سچا پیر سچا پیر طالب کے لب و لہجہ اور اس کی گفتگو اس کی چال ڈھال اس کے انداز نشست میں تکبر کی لہروں کا پتہ بتاتا ہے۔ طالب کو ہر قدم پر روک ٹوک کرتا ہے اس کی تمام حرکات و سکنات میں اس کی نفسانی چالوں کی نگرانی کرتا رہتا ہے اور جہاں سے نفس کی رگ ابھری ہوئی دیکھتا ہے وہیں ڈانٹ ڈپٹ سے اس رگِ بد کو کچل دیتا ہے۔ اسی کا نام پائمالی ہے

قال را بگذار مرد حال شو   پیش مرد کاملے پامال شو

شیخ کی ایک معتدبہ صحبت اٹھانے کے بعد طالب میں دین کی باریک سمجھ پیدا ہو جاتی ہے۔

غفلت کے تالے غفلت کے تالے قلب کے ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ وہی تالے

ہوتے ہیں جن کی بابت حضور صلعم نے دعا فرمائی ہے اللھم افتح اقفال قلوبنا اے اللہ ہمارے دلوں کے تالوں کو کھول دیجئے۔ اب یہ طالب خود بھی اپنے نفس کو ہر سوراخ سے دیکھ لیتا ہے۔ اور ریا و تکبر کے اثر کو اپنے لب و لہجہ میں اپنی چال میں نشست و برخاست میں پہچان لیتا ہے۔ اور ہر وقت اپنے کو تراش و خراش کا محتاج پاتا ہے اور مرتے دم تک اس نگرانی سے فرصت نہیں پاتا ہے۔

اندریں رہ می تراش و می خراش تادمے آخر دمے فارغ مباش

اس مقام پر عارف جب نور بصیرت سے اپنے نفس کو مثل سانپ کے ہر سوراخ تن سے سر نکالتے ہوئے مشاہدہ کرتا ہے تو بے ساختہ بزبان حال کہہ اٹھتا ہے۔

عارف کی مناجات۔

(۱) نالہ کردم کہ تو علام الغیوب ؛ زیر سنگ مکر بد ما را مکوب (عارف رومی)

اے علام الغیوب میں تجھ سے اپنے نفس نا فرجام سے نالہ کرتا ہوں کہ اس مکر بد کے پتھر کے نیچے مجھے کوٹنے سے پناہ دیجئے۔

(۲) دست ما چو پائے ما را می خورد ؛ بے امان تو کسے جان کے برد (عارف رومی)

جب ہمارا ہاتھ ہی ہمارے پیر کو کھائے لیتا ہے تو آپ کی امان کے بغیر کوئی جان کو محفوظ کب لیجا سکتا ہے۔

(۳) اے خدا آن کن کہ از تو می سزد ؛ کہ زہر سوراخ مارم می گزد (عارف رومی)

اے خدا وہ معاملہ فرمایئے جو آپ کے لئے لائق ہے یعنی عنایت کاملہ کیونکہ ہر سوراخ سے میرے نفس کا سانپ مجھے ڈس رہا ہے

(۴) خوش سلامت ما بساحل باز بر ؛ اے رسیدہ دست تو در بحر و بر (عارف رومی)

اے وہ ذات کہ آپ کا دستِ قدرت بحر و بر میں ہر جگہ ہے اپنی اس قدرت کاملہ کے صدقے میں سلامتی کے ساتھ میری کشتی کو ساحل تک پہنچا دیجئے۔

(۵) کیمیا داری کہ تبدیلش کنی ؛ گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی (عارف رومی)

اے اللہ آپ اپنی قدرت میں وہ اثر کیمیاوی رکھتے ہیں کہ میرے دریائے خون یعنی اخلاق رذیلہ (بری عادتوں) کو دریائے نیل یعنی اخلاق حمیدہ (اچھی عادتوں سے) تبدیل فرما سکتے ہیں۔

اصلاح نفس کیلئے حضور صلعم کی ارشاد فرمودہ دعا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو نفس کی چالوں سے بچنے کے لئے عجیب جامع دعا تعلیم فرمائی ہے اس دعا کو ہر روز کم از کم ستر بار ضرور معمول بنا لینا چاہیے دنیا اور آخرت دونوں جہان کی درستی اس دعا کی برکت سے ہو جاتی ہے حضور صلعم فرماتے ہیں

یاحیُّ یا قیوم برحمتك استغیث اصلح لی شانی کلہ ولا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین۔

اے حقیقی زندہ! اے حقیقی سنبھالنے والے! میری ہر حالت کو درست کر دیجئے اور مجھے پلک جھپکنے تک کو بھی میرے نفس کے حوالے نہ کیجئے

جب آدمی اس راستے کو قطع کرتا ہے اور کسی عارف کامل کی صحبت میسر ہو جاتی ہے تب نفس کے خفیہ مکائد کا ادراک ہوتا رہتا ہے۔

کبھی اخلاق حمیدہ اور اخلاق رذیلہ میں نفس خلط کر دیتا ہے

کبھی اخلاق رذیلہ اور اخلاق حمیدہ دونوں میں نفس خلط کر دیتا ہے۔ بے سمجھ سالک کو تواضع کی حد ناشکری تک پہنچا دیتا ہے۔ اس کی تحدیث بالنعمت میں ریا اور فخر شامل ہو جاتا ہے اور اس کو پتہ بھی نہیں لگتا ہے۔ اسی طرح استغنا عن الخلق یعنی مخلوق سے بے پروائی کو بدخلقی کی حد تک پہنچا دیتا ہے یہ شیخ مبصر کا کام ہے جو سالک کو آگاہ کرتا ہے۔ کہ تمھاری اس تواضع میں کفران نعمت ہے یا تمھاری اس تحدیث نعمت میں ریا اور تفاخر داخل ہے۔ تمھارا یہ استغنا عن الخلق غلبۂ توحید سے ناشی نہیں ہے بلکہ تکبر کے سبب سے ہے۔

استغناء از تکبر و استغناء از غلبۂ توحید کا فرق

غلبۂ توحید سے جس استغناء کی شان بزرگوں پر غالب ہو جاتی ہے اس میں تواضع کا اثر ہوتا ہے کسی کی دل آزاری نہیں ہوتی ہے۔ اور جو استغناء تکبر سے پیدا ہوتی ہے اس میں مخلوق کے ساتھ خشکی اور بدخلقی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعنان ٭ درمیاں شاں برزخ لا یبغیان

دریائے شور یعنی اخلاق رذیلہ اور دریائے شیریں یعنی اخلاق حمیدہ دونوں دوش بدوش چلتے ہیں لیکن ان کے درمیان فرق ہوتا ہے جس کو شیخ کامل نور فراست سے سمجھ لیتا ہے اور اس کی صحبت کے فیض سے طالب میں بھی یہ سمجھ پیدا ہو جاتی ہے

مبتدی کیلئے تحدیث بالنعمت جائز نہیں ہے

ہمارے حضرت مرشد پاک رح فرمایا کرتے تھے کہ مبتدی کیلئے تحدیث بالنعمت جائز نہیں ہے کیونکہ ابھی اس کے اندر اخلاص کا رسوخ نہیں ہے پس عادۃً اس کا ریا سے محفوظ رہنا ناممکن ہے۔ تحدیث بالنعمت کا مقام منتہی کا ہے۔

مداراۃ اور مداہنت کا فرق

اسی طرح مداراۃ اور مداہنت میں خلط ہو جاتا ہے جو محقق پیر ہوتا ہے وہ دونوں کے فرق سے طالب کو آگاہ کرتا ہے۔ ہمارے حضرت مرشد پاک رح نے مداراۃ اور مداہنت کا یہ فرق ارشاد فرمایا ہے کہ مداراۃ کا حاصل اہل جہل کے ساتھ نرمی کرنا تاکہ وہ دین کی طرف آجاویں اور اہل شر کے ساتھ نرمی کرنا تاکہ ان کے شر سے حفاظت رہے اور یہ دونوں امر مطلوب ہیں۔ اول تو خود دین میں مقصود ہے ثانی مقصود دین معین ہے کیونکہ شریر کی ایذا میں مبتلا ہو جانے سے احیاناً طاعت میں بھی اور اکثر تبلیغ میں بھی خلل پڑ جاتا ہے

اور مداہنت بد دینوں کے ساتھ نرمی کرنا ہے تاکہ ان سے مال اور جاہ کا نفع حاصل کرے۔ مدارت کے متعلق حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں بعثت بمداراۃ الناس (ھب) عن جابر رضؓ (میں صفت مداراۃ کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں (اور بعثت کے مقاصد میں یہ صفت معین ہے) عارف سالک اور غیر عارف سالک میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

خوف ریا سے ترک عبادت بھی ریا ہے غیر عارف سالک کبھی ریا کے خوف سے عبادت ہی ترک کر دیتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ریا کے خوف سے عبادت کا ترک کرنا بھی ریا ہے۔

اخلاص کا طریقہ بس رضاء الٰہی کی نیت سے عبادت شروع کر دو۔ اصل تو نیت کی درستی ہے پھر بھی اگر وسوسہ ریا کا آوے تو وہ ریا نہیں ہے ریا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو خود بخود چپک جاوے۔

ریا کی حقیقت ریا کا تحقق جبھی ہوتا ہے جب رضا مخلوق کے لئے عبادت کی نیت کی جائے۔ وسوسہ ریا اور چیز ہے ریا اور چیز ہے جیسے کہ آئینہ کے اوپر مکھی بیٹھ جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ اندر مکھی بیٹھی ہوئی ہے۔ حالانکہ آئینہ کے اندر نہیں ہے باہر بیٹھی ہے۔ اسی طرح وسوسہ قلب کے باہر ہوتا ہے مگر سالک کو اندر معلوم ہوتا ہے۔ بس وہ پریشان ہوتا ہے۔ یہ سب حضرت مرشد پاکؒ کے تعلیمات ہیں۔

حضرت تھانوی کا ۷۱ سال کی عمر میں اپنے ایک معمول سے رجوع حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ بڑے محقق عارف تھے اور حد درجہ حق پرست تھے حضرت کے یہاں پہلے ضابطہ تھا کہ جب کوئی نو وارد آئے تو بدون سوال کئے ہوئے خود بتا دے کہ میں فلاں ہوں فلاں جگہ

سے آیا ہوں اور فلاں مقصد کے لئے حاضر ہوا ہوں لیکن جب حضرت والا کی نظر مبارک سے یہ حدیث گذری کہ بالبداخل دھشتہ فتلقوہ بمرحبا (للدیلمی) ترجمہ۔ نئے آنے والے کو اجنبیت کے سبب ایک قسم کی حیرت زدگی یعنی بدحواسی ہوتی ہے سو اس کو آؤ بھگت کے ساتھ لیا کرو تاکہ اس کی طبیعت کھل کر مانوس ہو جائے اور حواس بجا ہو جاویں۔ اور ہر قول و فعل کا موقع سمجھ کر نہ خود پریشان ہو نہ دوسرے کو پریشان کرے حضرت والا نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ حدیث میری نظر سے اس وقت گذری جبکہ میری عمر ۱۶ سال کو پہنچ چکی۔ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی برکت سے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ اب آنے والے سے میں خود اس کا مقام اور غرض آمد اور اس مقام پر جو مشغلہ تھا اس کو پوچھ لیا کرتا ہوں اس سے ضروری حالت معلوم ہو جاتی ہے اور وہ مانوس ہو جاتا ہے۔ کیسی حق پرستی تھی کہ اپنا کچا چھٹا خود بیان فرما دیا اہل حق کی یہی شان ہوتی ہے کہ خلق سے نظر اٹھ جاتی ہے صرف رضاء حق مقصود ہوتی ہے۔

سالک غیر عارف اور عارف کا فرق

سالک غیر عارف عبادت کر کے یا وعظ بیان کر کے واہ واہ کا منتظر ہوتا ہے اور عارف عبادت کر کے یا وعظ بیان کر کے حق تعالےٰ سے استغفار کرتا ہے کہ اے اللہ جو کچھ میرے نفس کی شرکت ہو گئی ہو اس کی معافی چاہتا ہوں حسنات کر کے شرمندہ ہونا اور استغفار کرنا یہ عارفین کا کام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے انکو اپنی ہر غلامی ناقص معلوم ہوتی ہے اور اعمال حسنہ کر کے خود کو کچھ سمجھنا یہ جاہل عابدوں کا کام ہے۔ بے صحبت اور تربیت کے اہل علم بھی نفس کے ان مکائد سے محفوظ نہیں رہ سکتے ہیں کسی کو مال کا پندار ہے کسی کو جاہ کا پندار کسی کو علم کا پندار ہے۔

اپنی فنائیت کا دعویٰ کرنا خود تکبر کی نشانی ہے

کسی کو عبادت کا پندار

اور کسی کو اس امر کا پندار کہ میں پندار سے نجات پا گیا۔

گفتی بت پندار شکستم رستم ؛ ایں بت کہ تو پندار شکستی باقی است

اے مخاطب تو نے کہا کہ میں نے پندار کے بت کو توڑ دیا اور میں خلاصی پا گیا تو تیرا یہ دعوے کہ میں نے پندار کے بُت کو توڑ دیا یہ خود ایک بت باقی رہ گیا ہے۔

یہ راستہ بڑا نازک راستہ ہے

یہ راستہ بڑا نازک راستہ ہے نفس کی شرکت ایسی باریک طور پر ہو جاتی ہے کہ آدمی کو پتہ نہیں چلتا ہے

اصرار علی المعصیت کے ساتھ رضا نسبت حب ہونے کا دعویٰ باطل ہے

اسی طرح بعض لوگ نافرمانیوں کو اپنے احوال اور کیفیات کی بنا پر نسبت کے لئے مضر نہیں سمجھتے ہیں جیسا کہ اہل باطل اپنے وجد اور غلبۂ شوق سے بقار نسبت باطنیہ پر استدلال کرتے ہیں ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اصرار علی المعاصی کے ساتھ بھی اگر ذوق اور کیفیت باقی رہے تو یہ استدراج ہے۔ ہرگز علامت قبول نہیں ہے کیونکہ نسبت کی تعریف یہ ہے کہ عبد کی جانب سے حق کے ساتھ ذکر و طاعت کا تعلق ہو اور حق کی جانب سے عبد کے ساتھ رضا کا تعلق ہو اور ظاہر ہے کہ معاصی کے ساتھ رضا کہاں۔

اسی طرح بعض وقت اپنے معتقدین اور احباب کے اندر انداز نشست میں تکبر شامل ہو جاتا ہے۔ آنکھوں کے کھولنے اور بند کرنے میں نفس شامل ہو جاتا ہے۔ لب و لہجے میں نفس کا اثر ہو جاتا ہے بس حق تعالیٰ جب دستگیری فرماتے ہیں اور اپنی راہ کی سمجھ عطا فرماتے ہیں تو عارف اپنے خطرات اور وساوس تک کی نگرانی کرتا رہتا ہے اور خاموش بیٹھا ہے مگر حق تعالیٰ کے ساتھ اس کا دل ہی دل میں مناجات کا عالم جاری ہے

خامش اند و نعرۂ تکرار شان ؛ میرود تا عرش و تخت یار شان

عارفین خاموش ہیں لیکن ان کے تکرار کے نعرے محبوب حقیقی کے عرش تک پہنچتے رہتے ہیں۔

شرک خفی کے متعلق ایک حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں الشرک اخفی فی امتی من دبیب النمل علی الصفا شرک میری امت میں صاف چٹان پر چیونٹی کے چلنے کی آواز سے بھی زیادہ خفی ہوگا۔

(فائدہ) اس حدیث میں وہ امر مذکور ہے جو اہل ارشاد سالکان طریق کو جتلاتے رہتے ہیں یعنی اعمال باطنہ میں تدقیق اور کاوش کرتے ہیں تاکہ اخلاص ہاتھ سے نہ جاوے اور اہل ظاہر اس کو غلو اور تشدد شمار کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ظاہر کو عمق نہیں حاصل ہوتا ہے۔ اہل دین پر اعتراض کا منشار ہمیشہ جہل ہوتا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

ایک دفعہ ایک عالم صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ حضرات صحابہؓ کے زمانہ میں صرف اللہ اللہ کا ذکر جو فی زمانہ مشائخ مریدوں کو تعلیم کرتے ہیں ثابت نہیں ہے۔ میں نے ان کو وہی جواب دیا جو ہمارے حضرت مرشد پاکؒ فرمایا کرتے تھے یعنی حضرات صحابہؓ کو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کے فیض سے نسبت عطا ہو جاتی تھی ایمان کے ساتھ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا تھا وہ اسی وقت صاحب نسبت ہو جاتا تھا بعد کو رسوخ نسبت کے لئے علماء ربانیین نے ذکر بسیط تجویز کیا۔ کیونکہ ذکر مفرد بہ نسبت ذکر مرکب کے جلد واقع فی النفس اور راسخ ہوتا ہے۔ اور کثرت ذکر اللہ کا ثبوت قرآن میں موجود ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں واذکروا اللہ ذکرا کثیرا اور اپنے اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔ اور رسوخ کے لئے تکرار مفرد کا ثبوت حضرات صحابہؓ کے زمانے میں بھی ثابت ہے مثلاً سورۂ انشقاق کسی کو یاد کرنا ہوتا تو اذا السماء ان اذا السماء ان بار بار رٹتے تھے حالانکہ اذا السماء ان کے کیا معنی ہیں تو معلوم ہوا کہ اس طور پر رٹنا یعنی تکرار کلمہ مفرد کا رسوخ کے لئے حضرات صحابہؓ کے زمانے میں بھی ثابت تھا۔

حضرت تھانویؒ کا ارشاد

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے بڑا علم عطا

فرمایا تھا۔ ایک بار ارشاد فرمانے لگے کہ اگر ایک ہزار دین کے عقلا کسی مسئلے پر اعتراض لیکر ایک طرف بیٹھے ہوں اور مجھے پانچ منٹ کا موقع دیا جائے میں انشاء اللہ پانچ منٹ میں سب کو لاجواب کردوں گا حالانکہ میں ایک ادنی طالبعلم ہوں۔ علماء کی شان تو بہت بڑی ہے۔

عارفین کا اپنی نیت کی تحقیق کرنا

عارفین ہر کام میں اپنی نیت کی درستی کرتے ہیں قلب کی گہرائی تک ان کی نگاہ پہنچتی ہے۔ دل کو خوب ٹٹولتے ہیں کہ یہ کام جو میں کررہا ہوں یہ اللہ کی خوشنودی کے لئے کررہا ہوں یا کسی اور مقصد کے لئے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی معیت خاصہ سے ان کو ہر وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ہمارے باطن کے تمام خطرات و وساوس پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ پس وہ شرکت نفس سے دل کو خوب پاک کرکے پاک نیت سے ہر کام کی بنیاد رکھتے ہیں۔ پھر اس کام میں اخلاص کے انوار ہی انوار ہوتے ہیں۔

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود ؎ کیں ز اخلاصات ابراہیم بود (عارف رومی)

ترجمہ: کعبہ پر ہر وقت تجلیات الٰہیہ کی افزونی ہوتی رہتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کس اخلاص سے کعبہ کی تعمیر فرمائی تھی کہ جس کے ایسے برکات کعبہ پر ظاہر ہو رہے ہیں۔

واقعہ حضرت علیؓ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ یاد پڑا ایک بار آپ کی ایک کافر سے کشتی ہوئی۔ آپ نے جب اس کافر کی پیٹھ لگادی تو اس نے آپ کے رُخِ مبارک پر تھوک دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو چھوڑ دیا اس کافر کو سخت حیرانی ہوئی اور حیرت سے دریافت کیا کہ باوجود پورا قابو پالینے کے آپ نے مجھکو کیوں چھوڑ دیا۔ ارشاد فرمایا کہ بات یہ ہے کہ میں اللہ کے لئے تجھکو قتل کرتا لیکن جب تو نے میرے چہرے پر

تھوک دیا تو میرے نفس میں انتقامی ہیجان پیدا ہوگیا اگر اس حالت میں تجھکو قتل کرتا تو نفس کے لئے یہ کام ہوتا اخلاص کے ساتھ یہ کام نہ ہوتا۔ اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

(۱) از علی آموز اخلاص عمل ؎ شیر حق را دان منزہ از دغل

ترجمہ:۔ حضرت علیؓ سے اخلاص فی العمل سیکھو شیر حق کو کھوٹ سے پاک سمجھو۔

(۲) گفت من تیغ از پئے حق میزنم ؎ بندۂ حقم نہ ما مور تنم

ترجمہ:۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں حق تعالیٰ کی رضا کے لئے تلوار چلاتا ہوں بندۂ حق ہوں بندہ تن نہیں ہوں۔

(۳) شیر حقم نیستم شیر ہوا ؎ فعل من بر دین من باشد گوا

ترجمہ:۔ میں شیر حق ہوں شیر ہوا رنفسانی نہیں ہوں میرا فعل میرے دین کی حقانیت پر گواہ ہے۔

(۴) نقش حق را ہم بامر حق شکن ؎ بر زجاجہ دوست سنگ دوست زن

ترجمہ:۔ نقش حق کو (یعنی مخلوقات الٰہیہ کو) امر حق سے توڑ دو دوست کے شیشے کو دوست ہی کے پتھر سے یعنی امر حق سے توڑ دو اپنے نفس سے نہیں۔

الغرض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس حلم اور اخلاص کو دیکھ کر وہ شخص مسلمان ہوگیا۔ عارفین اپنے نفس کی سخت نگرانی رکھتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحب کی شان عبدیت

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ میں مولانا رحمت اللہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ترکی کے سلطان کے یہاں تشریف لے چلئے مولانا رحمت اللہ صاحب کو سلطان ترکی بہت مانتا تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے جو جواب ارشاد فرمایا ہے اس میں عجیب شان عبدیت ہے۔ فرمایا کہ بھائی فقیر کا

جانا مناسب نہیں ہے۔ البتہ سلطان عادل کی دعا مقبول ہوتی ہے تو آپ میرا اسلام کہدیجیے گا۔ اسی جواب میں دعا بھی ہوجاوے گی۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے اس جواب میں استغناء کا بھی حق ادا فرمایا اور دعا کی طلب اور احتیاج ظاہر فرما کر اپنے نفس کا بھی قلع قمع کردیا تاکہ یہ استغناء محمود ہو خلط تکبر سے استغناء مذموم نہ ہوجاوے بے سمجھ سالک اگر اس کے پاس کوئی امیر ملنے کو جاوے تو اس کے ساتھ بدخلقی سے پیش آتا ہے اور اسی کو کمال سمجھتا ہے۔ عارف سالک کی نظر اس حدیث پر ہوتی ہے۔ اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آوے تو اس کی عظمت کرو۔ جب امیر فقیر کے دروازے آگیا تو اب وہ اچھا امیر ہے کیونکہ نعم الامیر علی باب الفقیر کا مصداق ہے۔ اب اس کے ساتھ بدخلقی سے پیش آنا نفس کا تکبر ہے اس راہ میں بڑی فراش و خراش کرنی پڑتی ہے تب کہیں اخلاص نصیب ہوتا ہے۔ حضرات صحابہؓ کی تعریف میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ید عون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان حضرات کا اخلاص بیان فرمایا ہے۔ یعنی اپنے رب کی عبادت سے ان کا مقصد محض رضاء حق ہوتی ہے۔ یہ لوگ صرف ذات حق کے طالب ہیں بعض لوگ کثرت ذکر اور کثرت تلاوت و نوافل میں تو مشغول ہوتے ہیں مگر اخلاص نہ ہونے کے سبب عمر بھر ریاضت اور محنت کے باوجود مقصود سے محروم رہتے ہیں۔

ایک بڑے میاں کا واقعہ جو خلافت حاصل کرنے کی نیت سے ذکر و شغل کرتے تھے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک بڑے میاں عمر بھر خدمت کرتے رہے ایک روز عرض کیا کہ حضرت مجھے کچھ نفع نہ ہوا ارشاد فرمایا کہ اپنی نیت ظاہر کرو کس نیت سے میرے

پاس اتنے زمانے سے ذکر و شغل میں مصروف ہو. عرض کیا کہ حضرت نیت یہ تھی کہ کچھ دن ریاضت و مجاہدہ کے بعد آپ جب خلافت عطا فرمادیں گے تو دوسروں کو اللہ اللہ کرنا سکھاؤں گا. حضرت نے فرمایا کہ بظاہر تو نیت اچھی ہے لیکن اس کے باطن میں اس کا منشا جو ہے وہ سخت خطرناک ہے یعنی طلب منصب کا بت چھپا ہوا تھا۔ اسی سبب سے آپ محروم رہے نیت میں صرف رضا رحق ہونا چاہیئے. پھر اس کے بعد حق تعالیٰ جو انعامات عطا فرمادیں ان کا کرم ہے۔ مگر اپنی طرف سے غیر حق کو مقصود نہ بنانا چاہیئے۔

از خدا غیر خدا را خواستن ؛ ظن افزونیست کلی کاستن (عارف رومی)

ترجمہ :۔ خدا تعالیٰ کی عبادت سے غیر خدا کو مطلوب بنانا ظن افزونی ہے اور سب کچھ گنوا دینا ہے۔

تعلیم اور تلقین کا منصب بے شک دین ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس منصب کو شیخ کامل کسی طالب کے سپرد کردے خود اس کی طلب قلب میں نہ ہو اور اگر طلب قلب میں ہو تو یہ حجاب راہ ہے اسی کو حضرت عارف فرماتے ہیں۔

منصب تعلیم نوع شہوتے است

اپنی طرف سے طلب منصب کا منشا نفس پرستی ہے | تعلیم کے منصب کی طلب بھی خواہشات نفسانیہ کی ایک قسم ہے۔

شان عاشق | جو سچا طالب اور عاشق ہوتا ہے وہ تو یہ کہتا ہے۔

منصبے کانم ز رویت محجب است ؛ عین معزولی است نامش منصب است

عاملے عشق است معزولش مکن ؛ جز بعشق خویش مشغولش مکن

عشق بیست او ز صد جو خرقہ کالبد ؛ کہ حیاتے دارد و حس و خرد

ترجمہ :۔ (۱) جو منصب کہ میرے لئے آپ کے دیدار سے حجاب ہے عین معزولی

ہے نام اس کا منصب ہے۔ (۲) یہ عازل عشق ہے اس کو معزول نہ کیجئے۔ بجز اپنے عشق کے اس کو مشغول نہ کیجئے۔ (۳) عشق قالب جیسے سو خرقوں کی قیمت رکھتا ہے جو قالب کہ حیات اور حرص اور عقل رکھتا ہے۔

(۴) خاصہ خرقہ ملک دنیا کابتر است ❊ پنج دانگ ہستیش دردسر است

(۵) ملک دنیا تن پرستاں را حلال ❊ ما غلام عشق ملک لازوال

ترجمہ (۴) خصوصاً خرقہ ملک دنیا وہ تو بالکل ہی ناقص ہے اس کی پنج دانگ ہستی دردسر ہے۔ (۵) ملک دنیا تن پرستوں کو نصیب ہو۔ اور ہم عشاق تو ملک عشق بے زوال کے غلام ہیں۔

عشق کی نصیحت

(۶) عشق می گوید بگوشم پست پست ❊ صید بودن بہتر از صیادی است

(۷) بر درم ساکن شو و بے خانہ باش ❊ دعوی شمعی مکن پروانہ باش

(۸) نعرہ مستانہ خوش می آیدم ❊ تا ابد اے جان چنیں می بایدم

ترجمہ (۶) عشق میرے کان میں چپکے چپکے کہتا ہے کہ شکار عشق رہنا شکاری بننے سے بہتر ہے (۷) اور عشق یہ کہتا ہے کہ میرے دروازے پر سکونت کر لے اور بے خانہ رہ۔ شمع ہونے کا دعوی مت کر پروانہ ہی بن کر رہ۔ (۸) نعرہ مستانہ محبوب کی یاد میں مجھے اچھا لگتا ہے ابد تک اے جان اسی طرح میں مست رہنا چاہتا ہوں۔

حدیث شریف متعلق باولیا خستہ حال و پراگندہ بال

حدیث شریف میں آیا ہے کہ بعضے دوستان خدا ایسے ہیں کہ بظاہر عشق حق نے ان کو بے سر و سامان خستہ حال کر رکھا ہے یہاں تک کہ ان کے کپڑے بھی میلے ہوتے ہیں۔ پراگندہ بال ہوتے ہیں۔ اگر کسی کے دروازے جائیں تو دھکے دئے جاتے ہیں یعنی جہاں جائیں کوئی کھڑا نہیں ہونے دیتا۔ مگر عند اللہ ان کا یہ درجہ ہوتا ہے

کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھا بیٹھیں یعنی ان کے منہ سے یہ نکل جاوے کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ ایسا ہی کردیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو سچا کردیتے ہیں۔

(ف) اس حدیث سے تین امر ثابت ہوئے ایک یہ کہ بعضے اولیاء اللہ ظاہر میں ذلیل وخوار ہوتے ہیں تو ولایت کے لئے وجاہت دنیویہ لازم نہیں دوسرا یہ کہ بعض اولیاء اللہ کی یہ خاص شان بھی ہوتی ہے کہ جو کچھ ان کی زبان سے نکلجاتا ہے اللہ تعالیٰ پورا کردیتے ہیں اور تیسرا امر رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ میں رُب جو ہے وہ تقلیل کے لئے ہے سب اولیاء اللہ کے لئے ایسا ہونا لازم نہیں بلکہ بعض ترک دعا کو ترجیح دیتے ہیں ہر ایک کی شان جدا ہے

مبین حقیر گدایان عشق راکیں قوم ؛ شہان بے کمر و خسروان بے کلاہ اند

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں ؛ کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

(از تشرف جلد چہارم)

اس راہ میں اخلاص ہی اصل پونجی ہے اگر اخلاص نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

ذکر میں کیفیت کا انتظار نہ چاہیے

بعض لوگ ذکر اللہ میں کیفیات کے منتظر ہوتے ہیں۔ ایک صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت اللہ اللہ تو کرتا ہوں لیکن کوئی نفع نہیں معلوم ہوتا ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ بڑے محقق تھے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ کیا کم ہے کہ تم اللہ کا نام لیتے ہو۔ یہ توفیق معمولی نعمت ہے؟ جب پہلا اللہ کہنا قبول ہو جاتا ہے تب دوسری بار اللہ کا نام منہ سے نکلتا ہے۔ اگر قبول نہ ہوتا تو دوسری بار نام لینے کی توفیق سلب فرما لیتے

گفت آں اللہ تو لبیک ماست ؛ آں نیاز و درد و سوزت پیک ماست

ترس و عشق تو کمند شوق ماست ؛ زیر ہر لبیک تو لبیکہا است

ذکر حق پاک است چوں پاکی رسید | رخت بربندد بروں آید پلید
میگریزد ضدہا از ضدہا | شب گریزد چوں برافروزد ضیا
چوں در آید نام پاک اندر دہان | نے پلیدی ماند و نے آن دہان
اذکروا اللہ شاہ ما دستور داد | اندر آتش دید ما را نور داد
چہ کشد این نار را نورِ خدا | نور ابراہیم را ساز او ستا

ترجمہ:۔ (۱) حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ تیرا اللہ کہنے کے بعد پھر اللہ کہنا یہی حق تعالیٰ کی طرف سے لبیک ہے اور تیرا نیاز اور درد عشق اور سوز حق تعالیٰ کی طرف سے پیغام ہے۔

ایک ذاکر کی حکایت قصہ یہ ہے کہ ایک بار ایک ذاکر بندے سے ابلیس نے کہا کہ تو اللہ اللہ پکارتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو کوئی جواب آتا نہیں ہے پھر کیوں تو سر دھنتا ہے۔ یہ بیچارہ بہت ملول خاطر ہوا خواب میں حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اس بیچارے نے اپنا ماجرا عرض کیا کہ ادھر سے تو کوئی جواب آتا نہیں مجھے خوف ہے کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا دروازہ بند کر دیا ہے تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ "گفت آن اللہ تو لبیک ماست" (۲) یہ تیرا خوف اور یہ عشق حق تعالیٰ کی طرف سے کمند شوق ہے جس کے ذریعہ تجھے جذب فرما لیتے ہیں۔ تیرے ہر لبیک کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف سے بہت سے لبیک مخفی ہیں۔ (۳) بعض لوگوں کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ ہماری زبان گنہگار ناپاک ہے اس ناپاک زبان سے ہم اللہ کا پاک نام کیسے لیں تو اس کا جواب حضرت عارف رومیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ذکر حق پاک ہے جب تم اس کا ذکر کرو گے تو اس نام پاک کی پاکی تم کو بھی پاک کر دے گی اور تمھاری ناپاکی اور پلیدی اپنا بستر باندھ کر رخصت ہو جائے گی۔

(۴) ہر ضد اپنی ضد سے بھاگ جاتی ہے چنانچہ جب دن نکلتا ہے تو رات بھاگ نکلتی ہے اسی طرح ذکر کا نور جب تمہارے اندر پیدا ہوگا تمہاری تاریکی نکل جاوے گی۔

(۵) جب وہ نام پاک حق تمہارے منہ سے نکلے گا تو نہ اس وقت تمہاری پلیدی باقی رہے گی نہ تمہارا وہ منہ رہے گا۔ (۶) ہمارے شاہ نے ہمارے لئے اذکروا کے امر سے ذکر کا دستور بنایا ہے کیونکہ مجھے نفسانی خواہشات کی آگ میں اس شاہ حقیقی نے دیکھا تو ہم کو اپنے نام پاک کا نور عطا فرمایا۔ (۷) نار شہوت کو اگر بجھا سکتا ہے تو نور خدا ہی بجھا سکتا ہے جس طرح آتش نمرود کو نور ابراہیمی نے گلزار کر دیا تھا پس اسی نور کو حاصل کرو۔

ذکر کی پابندی ہی اصل مطلوب ہے اس راہ میں ذکر کی پابندی ہی اصل کامیابی ہے خواہ ذوق وشوق حاصل ہو یا نہ ہو

یہ کیفیات محمود تو ہیں مگر مطلوب نہیں ہیں۔ ہمارے خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

جذبات ہی پہ اپنے نہ مجذوب شاد رہ ؛ جذبات ہیچ ہیں جو مرتب عمل نہ ہو

حضرت سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم ؛ کہ اصلے ندارد دمے بے قدم

طریق کے اندر قدم چاہیئے یعنی عمل درکار ہے نہ کہ دم۔ یعنی کیفیت کیونکہ وہ کیفیت جو عملی قدم کے ساتھ نہ مقرون ہو بے اصل ہے۔

مقصود اعمال ہیں نہ کہ کشف و کرامت وغیرہ اس راہ میں اعمال حسنہ کی توفیق اگر ہے تو سب کچھ حاصل ہے خواہ

کشف و کرامت۔ ذوق وشوق۔ وجد اور استغراق کچھ نہ حاصل ہو کیونکہ شریعت میں عمل مطلوب ہے ترقی کا مدار اعمال پر ہے جو اختیاری ہیں۔ اور کیفیات چونکہ غیر اختیاری ہیں اس لئے ان کو قرب اور بعد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ حق تعالے

اگر کسی کو عطا فرمادیں تو انعامات الٰہیہ ہیں ان پر شکر بجالائے۔ رونے کو جی چاہے رولے۔ ہنسنے کو جی چاہے ہنس لے۔ مگر ان کو مطلوب نہ سمجھے کہ ان کے نہ ہونے سے ملول خاطر ہو۔ بہت سے نادان سالکوں نے اس راہ میں جب ذوق وشوق میں کمی محسوس کی تو اپنے کو مردود سمجھ کر بالکل ہی بیٹھ رہے اور دنیا و آخرت دونوں کھو بیٹھے۔ کسی شیخ مبصر کی رہبری میں اگر کام کرتے تو وہ اس وقت ان سنبھال لیتا۔ اور کہتا کہ کام میں لگے رہو کامیابی تو کام ہی سے ہوگی۔ کیفیات نہ رہیں تو نہ سہی۔

روزہا گر رفت گو رو باک نیست ؎ اے بماں باقی کہ چوں تو پاک نیست

دنیا میں سب سے بڑی نعمت اور مطلوب شے عمل ہے یعنی مرضی الٰہی کے مطابق زندگی گذارے۔

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ کی تفسیر اعمال حسنہ سے

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ میں جو حسنۃ ہے ہمارے مرشد پاکؒ نے بیان القرآن میں حسنہ کی تفسیر اعمال حسنہ سے فرمائی ہے۔ اور تحریر فرمایا ہے کہ اس آیت ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ سے ہمارے زمانے کے طالبان دنیا کو شبہ پڑ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں طالبان دنیا کی مدح فرمائی ہے جبکہ وہ طالب آخرت کے بھی ہوں اور یہ بڑی غلطی ہے کیونکہ اٰتنا کا مفعول بہ حسنہ ہے اور دنیا مفعول فیہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا ظرف طلب ہے خود مطلوب نہیں ہے بلکہ مطلوب حسنہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ لوگ اس کے طالب ہیں کہ ہم کو دنیا میں رہتے ہوئے حسنہ یعنی وہ حالت جو آپ کے نزدیک مستحسن اور پسندیدہ ہو عنایت کی جائے اور اصل پسندیدہ اعمال حسنہ ہیں پس بالذات وہ مطلوب ہوئے اور دنیا کے جس قدر حصے کو ان اعمال حسنہ میں دخل ہے خواہ مال ہو یا صحت ہو وہ البتہ اس حسنہ کے تابع ہو کر بالعرض و بالغیر مطلوب ہو جاوے گا بخلاف اس وقت کی تعلیم و طرز عمل کے جس میں

دنیا کو مطلوب بالذات اور آخرت کو محض برائے نام قرار دے رکھا ہے حاشا وکلا اس کو آیت سے مس بھی نہیں ہے۔ غایت ما فی الباب اگر طلب دنیا میں حلال وحرام کی حدود شکستہ نہ کی جاویں تو اباحت کا حکم کر دیا جائے گا لیکن مباح شرعی ہونے سے مطلوب شرعی ہونا لازم نہیں خوب سمجھ لو (از بیان القرآن سورۂ بقرہ)

بعض مفسرین نے حسنہ کی تفسیر علم دین سے کی ہے اس معنی کے اعتبار سے کہ اعمال حسنہ کا مدار علم دین ہی پر ہے حضرت والاؒ کی تفسیر سے اس تفسیر کی تائید ہو جاتی ہے

سالک کا صحیح مسلک

الغرض اپنی طرف سے اس راہ میں سالک کا یہی مسلک ہونا چاہیے کہ

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار ٭ دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

پھر اگر شیخ اجازت فرما دے تو اپنے کو نا اہل سمجھتے ہوئے دین کی خدمت میں لگ جائے شیخ کی اجازت کی برکت سے اب حق تعالیٰ کی غیبی مدد ہمراہ ہوگی۔ مگر اپنے تمام انعامات ظاہرہ وباطنہ کو محض فضل اور عنایت حق سمجھتا رہے کبھی اپنے اوپر نگاہ نہ جائے کہ میں ایسا متقی اور نیک ہوں کہ اب دوسروں کی رہبری کے قابل ہوں اگر یہ خیال آیا تو سمجھ لو کہ بس اب شیطان کا تسلط ہو رہا ہے

بندگی او بہ از سلطانی است ٭ کہ انا خیر دم شیطانی است

حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ۔ حق تعالیٰ کی بندگی اور غلامی سلطانی سے بہتر ہے کیونکہ انا خیر "میں اچھا ہوں" یہ شیطانی پھونک ہے اسی زہریلے مادے یعنی تکبر سے خود بھی مردود ہے اور بنی آدم کو اسی راہ سے مردود بنانے کی کوشش کرتا ہے پس جب یہ خیال آوے تو حق تعالےٰ فرماتے ہیں

علاج وسوسۂ شیطانی

شیطان اگر وسوسہ ڈالے تو ہماری پناہ میں آجاؤ واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ ھو السمیع العلیم ایک دفعہ

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم سے شیطان کے قدم اکھڑ جاتے ہیں اور اسی کو تین بار پڑھ کر بائیں طرف قلب پر تھتکار دے۔ حضرات صحابہؓ سے بڑھ کر کون ولی ہو سکتا ہے مگر حق تعالیٰ ان کی تمام پرہیزگاری اور دینداری کو اپنی عنایت فرما رہے ہیں

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان و زینہ	لیکن اللہ تعالیٰ نے تمکو ایمان کی محبت دی اور
فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق	اس کو تمھارے دل میں مرغوب کر دیا اور کفر اور
والعصیان ط اولئک ھم الراشدون ؐ	فسق اور عصیان سے تمکو نفرت دیدی ایسے لوگ
فضلاً من اللہ ونعمۃ ط واللہ علیم حکیم	خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں
(پ ۲۶ سورہ حجرات)	اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

ایک علم عظیم ان آیتوں سے حق تعالیٰ نے طریق سے متعلق ایک علم عظیم عطا فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ سالک اپنے ایمان اور اعمال حسنہ کو نیز کفر اور فسق اور نافرمانیوں سے نفرت اعتقادیہ طبعیہ کو محض فضل الٰہی سمجھے کبھی اپنے ذکر شغل اور مجاہدہ کا ثمرہ نہ سمجھے کیونکہ یہ ذکر شغل اور مجاہدات فی نفسہ ان احوال محمودہ کے لئے علت نہیں ہیں۔ البتہ یہ رحمت الٰہیہ کی تحصیل کے اسباب ہیں۔ چنانچہ ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے حضرات صحابہؓ کی ان تمام نعمتوں کو (یعنی ایمان کا دل میں محبوب اور مرغوب ہو جانا۔ کفر اور فسق و معاصی کا قلب میں مکروہ اور مبغوض ہو جانا) اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ حضرات صحابہؓ کے کسی مجاہدہ اور ریاضت کی طرف ان نعمتوں کی نسبت نہیں فرمائی اس میں فنائیت کی عجیب تعلیم ہے اور نص قطعی سے اس فنائیت کی تعلیم مل جاتی ہے جو حضرات صوفیہ اپنے متعلقین کو اہتمام کے ساتھ بتلایا کرتے ہیں۔ سورۂ نجم میں حق تعالیٰ نے ہمیں اپنے کو مقدس سمجھنے سے منع فرمایا ہے اور عجیب عنوان سے نہی فرمائی ہے جس میں تکبر کا علاج بھی موجود ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں۔

هوا علم بكم اذ انشاكم من الارض واذ انتم اجنة فى بطون امهتكم فلا تزكوا انفسكم هوا علم بمن اتقىٰ (پ ۲۷ سورہ نجم)

وہ تم کو خوب جانتا ہے جب تم کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے ۱۲

اسی کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں

نفس از بس مدحہا فرعون شد ۔ کن ذلیل النفس ہونًا لا تسد

ترجمہ:۔ مولانا فرماتے ہیں کہ نفس لوگوں کی تعریفوں سے فرعون ہوجاتا ہے بس تم ذلیل النفس رہو اور ہرگز سرداری مت طلب کرو۔

فنائیت تامہ کے بعد اب یہ حضرات اصحابؓ اس بشارت کے اہل ہوں گے کہ ان کو اولئك هم الراشدون کا خطاب دیا جائے تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہوجائے کیونکہ اس ایمان اور ان اعمال کا تعلق بظاہر تو ان کے اعضاء سے ہے گو یہ اعضاء بھی ہمارے ہی عطا فرمودہ ہیں لیکن ہماری عطا اور بندہ نوازی کا مقتضا یہی ہے کہ ہم اس ادنیٰ تعلق اور ملابست پر ان کو راشدون کا لقب مرحمت فرمادیں اور فنائیت تامہ چونکہ ان کو حاصل ہوچکی ہے اس لئے اس لقب سے اندیشہ ناز و پندار کا نہیں رہا۔ بلکہ یہ مقبولین ہمارا شکر ہی بجالائیں گے کہ حبّب اور کرّہ کے فاعل تو میاں ہیں ورنہ ہم کو ایمان کی مرغوبیت اور یہ کراہت من الکفر والفسوق والعصیان کہاں سے نصیب ہوتی پس باوجود اس کے کہ یہ سب کچھ اعمال و احوال انھیں کی عطایا ہیں پھر رُشد کی جو نسبت ہماری طرف فرمائی گئی ہے یہ محض بندہ نوازی نہیں تو اور کیا ہے۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل ۔ مرے مولا یہ تیری مہربانی

آگے حق تعالیٰ نے اولئک ھم الراشدون فرمانے کے بعد انعام کو صراحت سے بھی ارشاد فرما دیا کہ فضلاً من اللہ و نعمۃ یعنی یوں تو حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان سے یہ امر متبادر اور ظاہر تھا کہ جب ہمارے یہ اعمال حسنہ اور احوال محمودہ سب عطاء حق ہیں تو تحسین اور تحمید کے قابل وہی ذات منعم حقیقی کی ہے ہم تو محض مٹی کے ایک ڈھیر ہیں یہ اولئک ھم الراشدون کا فرمانا محض بندہ نوازی اور میاں کی حوصلہ افزائی ہے

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں ٭ مصلحت راتہمتے بر آہوئے چین بستہ اند

لیکن حق تعالیٰ شانہ نے فضلاً من اللہ و نعمۃ فرما کر اسی کو اور موکد فرما دیا کہ خبردار کبھی واہمہ بھی اس کا نہ دل میں گذرنے پائے کہ ہم کچھ ہو گئے ہیں کہ ایسے ایسے اعمال اور اخلاق حسنہ ہم سے صادر ہونے لگے۔ یہ محض فضل اللہ کا ہے اور نعمت الٰہیہ ہے۔
یہ علوم اور یہ فیوض سب ہمارے بڑے میاں کا فیض ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی کا صدقہ ہے اس راہ میں سچا پیر جس کو مل جائے تو سمجھو بڑی نعمت ہاتھ لگی۔ جاہل اور اناڑی پیر سے تو مرید زندگی بھر تنگ بھی رہتا ہے اور محروم کا محروم رہتا ہے جاہل پیر کی اصلاح بے سمجھی اور نادانی کی اصلاح ہوتی ہے وہ ہر رذیلہ کا نعوذ باللہ جڑ سے قلع قمع کرنا چاہتا ہے اور اس پر قدرت حاصل نہیں کیونکہ رذائل نفسانیہ تو انسان کی فطرت اور جبلت میں داخل ہیں۔

رذائل کا امالہ مطلوب ہے نہ کہ ازالہ

امراض جسمانیہ تو بالکلیہ اچھے ہو سکتے ہیں لیکن نفسانی رذائل کا قلع قمع نہیں ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

اذا سمعتم بجبل زال عن مکانہ فصدقوہ — اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اس خبر کی تصدیق کر دو لیکن اگر یہ سنو کہ کوئی شخص اپنی جبلت سے ہٹ گیا تو مت تصدیق کرنا۔

واذا سمعتم برجل زال عن جبلتہ فلا تصدقوہ

رذائل کے اندر حکمتیں ہیں یہ مخلوقات الٰہیہ ہیں۔ نیست باطل ہر چہ یزداں آفرید۔ یہ غصہ و شہوت وغیرہ بیکار نہیں پیدا کئے گئے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ازالہ رذائل کا ناممکن ہے تو پھر اصلاح کیسے ہو اس کا جواب یہ ہے کہ اصلاح کا طریقہ ازالہ ہی نہیں ہے جو ازالہ کرنا چاہے وہ اناڑی پیر ہے جاہل غیر محقق ازالہ کی کوشش کرتا ہے اور طالب کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ اصلاح نام ہے ان رذائل کے امالہ کا۔ یہ خدائی مشین کے پرزے ہیں ان کو اکھیڑنا نہ چاہئے ان سے کام لینا چاہئے۔

شہوت دنیا مثال گلخن است ؛ کہ از و حمام تقویٰ روشن است

ان رذائل سے کام لینا چاہئے وہ کام کیا ہے وہ ایسا کام ہے کہ اسی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان کو ایندھن بنا کر تقویٰ کا کھانا پکانا چاہئے۔ ہر بُری خواہش کو تقویٰ کی بھٹی میں ڈالدو۔ تقویٰ کا حمام روشن ہو جاوے گا اگر نفس کے یہ برے تقاضے انسان میں موجود نہ ہوتے تو پھر امتحان کس بات کا ہوتا۔ ان رذائل کو جو بمنزلہ ایندھن دیئے گئے ہیں اگر ہم ان کو کھانے لگیں گے یعنی اگر ان کے مقتضٰی پر عمل کرنے لگیں تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ ہر رذیلہ کو اس کے صحیح مصرف کی طرف پھیر دینا ہی اس کی اصلاح ہے مثلاً غصہ ہے۔ اللہ کی نافرمانی میں صرف کرنے کی بجائے اس کو جہاد میں کفار پر خرچ کیا جائے اپنے نفس کی نافرمانی پر اپنے اوپر کیا جائے۔ یہی اس کا امالہ ہے۔ صحابہؓ کی شدت کا جب مصرف صحیح ہو گیا تو وہ شدت محمود ہو گئی۔ اور حق تعالےٰ تعریف فرما رہے ہیں اشداء علی الکفار اگر مادہ ہی شدت کا نہ رکھا گیا ہوتا تو کفار پر شدت کہاں سے لاتے اسی طرح محبت کا مادہ بھی نہ رکھا گیا ہوتا تو رحماء بینھم کیسے ہوتے جو محبت کہ بری جگہ صرف ہو وہ مذموم ہے وہی محبت صحیح مصرف میں صرف ہو محمود ہے۔ اللہ اور رسول اور تمام ایمان والوں کے ساتھ جب محبت کرنے لگے تو اب امالہ ہو گیا۔ اسی طرح بخل ہے پہلے

اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے جی رُکتا تھا اب اس کا مصرف بدلدیا بُرے کاموں میں خرچ سے رُکنے لگے۔ اور پہلے بُرے کاموں میں خوب خرچ کرنا اچھا معلوم ہوتا تھا اب نیک کاموں میں خرچ کرنے لگے۔ ریا ہے پہلے مخلوق کو دکھانے کے لئے عبادت کی جاتی تھی۔ اب مصرف بدل کر اس کی اصلاح کردی گئی اور اب اللہ میاں کو اپنی عبادت دکھا رہے ہیں۔ جو اینٹھ مروڑ اور اکڑ کر چلنا ایمان والوں کے ساتھ حرام تھا موقع جہاد پر کفار پر رُعب جمانے کے لئے وہی اینٹھ مروڑ اور اکڑ کر شجاعت دکھاتے ہوئے چلنا پسندیدہ اور امر محمود ہے۔ بلکہ اس وقت اگر دشمنوں کو خاکساری دکھائے گا تو محروم ہوجائے گا اس وقت میں تواضع حرام ہے۔ اسی طرح پہلے حسد ایمان والوں کے ساتھ کرتا تھا اب ہر ایمان والے کے لئے دعا کرتا ہے اور کافروں کی طرف اس حسد کا امالہ کردیا کہ اے اللہ دشمنان اسلام کو برباد کردے۔

اب اگر یہ رذائل پیدا ہی نہ کئے گئے ہوتے ان سے یہ کام کیسے لیا جاتا سخت غلطی ہے جو لوگ رذائل کا ازالہ اور قلع قمع کی فکر کرتے ہیں حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں

نیست باطل ہرچہ یزدان آفرید ؛؛ از غضب و از حلم و نصح مکید

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ رذائل فی نفسہ قبیح نہیں ہیں غلط مصرف میں استعمال سے رذیلہ ہیں اور صحیح مصرف میں استعمال سے حمیدہ ہیں۔ اصلاح اخلاق کا حاصل ازالہ رذائل نہیں ہے مصارف صحیحہ کی طرف پھر دینا ہی ان کی اصلاح ہے ازالہ کی فکر کرنا حکمت الٰہیہ کو فوت کرنا ہے۔

دین کا تمام تر مدار سمجھ پر ہے جس کی سمجھ جس قدر اونچی ہوتی ہے اسی قدر وہ مقرب ہوتا ہے اس کی دینی سمجھ بہت رفیع اور باریک بین ہو جاتی ہے۔ اور اسی سمجھ سے توحید پر استدلال کرتا ہے وہ عقل سے غور کرتا ہے کہ دنیا میں کوئی چیز جب عاقل انسان بناتا ہے تو بنانے سے پہلے اپنی صنعت کا مقصد ذہن میں متعین کرلیتا ہے اگر بدون

کسی مقصد کے کوئی شخص کوئی چیز تیار کرلے تو اس کو پاگل اور دیوانہ کہا جاتا ہے پھر حق تعالیٰ تو حکیم مطلق ہیں ان کا کوئی فعل حکمت سے خالی ہونا ناممکن اور شانِ الوہیت کے منافی ہے اس امر کو عقلاً تسلیم کرنے کے بعد اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سارا جہان آسمان زمین چاند سورج ستارے چرند پرند تمام حیوانات جمادات نباتات انسان کی حفاظت اور تربیت کے لئے مخلوق ہوئے ہیں تو یہ انسان جس کے لئے اتنے وسیع کارخانے کا اہتمام کیا گیا ہے اس کو کس رفیع اور اہم مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے؟

یہ ایک اہم سوال ہے جو عقلاً انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے اب اس کا جواب کون دے اس عظیم ترین مقصد کا علم کس سے حاصل کیا جائے یہ بھی ایک عقلی مسئلہ ہے جس کا جواب خود انسان کی عقل دیتی ہے کہ ہماری پیدائش کا صحیح مقصد ہمارا پیدا کرنے والا ہی جان سکتا ہے۔ بندوں کی طرف سے حالاً اور اضطراراً جب یہ سوال پیدا ہوا تو حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کاملہ نے بندوں کی اس اضطراری سوال کا جواب ارشاد فرمایا۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون — اور میں نے جن اور انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے

(پ۲۷ سورۂ ذاریٰت)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید المفسرین ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ ان کو علم تفسیر میں خاص درک و فہم عطا فرما۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی تفسیر ابن عباس میں لیعبدون کی تفسیر لیعرفون سے فرمائی ہے۔ اور صاحب جلالین نے بھی اسی تفسیر کو لیا ہے یعنی جن اور انسان کو میں نے اس لئے پیدا کیا تاکہ مجھے پہچان لیں

عالم ارواح سے روح کو منتقل کرنے کی حکمت

عالم ارواح میں تمہاری معرفت کی تکمیل نہ ہوسکتی کیونکہ روح مجرد ہیں

بھوک اور پیاس نہ تھی عبادت کے لئے اعضاء نہ تھے کہ رکوع سجدہ اور قیام میں وہ اعضاء مختلف شکلوں میں طاعت اور بندگی کر سکتے پھر ہم نے انسان کو اس جسم کے ساتھ سراپا محتاج بنا کر اس عالم میں پیدا فرمایا تاکہ ہر قدم پر حاجت مند ہو کر ہمیں حاجت روائی کیلئے پکارے اور ہر حاجت سے ہماری صفات کی معرفت حاصل کرے روح مجرد کو عالم ارواح میں نہ بھوک لگتی نہ پیاس اس وقت بندہ میری ربوبیت اور رزاقیت کو کیا سمجھتا اب جس وقت بھوک اور پیاس سے مضطر ہوگا اس وقت کھانا کھا کر ٹھنڈا پانی پی کر بے اختیار ہمارا شکر ادا کرے گا۔ جب اپنے گناہوں سے توبہ کریگا اور ندامت کے آنسو بہائے گا تو میری رحمت توبہ قبول کرے گی اور گناہ کی مغفرت کرے گی اس وقت میرے بندے کو میری رحمانیت اور غفاریت اور توابیت کی معرفت ہوگی میں اس کے گناہوں کو دیکھتے ہوئے اس کی ستاری کروں گا اس وقت اسے میری ستاریت کی معرفت ہوگی۔ اور باوجود میرے قادر مطلق ہونے کے انتقام نہ لینے سے میرے کرم اور حلم کی معرفت ہوگی اور کبھی حد سے گذر جانے پر کسی سرکش قوم پر عذاب نازل کروں گا۔ اس وقت میرے ذوالانتقام اور شدید العقاب اور قہار ہونے کی معرفت ہوگی اور یہ واقعات دوسری بستیوں کے لئے عبرت بنیں گے۔ علیٰ ہذا القیاس سارے عالم میں میری ربوبیت کے ساتھ میرے تمام اسماء حسنیٰ کا ظہور مخلوقات میں ہر وقت مشاہدہ کر کے میرے رب العالمین ہونے کی معرفت حاصل ہو جاوے گی۔ پس عالم ارواح سے دنیا میں بھیجنے کا اور بے شمار حاجتوں کے ساتھ پیدا کرنے کا مقصد محض یہی ہے کہ میرے بندے ہمکو مع ہماری صفات کے پہچان لیں اور میری محبت کی دولت سے مالا مال ہو جائیں۔ یہ بات عالم ارواح میں روح محض کے لئے ممکن نہ تھی نہ وہاں حاجات تھیں کہ بھوک پیاس اور دوسری احتیاج سے صفات الٰہیہ کی پہچان ہوتی نہ ہاتھ پاؤں اور زبان تھی کہ نماز روزہ اور دیگر عبادتوں سے حق تعالیٰ کی محبت کی تکمیل ہوتی۔ عالم ارواح میں چونکہ روح پر الست بربکم کی آواز سے ایک خاص کیفیت معرفت اور محبت

کی طاری تھی اس لئے اس محویت کی لذت کو اس عالم ناسوت میں نہ پاکر درد فراق سے بے چین ہوگئی اور ہجر کی شکایت کرنے لگی کما قال العارف رومی رح

بشنو از نے چوں حکایت میکند ؛ واز جدائیہا شکایت میکند

صراط مستقیم روح کیلئے دوا ہجر ہے

تو اس ہجر کی دوا حق تعالیٰ نے بھیجدی اور فرمادیا کہ یہ عالم ناسوت تمہارے لئے حرث الآخرۃ ہے

یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے وہاں تو چیونٹی کی طرح صرف بیج رہتے اور یہاں اب تمہاری ترقی ہوگی اب اس بیج کے پھول پھل دنیا میں ظاہر ہوں گے بیج کی ترقی تو کھیتی ہی سے ہوتی ہے۔ شکایت کی کیا وجہ ہے؟ ہیں نے تجھے لق ودق میدان کے یا سمندر کی موجوں کے سپرد نہیں کیا نہ تجھے تیرے نفس کے حوالے کیا بلکہ تیری طرف سے وکالۃً ہم نے صراط مستقیم کی درخواست کا مضمون نازل فرمایا جس کا نام ہم نے سورۂ فاتحہ رکھا ہے چونکہ دنیا میں آکر تعلقات بڑھ گئے۔ میاں بیوی کے تعلقات، استاد شاگرد کے تعلقات باپ بیٹے کے تعلقات، پڑوسیوں کے تعلقات اور اپنے نفس کے تعلقات۔ پھر ان تعلقات کے حقوق سامنے آئے اور ہمارے حقوق بھی پیش نظر ہوئے ادھر نفس کے اندر خواہشات یعنی غضب، شہوت وغیرہ کے تقاضے محسوس ہوئے اور ان خواہشات کے متعلق یہ تشویش ہوئی کہ ان کو کہاں صرف کیا جائے کہاں نہ صرف کیا جائے۔ مصارف صحیحہ اور مصارف غیر صحیحہ کا فرق کیسے معلوم ہو۔ تو ہم نے بندوں کو ان پریشانیوں کے حوالے نہیں کردیا ہم نے بندوں کی طرف سے صراط مستقیم کی درخواست کا مضمون نازل فرمایا۔

مانگنے کو بھی ہمیں فرمادیا ؛ مانگنے کا ڈھنگ بھی بتلادیا
بلکہ مضموں بھی ہر اک درخواست کا ؛ تونے یارب ہمکو سب سکھلادیا

یہی صراط مستقیم جو سورہ فاتحہ میں مذکور ہے یہی دوا ہجر ہے یعنی انعام والے بندوں میں

کسی کا دامن پکڑ لو اور صراطِ مستقیم پر چلنا ان کی صحبت میں رہ کر سیکھ لو بس پھر دیکھو گے کہ اس بیج میں کیسے کیسے پھل پھول لگتے ہیں کہاں تو عالمِ ارواح میں مثل چیونٹی کے تھے اور اب ہماری اطاعت کی برکت سے کیا سے کیا ہو گئے اب تمہارے مقابلے میں نہ آسمان ہے نہ زمین ہے۔

بادہ در جوشش گدائے جوش ماست ؎ چرخ در گردش اسیر ہوش ماست

مولانا فرماتے ہیں کہ بادہ اپنے جوش و مستی میں ہمارے جوش کا غلام ہے اور آسمان اپنی گردش میں ہمارے ہوش کا قیدی ہے۔

عجب کیا جو ہیں عالم با ایں وسعت بھی زنداں تھا ؎ میں وحشی بھی تو وہ ہوں لا مکاں جس کا بیاباں تھا

صراطِ مستقیم کے خلاف نفس کا جی چاہتا ہے سامنے غیر محرم حسین ہے نفس گوشۂ چشم سے دیکھنا چاہتا ہے۔ سالک نفس سے کہتا ہے کہ میاں آنکھوں کی خیانت سے باخبر ہیں یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت سے باخبر ہیں اور سینے کے اندر ہم جو کچھ نافرمانیوں کے خیالات پکاتے ہیں اس سے بھی وہ باخبر ہیں۔ یہ سوچ کر سالک آنکھوں کو نیچی کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اس اطاعت و تابعداری کو دیکھ رہے ہیں کہ میرا بندہ بدون مجھکو دیکھے مجھ سے اتنا ڈرتا ہے اتنا ڈرتا ہے کہ گوشۂ چشم کی بھی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ تو بڑے قدر داں ہیں فرماتے ہیں۔

بندۂ مومن متقی اللہ تعالیٰ کا غلام بھی ہے اور دوست بھی ہے کہ یہ بندہ میرا بندہ بھی ہے اور میرا دوست بھی ہے نحن اولیاءکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ۔ ہم تمہارے دوست ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی غلام کو دوست بنانا معمولی انعام نہیں ہے۔ دنیا کے اندر کوئی بادشاہ کسی غلام کو دوست نہیں کہتا ہے اس میں اپنی توہین سمجھتا ہے۔ کتنا ہی جاں نثار غلام ہو لیکن اس کو اپنا دوست کہتے ہوئے شرمائیں گے۔ اس کو کسرِ شان سمجھتے ہیں ہماری لاکھوں جانیں اس

رب العالمین احکم الحاکمین پر قربان ہو جائیں یہ انہیں کا کرم ہے کہ قرآن میں اپنے بندوں کو اولیاء کے خطاب سے نوازا ہے۔ دنیا کے بادشاہ بھی آدمی ہیں اور ان کا غلام بھی آدمی ہے اس جنسی مشارکت کے باوجود غلام کو دوست کہنے سے فرق مراتب کا لحاظ ان کو عار دلاتا ہے۔ اور کہاں بندہ حادث مخلوق ضعیف سراپا محتاج اور کہاں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک لیکن حق تعالیٰ کی رحمت اور محبت کو دیکھنا چاہیے کہ غلاموں کو اپنا دوست فرمایا ہے۔ ایک جگہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وھو الغفور الودود ہم بندوں کے گناہوں کو کیوں بخشدیتے ہیں میری شان غفاریت اور غفوریت کا ظہور کیوں ہوتا ہے محبت کے مارے۔ ہم ودود بھی تو ہیں ہمیں اپنے بندوں سے بڑی محبت ہے۔ حق تعالیٰ کو اپنے بندوں سے اس قدر رحمت ہے کہ فرماتے ہیں کہ اگر تم ہماری رحمت سے ناامید ہو گئے تو کافر ہو جاؤ گے۔ اللہ اکبر کس قدر رحمت کی شان اس عنوان میں موجود ہے۔ جہنم کے عذاب سے ڈرا کر اپنی رحمت کا امیدوار بنا رہے ہیں ایک عالم نے پچاس برس حق تعالیٰ شانہ کی رحمت کا وعظ کیا تھا جب ان کا انتقال ہو گیا تو حق تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میرے اس بندے نے پچاس برس تک میرے بندوں کو میری رحمت کا وعظ سنایا ہے مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس بندے سے حساب لوں، لیجاؤ ان کو جنت میں داخل کردو یس لئے اپنی رحمت سے ان کو بخشدیا۔

حاصل یہ کہ عالم ارواح سے اس عالم ناسوت میں حق تعالےٰ نے ہمیں اس لئے بھیجا کہ ہم وہاں جو مثل بیج کے تھے یہاں اس کی کھیتی ہو اور اس کے پھل پھول ظاہر ہوں۔ اس بیج کے پھل پھول کیسے حاصل ہوتے ہیں آخرت کی کھیتی کا کیا طریقہ ہے اور پھل پھول سے مراد کون سا پھل پھول ہے تو فرماتے ہیں کہ دنیا میں ڈر کر رہنا صراط مستقیم سے قدم ہٹنے نہ پائے گوشۂ چشم کو بھی بچانا کہ کہیں ملوث نہ ہو جائے۔

کانوں کو بچانا بُری باتوں کے سننے سے لب و لہجے کو بچانا کہ اینٹھ مروڑ اور تکبر نہ شامل ہو آنکھوں کا تیور کے بدلنے میں نگاہ رکھنا کہ انانیت کی شان نہ پیدا ہو جائے ہر حرکت و سکون میں ہر سانس میں ڈرنا کہ کہیں اس بات سے میاں ناراض نہ ہو جائیں اسی کا نام آخرت کی کھیتی ہے۔ من کان یرید حرث الاخرۃ نزد لہ فی حرثہ کھیتی کی مثال سے عجیب بات بتادی کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے بیج گھر سے نکالا گیا لیکن کھیت میں اس کی ترقی ہوگی جب ایک بیج سینکڑوں دانے اور پھل پھول اپنے اندر دیکھتا ہے تب اسکا ہجر کی مصلحت معلوم ہوتی ہے بس اس خوف و ڈر سے جو ہر وقت جائز و ناجائز حلال و حرام کی فکر لگی ہوئی ہے اسی کی بدولت ولایت عطا ہوتی ہے اسی تقویٰ کی برکت سے اس بیج میں کیسے کیسے پھل لگتے ہیں کوئی صدیق ہو رہا ہے کوئی فاروق ہو رہا ہے کوئی غوث ہو رہا ہے اسی ڈر سے کیسے کیسے ابدال۔ اقطاب۔ اوتاد۔ نجباء نقباء انھیں انسانوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ تقویٰ کی صفت ایسی صفت ہے جو نبوت اور ولایت دونوں کے اندر مشترک ہے لیکن نبوت کے ساتھ اضطراری ہے اور ولایت کے ساتھ اختیاری ہے۔

عالم ارواح میں تقویٰ کے اسباب نہ تھے عالم ارواح میں اس ڈر کا تحقق نہ ہوتا کیونکہ وہاں تقویٰ کے اسباب نہ تھے

تقویٰ کے اسباب کیا ہیں تقویٰ کے اسباب کیا ہیں؟ شہوات نفسانیہ ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

شہوتِ دنیا مثال گلخن است ؎ کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

عالم ارواح میں جب اعضا ہی نہ تھے تو اعضا کی خواہشات کہاں سے ہوتیں اگر ایک اندھا کہے کہ میں نے کبھی کسی اجنبیہ عورت پر بُری نگاہ نہیں کی ہے تو اس کا یہ قول اس کے تقویٰ کے لئے دلیل نہ ہوگا کیونکہ اس کے پاس نہ تو اچھی نگاہ ہے نہ

بُری نگاہ ہے۔ اسی طرح اگر ایک عنین یعنی مادر زاد نامرد یہ کہے کہ میں نے کبھی زنا نہیں کیا تو اس کا یہ قول اس کے تقویٰ کے لئے دلیل نہیں ہے کیونکہ اس کے اندر زنا کی قوت ہی نہیں ہے۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے شعر مذکور میں فرمایا ہے کہ تقویٰ کا حمام تو جبھی روشن ہوتا ہے جب خواہشات نفسانیہ کا ایندھن بھی پاس موجود ہو اللہ کے خوف سے ہر بُری خواہش کے مقتضاء پر عمل کرنے کے تقاضے کو جب تقویٰ کی بھٹی میں جلا دیتا ہے تب تقویٰ کا حمام روشن ہو جاتا ہے اور تقویٰ کے نور سے حق تعالیٰ کا راستہ کھلتا چلا جاتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ اختیار کرتے ہیں ہم اپنے راستوں کو ان کے لئے کھول دیتے ہیں حق تعالیٰ نے سبیل نہیں فرمایا ہے سُبُل فرمایا ہے جو سبیل کی جمع ہے۔ سُبُل فرما کر یہ بتا دیا کہ میرے قرب کے لئے بہت سے راستے ہیں۔ کسی کو صبر کے ذریعہ قرب عطا فرماتے ہیں کسی کو شکر کے ذریعہ قرب عطا فرماتے ہیں۔

عالمِ ارواح میں نہ تو مجاہدہ کا سامان تھا نہ تقویٰ کا سامان تھا۔ اور حق تعالیٰ نے مجاہدہ اور تقویٰ کو شرط ولایت اور شرط قرب فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین اٰمنوا وکانوا یتقون حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ خوب غور سے سن لو کہ اولیاء اللہ پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ آنے والا ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور وہ کون لوگ ہیں جو اللہ کے ولی ہیں الذین اٰمنوا وکانوا یتقون جو لوگ کہ ایمان لائے اور جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اس آیت سے ہمارے حضرت مرشد پاک رح استدلال فرمایا کرتے تھے کہ نبوت تو غیر اختیاری ہے لیکن ولایت کو بندوں کے اختیار میں دیدیا ہے کیونکہ ولایت کی دونوں شرطیں ایمان اور تقویٰ اختیاری ہیں اور حضرت کبھی جوش میں

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ نبوت کا دروازہ تو بند ہو گیا ہے لیکن ولایت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے۔ اب بھی حضرت غوث پاکؒ کی کرسی پر بیٹھنے والے لوگ موجود ہیں۔

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشان است ؛ خم و خمخانہ با مہر و نشان است

تقریر مذکورہ سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ روح کے لئے عالم ارواح میں اسباب قرب موجود نہ تھے۔ پس اس عالم میں ہماری عبدیت حق تعالیٰ کی ولایت سے مشرف نہ ہو سکتی وہاں صرف بندے رہتے حق تعالیٰ کے دوست نہ بن سکتے کیونکہ شرط ولایت کا یعنی ایمان بالغیب اور تقویٰ کا اسی عالم ناسوت میں انتظام کیا گیا ہے۔ پس روح کو عالم ارواح سے جدا کر کے عالم ناسوت میں بھیجنے میں صورۃً تو ہجر ہے لیکن معنیً عین وصال اور قرب ہے چنانچہ دنیا میں حق تعالیٰ کی اطاعت اور تقویٰ کی برکت سے قرب کے کیسے کیسے مراتب اولیاء اللہ کو عطا ہوتے ہیں اور روح کا تعلق جب تک اس جسد عنصری سے رہتا ہے مسلسل اعمال حسنہ کے ذریعہ درجات قرب میں ترقی ہوتی رہتی ہے اور جس وقت روح بحکم الٰہی جسد عنصری سے اپنا تعلق منقطع کر کے عالم ناسوت سے چلدیتی ہے اسی وقت روح کی ترقی کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ عالم آخرت میں جو کچھ ثمرات اور درجات عطا ہوں گے وہ دنیا ہی کے اعمال اور مجاہدات کے نتائج ہونگے اس تقریر مذکورہ کے پیش نظر روح کو ہجر کی شکایت نہ ہونی چاہیئے طبیعت پر عقل کو غالب کر کے کام میں لگ جانا چاہیئے۔ کام میں لگتے ہی انشاء اللہ میاں کی طرف سے کرم کے ایسے جھونکے باطن میں محسوس ہوں گے کہ سارا درد فراق عین قرب معلوم ہو گا۔ جب اس بیج کے پھول پھل اپنے اندر دیکھیں گے تب آنکھیں کھل جائیں گی کہ کہاں تو عالم ارواح میں مثل چیونٹی کے تھے اور اب ساٹھ ساٹھ گز کے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر جنتی اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے قد پر ہو گا یعنی ساٹھ ساٹھ گز کا اور یہ تو ظاہری خلعت کا انعام ہے باطن میں نہ جانے کیا نعمتیں ہوں گی سینہ ہو گا کہ قرب و معرفت کے

انوار موجیں مارتے ہوں گے۔ واہ رے بیج تو عالم ارواح میں کیا تھا اور اس عالم میں تو نے آکر کیسی ترقی کی۔

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق ÷ اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

حاصل یہ ہے کہ روح کو حق تعالیٰ سے جدائی کی جو شکایت تھی "واز جدائیہا شکایت میکند" اس کے علاج کے لئے حق تعالیٰ نے صراط مستقیم نازل فرمائی اور حکم فرمادیا کہ اسی صراط مستقیم پر چلو اسی سے ہجر کی شکایت رفع ہوگی جب ہماری اطاعت و فرمانبرداری میں اور ہماری یاد میں لگ جاؤ گے تو تمہاری جدائی میرے قرب سے بدل جائے گی۔ اور اس قرب میں اس قدر ترقی ہوگی کہ عالم ارواح کی محویت اور وہاں کی استغراقی لذت یہاں کے قرب کے سامنے بھول جاؤ گے۔ اس وقت جو ہجر کی شکایت ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ابھی عقل پر طبیعت کا غلبہ ہے۔ چند روز جبراً نفس کو کام میں لگا دو اور طبیعت پر عقل کو غالب کر کے استقامت کے ساتھ معمولات ذکر وغیرہ کی پابندی کرلو چند ہی دن میں یہ دنیا تمہارے لئے باعتبار قرب و انس کے عالم ارواح سے بڑھ کر ہوجاوے گی۔

اور ایک عجیب ستھری زندگی ہم تمہیں عطا فرمادیں گے اس حیات طیبہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو ہم چاہتے ہیں وہی تم بھی چاہنے لگو گے جس بات سے ہم خوش ہوتے ہیں اسی سے تم بھی خوش ہوگے۔ جو بات ہم کو ناپسند ہے وہی تمکو بھی ناپسند ہوگی یعنی تمہاری تمام خواہشات میری مرضیات کی تابعدار اور غلام بن جاویں گی اور ہماری مرضیات تو پاک ہیں پس تمہاری مرضیات بھی میری مرضیات کی تابعداری کی برکت سے پاک ہوجاویں گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے تمام اعضاء سے پاکیزہ اعمال صادر ہوں گے تمہارا ظاہر پاکیزہ ہوگا تمہارا باطن پاکیزہ ہوگا اور میری مرضی پر ہر وقت تمہاری نگاہ کی ٹکٹکی بندھی ہوگی کہ ہم کونسا عمل کریں کہ میاں ہم سے خوش ہوجائیں اور ہر وقت خوف رہے گا کہ کوئی ایسی بات نہ ہوجائے کہ میرا اللہ مجھ سے ناخوش ہوجاوے۔ جب

میری مرضی پر اس طرح تمہاری نگاہ جم کر رہ جاوے گی تو ہماری مرضی بھی تمہارے ساتھ ہو جاوے گی۔ ؎

ہم تمہارے تم ہمارے ہو چکے ؎ دونوں جانب سے اشارے ہو چکے

کام تو کر کے دکھیو۔ زبانی قیل و قال سے کام نہیں چلتا ہے۔

کار کن کار بگذار از گفتار ؎ اندریں راہ کار باید کار

کام میں لگ جاؤ اور چرب زبانی سے باز رہو۔ اس راہ میں کام درکار ہے۔ ترقی اعمال سے ہوتی ہے نہ کہ محض گفتار سے۔ اس عالمِ ناسوت میں روح کے علوم بڑھ گئے کیونکہ حق تعالےٰ کے تمام اسمارِ حسنیٰ کی معرفت نصیب ہو گئی اور بندوں کے ساتھ تمام اسمارِ حسنیٰ کا تعلق ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ بندے کو جس قسم کی حاجت پیش ہو اسی حاجت کے مناسب حق تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام منتخب کر کے اس کا کثرت سے ورد کرے تو وہ حاجت بہت جلد پوری ہو جاتی ہے مثلاً کوئی رزق کی تنگی میں مبتلا ہے تو کثرت سے یَا مُغْنِیُ کا ورد کرے۔ مغنی اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے جس کے معنی اے غنی کر دینے والی ذات کے ہیں۔ حق تعالیٰ کے تمام اسمارِ حسنیٰ کی توجہ بندوں کی تربیت کے ساتھ کام کرتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں تو اس صفت مغفرت و رحمت کے تعلق سے بندوں کو مغفور اور مرحوم کہا جاتا ہے۔ وہ رزاق ہیں تو بندے مرزوق ہیں وہ ودود ہیں تو بندے مودود ہیں وہ خالق ہیں تو بندے مخلوق ہیں وہ صاحب غضب ہیں تو مجرمین مغضوب ہیں علیٰ ہذا القیاس اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کی تفصیلی معرفت اسی عالم میں ارواح کو نصیب ہوئی ہے۔ اسی لئے فرماتے ہیں وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی معرفت کے لئے پیدا فرمایا ہے لیعبدون کی تفسیر لیعرفون ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب ہماری زندگی کا مقصد معرفت ہے تو اس کا طریقہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی پہچان کا طریقہ

کیسے پہچانیں تو اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ الرحمٰن فاسئل بہ خبیرا رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔ یہ ترجمہ ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے عجیب اور قابل وجد ترجمہ ہے پھر یہ سوال ہوتا ہے کہ وہ باخبر لوگ کیسے پہچانے جائیں وہ علامات کیا ہیں جن کو دیکھ کر ہم سمجھ لیں کہ یہ بندہ اللہ تعالیٰ کا باخبر ہے اس سوال کا جواب اسی آیت سے چند آیتوں کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

قرآن کی روشنی میں عباد الرحمٰن کی پہچان کی پہلی صفت

وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا۔ اور حضرت رحمٰن کے خاص بندے وہ جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ان کے مزاج میں تواضع ہے تمام امور میں اور اسی کا اثر چلنے میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ حق تعالیٰ کی عظمت سے باخبر ہیں عظمت الٰہیہ کی معرفت اور اس کے استحضار سے دبے ہوئے چلتے ہیں ہر وقت دھیان بندھا ہوا ہے کہ میاں دیکھ رہے ہیں ان کے سامنے چل رہا ہوں۔ اس احسانی کیفیت کے اثر سے ان کی چال سے غلامی کی شان ظاہر ہوتی ہے ان کی رفتار کا ہون یعنی تذلل اس امر پر مخبری کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی بندگی اور حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کو پہچان لیا ہے۔ علی الارض فرمایا ہے جس میں لطیف اشارہ یہ ہے کہ زمین تو چلنے کے لئے پیدا ہی کی گئی ہے۔ تمہارے قدموں سے تو اس کی پائمالی ہوتی ہی ہے لیکن تم نیت اس کی پائمالی کی نہ کرو ورنہ زمین کا تو کوئی نقصان نہ ہوگا لیکن تمھاری عبدیت کو نقصان پہنچ جائے گا۔ زمین کے مقابلہ میں تمھاری چال سے اس کی حقارت نہ ظاہر ہو۔ جیسا کہ متکبرین اکڑ کر اینٹھ مروڑ کے ساتھ چلتے ہیں جس کو حق تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں ولا تمش فی الارض مرحا اور زمین پر

اتراتے ہوئے اکڑ کر مت چلو یہاں فی الارض فرمایا ہے جس میں متکبرین کی چال کا انداز قدم بتایا گیا ہے کہ تکبر سے زمین پر ایسی قوت سے قدم مارتے ہیں کہ اگر ان کا قابو چلے تو زمین کے اندر قدم پہنچا دیں آگے فرماتے ہیں انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا۔ اے متکبر تو زمین پر اتراتا ہوا مت چل کیونکہ تو زمین پر زور سے پاؤں رکھ کر نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ بدن کو تان کر پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے۔ پھر اس عاجزی اور ضعف قوت کے ساتھ اترانا عبث ہے۔

حق تعالیٰ کے خاص بندے اپنی چال سے پہچان لئے جاتے ہیں انسان چال چلن سے پکڑ لیا جاتا ہے۔ برُے بھی چال چلن سے پکڑ لئے جاتے ہیں اور اللہ والے بھی پکڑ لئے جاتے ہیں مگر نیکی کے ساتھ خواہ وہ اپنے کو کتنا ہی چھپائے اور مٹائے ہوئے ہوں۔ مگر مرد حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور۔ اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

گفت سیماھم وجوہٌ کردگار　　　　که بود غماز باران سبزہ زار

گر ببارد شب نہ بیند ہیچ کس　　　　کہ بود در خواب ہر نفس و نفس

تازگی ہر گلستان جمیل　　　　ہست بر باران پنہانی دلیل

ترجمہ:۔ مولانا فرماتے ہیں (۱) کہ جب انوار و برکات کسی شخص میں دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ صاحب نسبت ہے کہ آب نسبت سے یہ پھول کھلے ہیں اسی کی نسبت پروردگار عالم نے حضرات صحابہؓ کی تعریف میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود یعنی صحابہؓ اپنے چہروں کے نور سے اور لوگوں میں پہچانے پڑتے ہیں تہجد کی نمازوں سے صاف نیت سے ان کے چہروں پر نور ہے (موضح القرآن) (۲، ۳) جس طرح بارش کا مخبر سبزہ زار ہوتا ہے اگر شب کو مثلاً بارش ہوا اور کوئی نہ دیکھے کیونکہ نیند میں سب سوئے ہوتے ہیں اس وقت ہیں ہر باغ با جمال کی تازگی جو

صبح کو نظر آوے گی باران مخفی پر علامت ہو گی (از کلید مثنوی دفتر ششم ص۶۶)

ھون کے معنی لغت میں ذلت کے ہیں اسی ھون کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے۔

نفس از بس مدحہا فرعون شد   کن ذلیل النفس ھونا لا تسد

نفس اپنی تعریفوں سے فرعون ہو جاتا ہے علاج کیلئے فرماتے ہیں کہ ذلیل النفس ہو جاؤ یعنی جب بندے ہو تو غلام کی خو بو تمہارے اندر سے نکلنی چاہئے بڑائی تو صرف خدا تعالیٰ کی شان ہے۔ ایک بوند پانی سے جو پیدا ہو اس کے لئے تو اور بھی تکبر زیبا نہیں خبردار وہ ھون جو عباد الرحمٰن کی خاص صفت ہے اس کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ اور اپنی طرف سے کبھی سرداری مت چاہنا۔

ایک بار مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ حضرت آپ کی طرف روز بروز ایک خلق متوجہ ہوتی جا رہی ہے مولانا نے عجیب جواب ارشاد فرمایا جو بہت قابل عبرت ہے فرمایا کہ بھائی مجھے تو ازدھام خلقت سے خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو اللہ اکبر اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے اپنے باخبر بندوں کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تو یہ بیان فرمائی ہے کہ ان کی چال اور بندوں کی چال سے ممتاز ہوتی ہے اور یہ تواضع تو ان کا طرز خاص اپنے اعمال میں ہے۔ اور

عباد الرحمٰن کی پہچان کی دوسری صفت

دوسروں کے ساتھ ان کا طرز عمل یہ ہے کہ واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔ اور جب ان سے جہالت والے لوگ جہالت کی بات چیت کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کرتے ہیں بمطلب یہ کہ اپنے نفس کے لئے انتقام قولی یا فعلی نہیں لیتے اور جو خشونت تادیب و اصلاح و سیاست شرعیہ یا اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے ہو اس کی نفی مقصود نہیں (بیان القرآن)

ظاہر ہے کہ جاہل کی بے تمیزی پر کس قدر انسان کو غصہ آتا ہے خصوصاً جبکہ مغایبت کے ساتھ ہو۔ پس باخبر بندے جاہل کی چھیڑ چھاڑ میں اپنے کو الجھاتے نہیں ہیں تاکہ حق تعالیٰ کی یاد کے لئے فراغ قلب سے مشغولی کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت میسر ہو۔ اللہ تعالیٰ کے باخبر اپنے وقت کی بہت قدر کرتے ہیں۔ ہر لمحۂ زندگی کو امانت الٰہیہ سمجھتے ہیں پھر ان کی شدت محبت اس امر پر ان کو مضطر رکھتی ہے کہ

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے　　　　بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

یعنی ان کا مذاق یہ ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی پر ایک بار نظر کر لینا یعنی ذکر حق میں مشغول ہونا اس امر سے بہتر ہوتا ہے کہ سر پر شاہی چتر ہو اور ہمہ وقت ہائے و ہو یعنی شور و غل ہو۔

خلوت مع اللہ کی ترغیب ایک حدیث سے

یہ خلوت پسندی برائے ذکر درست ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

حقیقٌ بالمرء ان یکون له مجالس یخلو فیها ویذکر ذنوبه فیستغفر الله منها (ھب) عن مسروق موسلا۔

ہر شخص کو ضروری ہے کہ اس کے لئے متفرق طور پر ایسی مجلسیں بھی ہونی چاہئیں جس میں خلوت اختیار کرے اور ان میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان سے استغفار کرے

ہمارے مرشد پاک حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرات اہل طریق اس کا فعلاً سخت التزام اور قولاً سخت اہتمام رکھتے ہیں کہ خاص خاص اوقات خلوت کے لئے خاص رکھتے ہیں اور ان میں ذکر اور فکر میں مشغول رہتے ہیں اور تجربے سے اس کی خاصیت بیان فرماتے ہیں کہ من لا ورد له لا وارد له (جس کے کچھ ورد نہیں اس کے پاس کوئی وارد نہیں)

مضامین کا القار فی الجلوۃ تلقی فی الخلوۃ پر موقوف ہے

نیز تجربہ ہوا کہ القار فی الجلوۃ مشروط ہے تلقی فی الخلوۃ کے ساتھ (یعنی جلوت میں مضامین خاص کو القار ہوئے جو خلوت میں اپنا معتد بہ وقت ذکر و فکر میں گذارتے ہیں) اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص

تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کی محبت سے یا خوف سے بہہ پڑیں تو قیامت کے دن جبکہ شدت تپش سے لوگوں کے سر کھولتے ہوں گے۔

اللہ کی محبت میں گریہ وزاری

حق تعالیٰ پکاریں گے کہ کہاں ہیں وہ بندے جو مجھے تنہائی میں یاد کر کے رو دیا کرتے تھے وہ میرے عرش کے سایہ میں آجائیں۔ رجل ذکر اللہ خالیاً ففاضت عیناہ۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

عارفاں زانند دائم آمنوں — کہ گذر کردند از دریائے خون

امن شاں از عین خوف آمد پدید — لاجرم باشند ہر دم در مزید

ترجمہ:۔ (۱) عارفین اسی سبب سے ہمیشہ بے خوف ہیں کہ وہ دریائے خون سے گذر چکے ہیں دریائے خون سے مراد ان کے مجاہدات نفس ہیں جس کو ہمارے خواجہ صاحبؒ نے بھی فرمایا ہے کہ

مے یہ لی نہیں ہے یوں — دل اور جگر ہوئے ہیں خون

کیوں میں کسی کو مفت دوں — مے مری مفت کی نہیں

(خواجہ صاحب مجذوب)

ترجمہ (۲) ان کا امن عین خوف سے ظاہر ہوا (یعنی خشیت حق سے) اس لئے وہ ہر دم لطف اور امید کی ترقی ہی میں رہتے ہیں۔ عجیب تصرف اور عجیب قدرت ہے کہ خوف میں امید کو رکھدیا ہے حالانکہ دونوں متضاد امر ہیں

حق تعالیٰ کے تصرفات عجیبہ

انھیں تصرفاتِ عجیبہ کے سلسلہ میں مولانا نے یہاں ایک عجیب اور مفید بات بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی قدرت کو دیکھو کہ

گمرہی را منہج ایمان کند — کژ روی را مقصد احسان کند

وہ بعض اوقات گمراہی کو طریق ایمان کا کر دیتے ہیں اور اخلاص سبب کجروی کا ہو جاتا ہے اس طرح سے کہ گمراہی مثلاً سبب ہوئی کسی مقبول شخص کے ایذا پہنچانے کیلئے اس کے پاس جانیکا اور وہاں پہنچنا سبب ہو گیا اس کے کسی کمال کی طرف دل منجذب ہونیکا اور وہ سبب بن گیا ایمان کا اور اس کا عکس اس طرح کہ کبھی اخلاص پر نظر کر کے عجب میں مبتلا ہو گیا اور عجب کی نحوست سے قرب سلب کر لیا گیا (کلید مثنوی جلد ۶ صفحہ ۵۴)

صاحب گلزار ابراہیم حق تعالیٰ کے انھیں تصرفات عجیبہ کو بیان فرماتے ہیں۔

لاوے بتخانے سے صدیق[۱] کو ؎ کعبہ میں پیدا کرے زندیق[۲] کو

اہلیہ لوط نبی ہو کافرہ ؎ زوجۂ فرعون ہوئے طاہرہ[۳]

زادۂ آذر خلیل اللہ ہو ؎ اور کنعان نوح کا گمراہ ہو

یعنی آذر بت پرست کا بیٹا ابراہیم خلیل اللہ ہو اور نوح پیغمبر کا بیٹا کنعان کافر ہو حضرت عارف رومیؒ ان تصرفات عجیبہ کی منجملہ اور حکمتوں کے ایک حکمت یہ بیان فرماتے ہیں کہ

تا نباشد ہیچ محسن بے وجا ؎ تا نگردد ہیچ خائن بے رجا

یعنی حق تعالیٰ ایسا اس لئے کرتے ہیں تاکہ کوئی نیکی کرنے والا بے خوف نہ رہے اور کوئی گنہگار نا امید نہ رہے (کلید مثنوی جلد ۶ صفحہ ۵۴)

پادشاہی زیبد آں خلاق را ؎ بادشاہاں جملگی عاجز ورا

بادشاہی اسی خلاق کو زیبا ہے۔ تمام بادشاہ اس کے سامنے عاجز ہیں

بادشاہاں مظہر شاہی حق ؎ فاضلاں مرآت آگاہی حق

تمام بادشاہ مظہر ہیں بادشاہی حق کے تمام فاضل آئینہ ہیں علم حق کے۔

(کلید مثنوی دفتر ۶ صفحہ ۱۴۷)

---

[۱] یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ [۲] یعنی ابوجہل کو [۳] فرعون کی بی بی دلیہ تھیں۔

مسئلہ قضاو قدر لیکن حق تعالیٰ کسی کو کافر اور جہنمی بنا کر نہیں پیدا فرماتے
اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ظلم سے پاک ہے فرماتے ہیں

وما انا بظلام للعبید اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں (پ۲۶ سورۂ ق)

تقدیر کا مسئلہ نہایت آسان ہے حق تعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے مجھے اس مسئلہ میں شرح صدر عطا فرما دیا ہے۔ میں اس مسئلہ کو ایک سوال سے سمجھاتا ہوں وہ سوال یہ ہے کہ بندے دنیا میں پیدا ہو کر جو اعمال اور افعال اپنے ارادے اور اختیار سے کرنے والے تھے ان کا علم خدا تعالیٰ کو تھا یا نہیں اگر نہیں تھا تو وہ خدا ہی کیسا جس کا بندوں کے اعمال سے بے خبر اور جاہل ہونا ثابت ہو جاوے جہل تو شان خداوندیت کے منافی ہے پس لا محالہ یہی جواب دینا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کے تمام اعمال کا علم تھا پس اسی علم الٰہی کا نام تقدیر ہے۔ جس کے متعلق حق تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ یہ اپنے ارادے اور اختیار سے مرتے دم تک کفر اور شرک سے تائب نہ ہوگا اس کو جہنمی لکھ دیا۔ لوگوں کو دھوکہ یہ ہو جاتا ہے کہ وہ علم الٰہی کو امر الٰہی سمجھ لیتے ہیں حق تعالیٰ نے کفر کا امر نہیں فرمایا کہ تم کافر ہو جاؤ البتہ تمہارے کفر کا علم ضرور تھا کہ تم ایسا کرو گے وہی لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا۔ علم الٰہی اور چیز ہے امر الٰہی اور چیز ہے۔ پھر تقدیر کی دو قسمیں ہیں ایک تقدیر معلق دوسری تقدیر مبرم۔ تقدیر مبرم بدون کسی شرط کے ہوتی ہے اور تقدیر معلق مشروط ہوتی ہے کسی شرط سے اور شرط کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے۔ اُسی کو فرماتے ہیں۔

یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت — خدا تعالیٰ جس حکم کو چاہیں موقوف کر دیتے ہیں اور جس حکم کو چاہیں
وعندہٗ ام الکتاب (پ۱۳ سورۂ رعد) — قائم رکھتے ہیں اور اصل کتاب انھیں کے پاس ہے۔

یعنی بعض تقدیر کو اللہ تعالیٰ کسی خاص شرط پر معلق رکھتے ہیں۔ جب وہ شرط علم الٰہی

کے مطابق وجود میں آجاتی ہے تو اس کو مٹا دیتے ہیں مثلاً کسی کو جہنمی لکھ دیا اور علمِ الٰہی میں یہ قضا مشروط تھی کہ مثلاً جب ہمارا فلاں بندہ اس کے لئے دعا کریگا تو اس کی اس تقدیر کو مٹا کر جنتی کر دوں گا۔ یہ ایک تمثیل ہے تاکہ بات واضح طور پر سمجھ میں آجائے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے تو خود فرمایا ہے۔ ختم اللہ علی قلوبھم وعلیٰ سمعھم اللہ نے مہر لگا دی کافروں کے دلوں پر تو اس شبہ کا جواب حق تعالیٰ ہی نے دوسری جگہ ارشاد فرمادیا ہے۔ بل طبع اللہ علیھا بکفرھم اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس مہر کی وجہ بیان فرمادی کہ ان کی مسلسل سرکشی جب اس حد تک پہنچ گئی کہ ان کے دل بالکل سیاہ ہوگئے اور علمِ الٰہی میں قبول ہدایت کی صلاحیت انھوں نے اپنی اختیاری طغیانی اور سرکشی سے مفقود کر دی تو حق تعالیٰ نے سزاً ان کے دلوں پر مہر بھی فرمادی۔ اور یہ ظلم نہیں ہے ظلم تو اس وقت تھا جب کہ پہلے ہی سے مہر کردی جاتی لیکن حق تعالیٰ کی رحمت نے ایک صلاحیت تو عالم ازل میں الست بربکم کے سوال کے وقت ارواح میں پیدا فرمائی۔ پھر اس صلاحیت اور استعداد کی ترقی کے لئے عقل کو بالغ فرمایا بالغ کے معنیٰ عربی میں پہنچنے والے کے ہیں پس عقل کے بالغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب عقل کی استعداد اس درجہ کو پہنچی کہ احکام شریعت کا بار اٹھا سکتی ہے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ احکام شریعت سب عین عقل ہیں کوئی امر خلاف عقل نہیں۔ اگر خلاف عقل ہوتے تو ان کا بار نابالغوں اور پاگلوں پر بھی رکھا جاتا۔ عقل بلوغ جس عالم سے آتا ہے اسی عالم سے احکام شرعیہ بھی آتے ہیں پس ما علیہ التکلیف یعنی عقل بالغ میں حق تعالیٰ ایک استعداد خاص پیدا فرما کر اس پر ما بہ التکلیف یعنی اپنے احکام کا بار رکھ دیتے ہیں۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا ہے مگر اسی کا جو اس کی طاقت

میں ہو۔ پھر اس عقل بالغ کی مدد کے لئے حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں نبی اور رسول بھیجا وان من امة الاخلا فیھا نذیر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو (پ ۲۲ سورہ فاطر)

پھر ان کی نبوت و رسالت کی معرفت کے لئے ان کو معجزے اور آسمانی کتابیں صحیفے عطا فرمائے۔ پیغمبر آخر الزماں کے بعد قیامت تک ہر صدی میں ایک مجدد پیدا ہوتا رہے گا جو امت کے ہر شعبۂ دین کی گمراہی کی اصلاح کرتا رہے گا۔ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے کس قدر اہتمام فرمایا ہے اگر حق تعالیٰ کو نعوذ باللہ کافر بنانا مقصود ہوتا تو ہدایت کے اتنے اسباب پیدا فرمانے کی کیا ضرورت تھی۔ فرعون، نمرود، شداد کو اگر حق تعالیٰ جہنمی پیدا فرماتے تو ان کے لئے ان کی جنت کیوں پیدا فرماتے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر شخص کے لئے اس کی جنت اور اس کی جہنم کو حق تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ کافر جب جہنم میں داخل کیا جائے گا تو اس کی جنت دکھائی جائے گی اور کہا جائے گا اگر تو مومن ہوتا تو تیرا ٹھکانا یہاں ہوتا۔ اسی طرح مومن جب جنت میں داخل ہوگا تو اس کی جہنم دکھائی جائے گی اور کہا جائے گا اگر تو کافر ہوتا تو تیرا ٹھکانا یہاں ہوتا۔ کافر کے خلود فی النار یعنی دائمی عذاب کی سزا پر بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ ان کا کفر اور شرک تو ایک محدود زندگی تک تھا پھر سزا غیر محدود کیوں تجویز ہوئی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا عجیب جواب عطا فرمایا ہے۔ فرمایا کہ کفر اور شرک کی حقیقت بغاوت ہے اور قاعدہ سلاطین دنیاوی کا بھی یہ ہے کہ باغی کو جلاوطن عبور دریا شور عمر بھر کے لئے کر دیتے ہیں جس سے ظاہر ہوا کہ بغاوت کی سزا غیر محدود ہے۔ اور یہ امر بمقتضائے عقل ہے۔ دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ کے تمام صفات غیر متناہیہ ہیں۔ اور کافر اللہ تعالیٰ کی ذات اور تمام صفات غیر متناہیہ کا حق ضائع کرتا ہے انکار سے

پس سزا بھی غیر متناہی ہونی چاہیئے۔ نیز کافر کا ارادہ ہمیشہ اپنی طرف سے کفر ہی پر قائم رہنے کا ہوتا ہے اگر ہمیشہ زندہ رہے تو ہمیشہ باغی رہنے کا عزم رکھتا ہے اور مومن اس کے برعکس ہمیشہ اطاعت کا ارادہ رکھتا ہے۔

حق تعالیٰ کی ذات پاک ظلم سے پاک ہے۔ بعض لوگوں کو اس آیت سے شبہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ان الذین کفروا سواءٌ علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون۔ اے ہمارے رسول ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں یہ کسی حالت میں بھی ایمان نہ لاویں گے۔

تو اس آیت میں حق تعالیٰ نے کافر ہونے کا حکم نہیں فرمایا ہے بلکہ اپنا علم ظاہر فرمایا ہے اگر یہ علم نہ ہو تو مرتبہ ذات میں جہل لازم آجائے پھر ایسا خدا خدا ہی نہیں بن سکتا۔

بعض لوگوں کو اس آیت پر شبہ ہوا کہ یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا۔ گمراہ کرتے ہیں بہتوں کو اس مثال کی وجہ سے اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو تو اس کا جواب اسی آیت کے بعد ہی موجود ہے۔ فرماتے ہیں۔

وما یضل بہ الا الفاسقین۔ الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض ط اولئک ھم الخاسرون۔ اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو مگر جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدہ کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے اس کے استحکام کے بعد اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو وابستہ رکھنے کا اور فساد کرتے رہتے ہیں زمین میں بس یہ لوگ ہیں پورے خسارے میں پڑنے والے

ان آیتوں کے اندر حق تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ ہم انہیں لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں جن پر اتنے مقدمات قائم ہو جاتے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے معاہدہ کو توڑتے رہنا۔ (۲) جن تعلقات کو قائم رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا اس کو قطع کرتے رہنا (۳) زمین پر فساد کرتے رہنا۔

کرتے رہنے کا خوب ترجمہ حضرتؒ نے فرمایا ہے جس سے یہ ثابت ہوا کہ سرکشی اور طغیانی کو اپنا شیوہ ہی بنا لیتے ہیں۔ اپنے کرتوت سے انھوں نے اپنے کو اندھا، گونگا، بہرا بنا لیا۔ فرماتے ہیں۔ ءنلزمکموھا وانتم لھا کارھون۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو برس تک تبلیغ کی اس طویل مدت میں صرف ۸۰ یا ۸۲ انسان مسلمان ہوئے تو فرماتے ہیں کہ کیا میں اس ہدایت کو چپکا دوں درآنحالیکہ تمہیں ہماری باتیں ناگوار معلوم ہوتی رہیں اور میں ایسا شیدائی ہوں کہ ساڑھے نو سو برس تک تبلیغ سے تھکا نہیں، کفار کہتے تھے سمعنا وعصینا سن تو لیا لیکن نافرمانی کریں گے جب ان کے دل سرکشی کرتے کرتے سیاہ اور زنگ آلود ہو گئے اور کسی کام کے نہ رہے تب حکم ہوا کہ اب تالا چڑھا دو۔ اب اللہ کے تالے پر کون کنجی لگا سکتا ہے۔

کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون۔ — حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

بل طبع اللہ علیھا بکفرھم۔ — یہ تالہ انھیں کے کفر کے سبب چڑھا ہے۔

کافر بنا کر نہیں پیدا کئے گئے تھے۔

وحاق بھم ما کانوا بہ یستھزءون — اور جس کی وہ ہنسی کیا کرتے تھے اسی نے ان کو آ گھیرا

خلاصہ یہ کہ تقدیر نام ہے علم الٰہی کا۔ جو کچھ ہم اپنے ارادے سے خیر و شر کرنے والے تھے انھیں کو حق تعالیٰ نے لکھوا دیا۔ کیونکہ علم الٰہی سے ایک ذرہ بھی غائب نہیں ہو سکتا۔ پس تقدیر کے اس صحیح مفہوم کی بنیاد پر نہ تو کوئی بندہ شر پر مجبور ہے نہ خیر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ایک پیر اٹھاؤ اس نے اٹھا لیا پھر فرمایا کہ دوسرا پیر بھی اٹھاؤ اس نے مجبوری ظاہر کی۔ پس فرمایا کہ سمجھ لو کہ بندہ اتنا مختار ہے اور اتنا مجبور ہے جضرات صحابہؓ نے حضور صلعم سے عرض کیا کہ جنتی اور جہنمی کی کیا پہچان ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کل میسرٌ

لہا خلق لہٗ جس کے اعمال اچھے دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ جنت کے راستہ پر چل رہا ہے اور جس کے اعمال بُرے دیکھو تو سمجھ لو کہ جہنم کے راستہ پر چل رہا ہے۔ ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ خیر اور شر میں دو نسبتیں ہیں ایک خلق کی دوسرے کسب کی خیر میں تو مراقبہ ان کی طرف کی نسبت کا کرے کسب کا استحضار نہ کرے اور شر میں مراقبہ اپنی طرف کی نسبت کا کرے خلق کا نہ کرے غرض خیر میں تو نسبت خلق کو مستحضر کرو اور شر میں نسبت کسب کو مستحضر کرو یعنی ادب یہ ہے کہ ہر خیر کی نسبت خدا کی طرف کرنا چاہئے اور ہر شر کی نسبت اپنی طرف کرنی چاہئے۔

ما اصابك من حسنۃ فمن اللہ — اے انسان تجھکو جو کوئی خوشحالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آوے

وما اصابك من سیئۃ فمن نفسك۔ — وہ تیرے ہی سبب سے ہے۔

اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس آیت سے قبل قل کلٌ من عند اللہ فرمایا ہے یعنی آپ فرما دیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ راحت اور تکلیف کا پہنچانے والا در حقیقت اللہ ہے۔ جو راحت کسی کو پہنچتی ہے وہ اس کا احسان ہے اور جو تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے گناہوں کی نحوست ہے۔ اس صورت میں آیت کل من عند اللہ اور وما اصابك من سیئۃ دونوں میں مطابقت ہوگئی یعنی سختی کی نسبت آدمی کی طرف اس لئے ہوئی ہے کہ اس کے گناہوں کی نحوست پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے نسبت کی گئی کہ ہر چیز میں اس کا حکم چلتا ہے۔ حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بندے کو چاہئے نیکی کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھے اور تکلیف اپنی تقصیر سے بعض لوگوں کو وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین سے شبہ ہوتا ہے کیونکہ اس آیت میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہاری مشیت ہماری مشیت کے تابع ہے۔ تو اس کا جواب

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ مشیت عباد معلول ہے مشیت رب سے اور بندوں کے افعال بمشیت بندہ کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ مشیت ثانوی افعال عباد کی علت قریبہ ہے اور مشیت رب علت بعیدہ ہے اور نسبت علت قریبہ ہی کی طرف کرتے ہیں فرقۂ قدریہ کی نگاہ محض مشیت اولیٰ پر ہوئی اور جبریہ کی نگاہ مشیت ثانیہ محض پر ہوئی یہ دونوں فرقے گمراہ ہیں مذہب حق وہی ہے جو جامع ہے اور ناظر ہے دونوں مشیتوں پر یہ ایک علمی تحقیق ہے جو صرف اہل علم کا حصہ ہے۔

عباد الرحمٰن کی پہچان کی تیسری صفت

عباد الرحمٰن یعنی ان باخبر بندوں کی دو صفتوں کا بیان ہو چکا تھا۔ ایک صفت تو یمشون علی الارض ھونا یعنی زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔ دوسری صفت اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔ جب ان سے جہالت والے لوگ بات کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں۔ تیسری صفت حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں والذین یبیتون لربھم سجدا وقیاما ان باخبر بندوں کی تیسری پہچان یہ ہے کہ وہ راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام یعنی نمازیں لگے رہتے ہیں۔

بندوں کے ساتھ تو ان کا معاملہ وہ تھا جو بیان ہوا کہ کہیں سے عبدیت کی شان میں فرق نہیں آنے پاتا اور اپنے خالق و معبود حقیقی کے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے کہ شدت محبت کے سبب رات کے منتظر رہتے ہیں کہ کب سورج ڈوبے اور ہم دن کے جھگڑوں سے فارغ ہو کر فراغ قلب سے اپنے محبوب حقیقی کی یاد میں لگ جائیں۔

اس آیت میں سجدہ کو قیام پر مقدم فرمایا ہے حالانکہ قیام پہلے ہوتا ہے سجدہ کا وقوع بعد از قیام ہوتا ہے تو اس تقدیم میں حق تعالیٰ نے ان کی ایک باطنی کیفیت یعنی ان کی شدت محبت کو بیان فرمایا ہے کہ یہ باخبر بندے میرے در پر جبیں سائی کے لئے اور اپنے کو مٹانے کے لئے حالت قیام ہی سے مشتاق اور منتظر رہتے ہیں یعنی ہر تو

قیام میں لیکن دل سجدہ کا منتظر ہے کہ کب وہ وقت آوے گا کہ اپنے اللہ کے سامنے اپنی پیشانی زمین پر رکھکر اپنے کو مٹادوں ۔ اور قاعدہ ہے کہ انتظار الصلوٰۃ من الصلوٰۃ یعنی نماز کے انتظار میں جو ہوتا ہے وہ نماز کے اندر شمار ہوتا ہے اس کو ثواب نماز کا ملتا ہے۔ پس حالت قیام میں انتظار سجدہ کے سبب حق تعالیٰ نے ان کو سجدہ ہی کے حکم میں فرمادیا اس آیت میں میاں نے اپنے باخبر بندوں کی خاطر فرمائی ہے کہ اگرچہ ابھی سجدے میں نہیں گئے ۔ لیکن سجدے کے انتظار میں تو ہیں اس کی رعایت سے سجداً کو قیاماً پر مقدم فرمادیا۔

راتوں میں اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جو لطف آتا ہے اس کو دوسرا کیا جان سکتا ہے کیونکہ وہ لذت ایک مخفی راہ سے حق تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔

درمیان شمس دیں روزن رہے　　　　ہست روزنہا نشد زاں آگہے

اس آفتاب حقیقی اور ان کے قلب کے درمیان میں ایک مخفی راستہ ہے جس سے حق تعالےٰ کے نفحات کرم پے در پے آتے رہتے رہیں دوسرے لوگ اس دریچۂ باطنی سے آگاہ نہیں ہیں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں - تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا ومما رزقنٰھم ینفقون ٥ فلا تعلم نفس ما اُخفی لھم من قرۃ اعین - ان باخبر بندوں کے اعمال کا حال یہ ہے کہ رات کو ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیٰحدہ ہوتے ہیں (خواہ فرض عشا کے لئے یا تہجد کے لئے بھی اور اس سے سب روایتیں جمع ہوگئیں اور خالی علیٰحدہ ہی نہیں ہوتے ہیں بلکہ اس طور پر علیٰحدہ ہوتے ہیں کہ وہ لوگ اپنے رب کو ثواب کی امید سے اور عذاب کے خوف سے پکارتے ہیں (اس میں نماز اور دعا اور ذکر سب آگیا) اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانۂ غیب میں موجود ہے۔

ہر چند کہ اس آیت میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان خزانۂ غیب میں فرمایا گیا ہے مگر دنیا ہی میں اس ٹھنڈک کا فیض ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ قرۃ عینی فی الصلوٰۃ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اور ارشاد فرمایا۔ ان المصلی یناجی ربہٗ مصلی نماز میں اپنے رب سے چپکے چپکے سرگوشی کرتا ہے۔ اور ارشاد فرمایا الصلوٰۃ معراج المومنین نماز مومنین کی معراج ہے۔ ان نصوص سے ظاہر ہے کہ نماز معراج اور محل مناجاۃ اور قرۃ عین ہے۔ حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مخصوص مجلس میں ارشاد فرمایا کہ سب کے کہنے کی بات نہیں ہے مگر تم سے کہتا ہوں کہ جب میں سجدہ میں جاتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں نے ہمارا پیار کر لیا ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی دادا پیر رحمۃ اللہ علیہ بعض راتوں کو تمام رات ایک سجدہ میں گذار دیتے اور حالت سجدہ میں یہی شعر پڑھتے اور روتے ؎

اے خدا این بندہ را رسوا مکن　　　گر بدم من سرِ من پیدا مکن

اے خدا اس بندہ کو رسوا نہ فرمائیے اگرچہ میں برا ہوں لیکن میرے عیوب کو خلق پر ظاہر نہ فرمائیے

ہمارے دادا پیر حضرت حاجی صاحبؒ کے دو شعر

ہمارے دادا پیر حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنے احباب و رفقاء کے انتقال کے بعد جو اپنا غم بیان فرمایا ہے اس کا نام درنامۂ غمناک ہے اس کے دو شعر مجھے یاد ہیں جن کو دیکھ کر حضرت حاجی صاحبؒ کی عبدیت اور فنائیت کا پتہ چلتا ہے فرماتے ہیں

جو تھے نوری وہ گئے افلاک پر　　　مثل تلچھٹ رہ گیا میں خاک پر

بلبلوں نے گھر کیا گلشن میں جا　　　بوم ویرانے میں ٹکراتا رہا

تذکرہ مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھی

اللہ والے سراپا درد ہوتے ہیں ہمارے دوست مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھی بھی سراپا درد ہیں باشاءاللہ ان کا کلام بڑا دردناک ہوتا ہے۔ ایک بار مجھے اپنے گھر بھی لیگئے ہیں اور اپنا کلام خوب سنایا۔ ان کے چند اشعار تو بہت ہی دردناک ہیں فرماتے ہیں ؎

شکر ہے درد دل مستقل ہو گیا — اب تو شاید مرا دل بھی دل ہو گیا

اور فرماتے ہیں۔

دل مضطرب کا یہ پیغام ہے — تیرے بن سکوں ہے نہ آرام ہے
تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے — یہی بس محبت کا انعام ہے
ترا عشق شاید ابھی خام ہے — جو آغاز میں فکر انجام ہے

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو عبادت میں لذت ملنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس دھیان سے عبادت کرتے ہیں کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور جس درجۂ یقین کے ساتھ جس کو تعلق مع اللہ نصیب ہوتا ہے اسی درجہ اس کو لذت طاعت بھی سوا ملتی ہے کسی نے خوب کہا ہے

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد ؛ ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

عشاق کی شان

عاشق کی شان تو یہی ہوتی ہے اس کو محبت کی یاد کے سوا کچھ اچھا نہیں لگتا ہے ایک شخص نے کسی عاشق سے پوچھا کہ تم نے بہت سے شہر دیکھے ہیں ان میں کونسا شہر تم کو سب سے اچھا معلوم ہوا۔ اس عاشق نے جواب دیا ؎

پس کدامے شہر زانہا خوشتر است — گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

اس نے جواب دیا کہ وہ شہر جس میں میرا محبوب ہے وہی مجھے سب سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔

ہر کجا یوسف رُخے باشد چو ماہ — جنت است آں گرچہ باشد قعر چاہ

جس جگہ وہ یوسف رخ مثل چاند کے جلوہ افروز ہے وہ میرے لئے جنت ہے اگرچہ کنوئیں کا

قعر ہی کیوں نہ ہو۔

خوشتر از ہر دو جہان آنجا بود　　　　که مرا با او سر و سودا بود

دونوں جہاں سے خوشتر وہی جگہ ہے جس جگہ مجھ سے اور محبوب سے سر و سودا ہو یعنی عشق و محبت کی گفتگو ہو اور مناجات و سرگوشی ہو۔

کشتہ و مردہ بہ پیشت اے قمر　　　　بہ کہ شاہِ زندگاں جائے دگر

اے قمر یعنی اے محبوب حقیقی آپ کے سامنے کشتۂ عشق اور مردہ رہنا یعنی بے نام و نشان رہنا میرے نزدیک بہتر ہے کہ میں دوسری جگہ زندوں پر بادشاہی کروں۔

آزمودم من ہزاراں بار بیش　　　　بے تو شیریں می نہ بینم عیش خویش

میں نے ہزاروں بار آزمالیا ہے کہ بغیر آپ کے قرب کے میرا عیش و آرام سب تلخ ہو جاتا ہے۔

بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست　　　　تلخ تر از فرقت تو ہیچ نیست

بغیر آپ کی پناہ کے بجز الجھاؤ اور پیچیدگی کے کچھ نہیں ہے اور آپ کی فرقت سے تلخ تر دنیا میں کوئی مصیبت نہیں ہے۔

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست　　　　جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

کوئی گوشہ بدون جال اور مکر کے نہیں ہے۔ بجز خلوت گاہ حق کے کہیں آرام نہیں ہے

ہر کہ جویائے امیری شد یقین　　　　پیش ازاں اندر اسیری شد ہمیں

جو شخص امارت کا طالب ہو وہ بالیقین قبل امیر ہونے کے سینکڑوں افکار و ہموم و غموم کا اسیر ہو گیا۔

بر کف من نہ شراب آتشین　　　　وانگہ آن کرّ و فر مستانہ بین

اے محبوب میرے ہاتھ پر شراب آتشیں کا جام رکھ دیجئے اس کے بعد میرا مستانہ کرّ و فر دیکھئے۔

خواب را بگذار امشب اے پدر   یک شبے در کوئے بیخواباں گذر

خواب کو ایک رات کیلئے ترک کر دے اے پدر ایک شب بیخوابوں کی گلی میں سیر کر لے۔

بنگر ایشاں را کہ مجنوں گشتہ اند   ہمچو پروانہ بوصلش کشتہ اند

پھر دیکھو ان بیخوابوں کو کہ عشق حقیقی نے ان کو مجنوں کر رکھا ہے اور پروانوں کی طرح اس کے قرب سے کشتہ ہیں۔

ہیں بیائید اے پلیداں سوئے من   کہ گرفت از خوئے یزداں خوئے من

اے غافلو اور پلیدو! آجاؤ میری طرف کیونکہ میرے اخلاق اخلاق الٰہیہ سے متخلق ہو گئے ہیں۔

اولیا را در درونِ نغمہا است   طالباں را زاں حیات بے بہا است

اولیاء اللہ کے اندر عشق حق کے بہت سے ایسے نغمے ہیں جن سے طالبین کو حیات بے بہا عطا ہوتی ہے

اے تواضع بردہ پیش ابلہان   اے تکبر کردہ تو پیش شہان

اے وہ شخص کہ تو تواضع کرتا ہے دنیا کے ان امراء اور حکام کے سامنے جو بسبب غفلت عن الآخرۃ کے عند اللہ بیوقوفوں میں شمار ہیں اور اے وہ شخص کہ تو تکبر کرتا ہے ان اولیاء اللہ کے سامنے جو درحقیقت رشک سلاطین ہیں۔

چوں شوی دور از حضور اولیاء   درحقیقت گشتۂ دور از خدا

اگر تو اولیاء اللہ کے حضور سے دور ہو گیا تو سمجھ لے کہ درحقیقت تو خدا سے دور ہو گیا۔

مردان خدا خدا نباشند   لیکن از خدا جدا نباشند

اہل اللہ خدا نہیں ہیں لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہیں۔

خدا تعالے شانہ جس کو اپنی محبت سے نواز دیں وہ بڑا خوش قسمت ہے اس کی خوش نصیبی کو کون پا سکتا ہے۔

غم عشق | حضرت سرمدؒ فرماتے ہیں۔

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند   سوزِ غم پروانہ مگس را ندہند
عمر باید کہ یار آید بکنار   ایں دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہ بزرگ تھے۔

حضرت سرمدؒ فرماتے ہیں کہ اے سرمد عشق حقیقی کا غم بوالہوس کو یعنی دنیا پرستوں کو نہیں عطا فرماتے ہیں پروانے کا سوزِ غم مکھی کو نہیں عطا فرماتے ہیں ایک عمر درکار ہے کہ یار کا وصال حاصل ہو۔ اے سرمد یہ دولت عشق ہر کس و ناکس کو نہیں عطا فرماتے ہیں۔

اور فرماتے ہیں

سرمد گلہ اختصار می باید کرد   یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد   یا قطع نظر زیار می باید کرد

اے سرمد گلہ اختصار کرنا چاہیئے ایک کام ان دو کاموں میں سے کر ہی لینا چاہیئے یا تو تن کو رضائے دوست میں دیدینا چاہیئے۔ یا تو یار سے قطع نظر ہی کر لینا چاہیئے۔ اور شق ثانی تو بوجہ عشق ناممکن ہے۔ پس شق اول متعین ہوگئی کہ اپنے کو رضاء دوست کی تحصیل میں قربان کر دینا چاہیئے۔

عشق حقیقی جس دل میں اپنا گھر کر لیتا ہے تو اس کو تمام ننگ و ناموس سے آزاد کر دیتا ہے بجز رضاء محبوب کے اس کو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ کہ لوگ ہیں کیا کہیں گے ہمارے حضرتؒ اکثر یہ شعر فرمایا کرتے تھے۔

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں   مانمی خواہیم ننگ و نام را

سچا عاشق معترض سے بھی کہدیتا ہے کہ یہ اعتراض طریق عشق پر اسی وقت تک ہے جب تک کہ تمہارے دل میں حق تعالیٰ کی محبت نے اپنا اثر نہیں کیا۔

منعم کنی ز عشق وے اے مفتی زمن　　معذور دارمت کہ تو او را ندیدۂ

اے ظاہر بین مفتی زمن تو مجھے ان کے عشق سے منع کرتا ہے میں تجھے معذور سمجھتا ہوں کہ تو نے انکو دیکھا ہی نہیں۔

دید لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور　　میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشہ تیرا

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا　　ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

حضرتؒ ہمارے فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے دل میں عظمت تو فقہاء کی ہے مگر محبت زیادہ صوفیہ کی ہے۔

سالک کو اہل محبت کی صحبت اختیار کرنا چاہئے

اور فرمایا کہ سالک کو چاہئے کہ اہل محبت کی صحبت میں بیٹھا کرے۔ اور ایک حدیث سے حضرتؒ نے استدلال بھی فرمایا ہے۔

جالسوا الکبراء وسائلوا العلماء وخالطوا الحکماء (طب) عن ابی جحیفہ (صحیح) قال العزیزی مرفوعا وموقوفا والموقوف صحیح

بزرگوں کے پاس بیٹھا کرو (ظاہراً عمر کے اعتبار سے بڑا مراد ہے کیونکہ وہ اہل تجربہ اہل بصیرت کامل العقل والمعرفۃ ہوتے ہیں اور ان سے استفادہ کا اہل ہوتا ہے) اور علماء سے (احکام دینیہ) پوچھتے رہا کرو اور حکماء سے ملتے جلتے رہا کرو۔

اس حدیث میں خالطوا کو سائلوا کے مقابلہ میں فرمانا اشارہ اس طرف ہے کہ صوفیہ سے استفادہ زیادہ مقاولت و مسائلت یعنی زیادہ قیل و قال اور کثرت سوالات پر موقوف نہیں بلکہ بلاضرورت شدیدہ اکثر مضر ہو جاتا ہے کما یعرفہ اھل الطریق نیز خالطوا کو جالسوا کے مقابلہ میں لانا اشارہ اس طرف بھی ہے کہ صوفیہ سے کما و کیفاً زیادہ تعلق کی ضرورت ہے کیونکہ مخالطت بدون تکرار آمد و رفت و کثرت و لزوم کے متحقق نہیں ہوتی۔ نیز اہل اللہ کی صحبت میں ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ اگر کسی شخص کی طرف نظر کر لیتے ہیں تو وہ شخص باسعادت ہو جاتا ہے۔ (از اشرف ج ۲ صفحہ ۱۲)

حضرت عارفؒ فرماتے ہیں۔

مہر پاکان درمیان جان نشان　　　دل مدہ الا بمہر دل خوشان

من غلام آنکہ نفروشد وجود　　　جز بآن سلطان با فضال وجود

ترجمہ:۔ (۱) پاکوں کی محبت کو جان میں راسخ کر لو اور دل ہرگز کسی کو نہ دو مگر ان کو جن کے دل اچھے ہیں۔ (۲) میں غلام اس مقدس اور مقبول بندے کا ہوں جو اپنے وجود کو دنیا و مافیہا کے لئے نہیں فروخت کرتا ہے۔ بلکہ اپنے وجود کو صرف اس سلطان با افضال وجود یعنی حق تعالیٰ شانہ کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ اصل جوہر شیخ کامل کے اندر یہی ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا طالب اور عاشق ہے۔ اس وصف کے بعد پھر اس کی اطاعت کو عین اطاعت حق جاننا چاہیئے۔ اس کی محبت کو عین محبت حق سمجھنا چاہیئے۔

شیخ کامل کی محبت عین محبت حق ہے

مولانا عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

چوں جدا بینی ز حق ایں خواجہ را　　　گم کنی ہم متن و ہم دیباچہ را

دو مگو و دو مداں و دو مخوان　　　خواجہ را در خواجۂ خود محو دان

خواجہ ہم در نور خواجہ آفرین　　　فانی است و مردہ و میت و دفین

ترجمہ:۔ (۱) حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔ کہ اگر تو اپنے شیخ کامل فانی فی الحق کو حق سے جدا سمجھے گا تو تو اصل اور مقدمہ سب گم کر بیٹھے گا۔

مردان خدا خدا نباشند　　　لیکن ز خدا جدا نباشند

(۲) مولانا فرماتے ہیں کہ دو مت کہہ۔ دو مت جان دو مت پڑھ۔ بلکہ غلام مبتدی کو اپنے آقا یعنی مرشد کامل میں محو جان کہ اولاً تخلق باخلاق شیخ ہوتا ہے۔

(۳) اور پھر یہ سمجھو کہ یہ خواجہ یعنی مرشد کامل بھی خالق خواجہ یعنی اپنے خالق کے نور اور

تجلی میں فانی ہے اور میت ہے اور مدفون ہے۔ اس میں تاکید ہے کہ تخلق باخلاق شیخ کے بعد تخلق باخلاق اللہ کا مقام نصیب ہو جاتا ہے۔ اور تخلق باخلاق الرسول تخلق باخلاق اللہ ہی کے مفہوم میں آگیا۔ (کلید مثنوی دفتر ششم صفحہ ۱۸۳)

خدمت او خدمت حق کردن است روز دیدن دیدن آں روزن است

ترجمہ:۔ فانی فی الحق کی خدمت کرنا عین خدمت حق ہے۔ آفتاب دیکھنا اس دریچہ کا دیکھ لینا ہے اس میں مبتدا موخر خبر مقدم ہے یعنی اگر دریچۂ تابان از آفتاب کو دیکھ لیا تو گویا آفتاب کو دیکھ لیا۔

ما رمیت اذ رمیت احمد است دیدن او دیدن خالق شد است

ما رمیت اذ رمیت کے مصداق احمد صلے اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں جس سے عینیت مصطلحہ معلوم ہوئی۔ پس آپ کا دیکھنا من وجہ خالق کا دیکھنا ہے۔

اطاعت رسول عین اطاعت حق ہے

قال اللہ تعالیٰ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے بیشک اللہ کی اطاعت کی۔ خلاصہ یہ کہ جو بندہ مقبول حق تعالیٰ کے نور سے منور ہے اور اس نور حقیقی سے تعلق رکھتا ہے اس کا دیکھ لینا بعض اعتبارات سے حضرت حق کا دیکھ لینا ہے کیونکہ ہر مَظہر ظاہر کے لئے مُظہر ہوتا ہے۔ اور یہ حکم تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے عام ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو اس عموم کے ساتھ ایک خصوصی شرف حاصل ہے وہ یہ کہ تمام خلائق کے لئے آپ خود واسطۂ فیض الٰہی ہیں آپ کے لئے کوئی بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اول ما خلق اللہ نوری حق تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا ہے۔ پس آپ مرکز الخلائق بھی ہیں اور مرکز نبوت ومرکز رسالت بھی ہیں۔ اسی اعتبار سے آپ کو رحمۃ للعالمین فرمایا ہے۔ کیونکہ واسطۂ

رحمت وہی ہوسکتا ہے جو سب سے افضل واقرب واحب ہو۔ (از کلید مثنوی جلد ۶ ص ۱۵)

ارواح عارفین کی عظمت وجلالت شان

عارفین کی عظمت وجلالت شان کی وضاحت کے لئے حضرت عارف رومیؒ نے ایک قصہ بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ دریائی گائے یا بیل دریا سے گوہر نکال کر لاتا ہے اور سبزہ زار میں اس کو رکھتا ہے اور اس کی روشنی کی مدد سے رات کو اس کے گرد چرتا ہے۔ نور گوہر کی شعاع میں وہ دریائی گاؤ سنبل اور سوسن وغیرہ جلدی جلدی چرتا ہے۔ اس گاؤ آبی کا پس افگندہ یعنی پائخانہ عنبر ہوتا ہے کیونکہ اس کی غذا نرگس اور نیلوفر وغیرہ لطیف اور خوشبودار نباتات ہیں (یہ ایک مشہور قول ہے اور اس میں اختلاف ہے) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ جب گائے بکری کا خوشبو کھانا سبب ہوتا ہے خوشبو حاصل ہونے کا تو جس کی روحانی غذا ذکر وطاعت کے انوار جلال ہوں اس کے لبوں سے کیوں کر نہ سحر حلال یعنی کلام موثر پیدا ہوگا۔

ہر کہ باشد قوت او نور جلال   چوں نزاید از لبش سحر حلال

(کلید مثنوی دفتر ششم ص ۱۲)

جس کی غذا نور جلال ہو۔ کیونکہ اس کے لبوں سے سحر حلال پیدا نہ ہوگا۔

الغرض جب سبزہ زار میں رات کو وہ دریائی گاؤ اس گوہر کے نور میں اس کے گرد چرتا رہتا ہے تو تاجر جو موتی کی تلاش میں وہاں جاتا ہے۔ اس گوہر پر سیاہ کیچڑ رکھ دیتا ہے تاکہ وہ روشنی جو اس گوہر سے پیدا ہو رہی تھی ختم ہو جائے اور سبزہ گاہ تاریک ہو جائے۔ اور کیچڑ رکھتے ہی وہ تاجر فوراً درخت پر بھاگ جاتا ہے اور وہ دریائی گاؤ اس کو مضبوط سینگ لئے ہوئے ڈھونڈھتا ہے چند بار وہ گاؤ دریائی اس چراہ گاہ کے اطراف میں پھرتا ہے تاکہ اس مخالف تاجر کو سینگ میں لپیٹ کر ہلاک کر دے مگر وہ درخت پر ماموں بیٹھا رہتا ہے پس جب وہ گاؤ نر اس سے ناامید

ہو جاتا ہے تو وہاں آتا ہے جہاں اس لئے موتی رکھا تھا مگر وہاں آ کر کیچڑ دیکھتا ہے جو دُرِ شہوار کے اوپر اس تاجر نے رکھدیا تھا پس کیچڑ دیکھ کر وہ گاؤ دریائی بھاگ جاتا ہے اور تاجر اطمینان سے اس کو لیکر چلدیتا ہے۔ اب حضرت عارف رومیؒ ایک حکایت سے ایک عجیب عبرت کی بات بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کے خاکی پتلے سے متنفر ہو کر بھاگا اور نہ دیکھا کہ اس خاک میں وہ دُرِ شاہوار مخفی ہے جو خلیفۃ اللہ فی الارض کا مصداق ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں

خواجہ را از چشم ابلیس لعین	منگر و نسبت مکن او را بطین
خواجہ را جاں بین مبین جسم گران	مغز بین او را مبینش استخواں
خواجہ را کو در گذشت ست از اسیر	جنس ویں موشان تاریکی مگیر

(کلید مثنوی دفتر ششم ص۱۰۱)

ترجمہ:۔ (۱) مولانا فرماتے ہیں کہ اس مرشد کامل کو جان سمجھ جسم ثقیل مت سمجھ یعنی محض اس کی ظاہری بشریت جسد خاکی پر نگاہ مت کر بلکہ اس کے خاکی جسد میں جو اس کی عارف روح پنہاں ہے۔ اس حیثیت روحیہ متصفہ بالکمال پر نظر کر اوصاف جسمیہ مشترکہ کو مت دیکھ اس کا مغز دیکھ اس کی ہڈی مت دیکھ۔

شیخ کامل کو چشم ابلیس لعین سے مت دیکھو

(۲) اس خواجہ کو یعنی شیخ کامل کو چشم ابلیس لعین سے مت دیکھ اور اس کو صرف طین کی طرف منسوب مت کر ورنہ محرومی کا وہی حال ہوگا جو اس دریائی گاؤ کا حال ہوا یعنی جس طرح موتی پر کیچڑ دیکھکر وہ موتی ہی سے بھاگ جاتا ہے اور گوہر ہاتھ سے نکل جاتا ہے اسی طرح اگر تم اہل اللہ کے صرف ظاہری جسد عنصری پر نگاہ رکھو گے تو ان کی عارف روح جو مثل گوہر شاہوار کے ہے۔ اس سے بے خبر اور محروم فیض رہو گے۔ چنانچہ ابلیس لعین کی مردودیت کا یہی سبب ہوا تھا کہ اس نے حضرت

آدم علیہ السلام کو صرف طین یعنی مٹی کی طرف منسوب کیا اور آپ کی روح جو مصاحب حق تھی اس کے انوار و تجلیات سے بے خبر تھا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے کو حضرت آدم علیہ السلام سے افضل سمجھ گیا اور اس درجہ تکبر بڑھا کہ حق تعالیٰ پر اعتراض شروع کر دیا کہ آپ افضل کو مفضول کیلئے سجدہ کا حکم فرماتے ہیں۔

ابلیس کے اندر محبت کا مادہ نہ تھا ابلیس میں محبت کا مادہ نہ تھا ورنہ اعتراض کے وبال میں نہ مبتلا ہوتا۔

(۳۳) مولانا فرماتے ہیں کہ اہل اللہ مصاحب خورشید ہیں۔ پاسبان آفتاب اند اولیا، اولیاء اللہ آفتاب حق کے جلیس ہیں کما قال صلی اللہ علیہ وسلم انا جلیس من ذکرنی میں اپنے ذاکر بندے کا جلیس ہوں اور اہل اللہ کا ظاہر و باطن دونوں ذاکر ہوتا ہے یعنی ان کے جوارح بھی ذاکر حق ہوتے ہیں اور ان کا قلب بھی ہر وقت حق تعالے کی یاد میں مشغول ہوتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب رح کا ارشاد حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی دادا پیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار ہمارے مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میاں اشرف علی جب میں لوگوں سے باتیں کرتا ہوتا ہوں تو اس وقت بھی میرے قلب کی طرف استفاضہ کے لئے متوجہ رہا کرو۔ یہ نہ سمجھنا کہ جب میں لوگوں سے باتیں کرتا ہوتا ہوں تو میرا دل بھی غافل ہو جاتا ہے لوگوں سے گفتگو کے وقت بھی میرا دل حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوتا ہے۔

اولیاء اللہ کا مقام اسی کو مولانا فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے اجسام تو اس عالم میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں مگر ان کی ارواح پاک عالم قدس سے متصل ہوتی ہیں اور اس اتصال سے دوسرے لوگ بے خبر رہتے ہیں۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس ؎ ہست رب الناس را با جان ناس

تو اس معیت حق کے ہوتے ہوئے ان کو موشان تاریکی کی جلس سے مرت سمجھو جن کی روحیں صرف چاہ دنیا میں لذات دنیا کے ساتھ مشغول ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

نفس تو تا مست در نقل و نبید ۔ دانکہ روحت خوشۂ غیبی ندید

ترجمہ :- تیرا نفس جب تک نقل و نبیذ یعنی شراب و کباب میں مست ہے تو تو یقین کرلے کہ تیری روح نے ابھی خوشۂ غیبی نہیں دیکھا ہے یعنی عالم غیب کے فیوض و برکات اور انوار و تجلیات سے تیری روح ناآشنا و بے خبر ہے۔ برعکس اہل اللہ کے کہ دنیائے مردار سے فارغ ہیں۔ ان کے قلوب دنیا کی محبت سے فارغ ہیں حضرت مولانا رومی رح روح عارف باللہ کی طرف سے حکایۃً بیان فرماتے ہیں

باز سلطانم گشم نیکو پیم ۔ فارغ از مرادرم و کرگس نیم

ترجمہ :- میں باز شاہی ہوں یعنی میری روح قرب شاہ سے مشرف ہے اس لئے میری نگاہ مردار خوری سے بے پرواہ ہے کیونکہ میری وہ صفات اور رذائل جو مردار خوری کی طرف مائل کرتے تھے اب اخلاق الٰہیہ سے متبدل ہو گئے ہیں جس کے سبب اب میرا حال یہ ہے۔

چوں بمردم از حواس بوالبشر ؛ حق مراشد سمع و ادراک بصر

نور او در یمین و یسیر و تحت و فوق ؛ بر سر و بر گردنم مانند طوق

ترجمہ :- جب میں نے اپنے اخلاق رذیلہ کو مرشد کامل کے فیض صحبت سے فنا کردیا تو اب حق تعالیٰ کے نور سے میں سنتا ہوں اور حق تعالیٰ کے نور سے میں دیکھتا ہوں حق تعالیٰ کا نور اپنے داہنے بائیں اوپر نیچے دیکھتا ہوں میرے سر اور گردن میں نور حق مانند طوق ہے۔

آفتابے دید او جامد نماند ؛ روغن گل روغن کنجد نماند

عارفین کی روحوں نے آفتاب حق دیکھ لیا ہے پس وہ جامد نہ رہے یعنی معیت حق کی برکت سے وہ اپنے رذائل کا فضائل کی طرف امالہ کر چکے ہیں جب تل کے تیل نے گلاب کے پھول کی معیت اور صحبت سے گلاب کی خوشبو کو اپنے اندر جذب کر لیا تو اب وہ تل کا تیل نہ رہا روغنِ گل ہو گیا اس کو اب تل کا تیل کہنا گستاخی اور بے ادبی ہے

کیست ابدال آنکہ او مبدل شود ؛ خمرش از تبدیل یزداں خل شود

ابدال کی تعریف پس جب اولیاء اللہ باعتبار اپنے اوصاف کے مبدل ہو گئے یعنی ان کے اخلاق رذیلہ تبدیل یزدان سے اخلاق حمیدہ سے بدل گئے تو اب ان کو کہا جائے گا کہ عام خلایق سے نہ رہے۔

پیش ایں خورشید کے تابد ہلال ؛ باچناں رستم چہ باشد زور زال

ترجمہ :۔ اس خورشید کے سامنے ہلال کب روشن ہو سکتا ہے ایسے رستم کے سامنے کیا ہو سکتا ہے زور زال کا یعنی

عبدیت روح عارف عظمت الٰہیہ کے سامنے حق تعالیٰ شانہ کے قرب اور عظمت کے سامنے عارف کی روح کب انانیت کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ ایک چراغ آفتاب کے نور کے سامنے کب اپنی ہستی پر نظر کر سکتا ہے۔ ہمارے خواجہ صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے ؛ وہ ہم کو بھری بزم میں تنہا نظر آئے (مجذوب)

ایسی قوی اور قادر مطلق ذات کے سامنے عارف کی روح کب اپنی ضعیف اور فانی قوت پر نظر کر سکتی ہے یہی راز ہے کہ الفانی لا یرد جب بندہ مقرب اور مقبول ہو جاتا ہے تو واپس نہیں کیا جاتا۔ جس طرح کوئی بالغ نابالغ نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ طریق میں چل کر گمراہ ہو گئے وہ غیر واصل تھے اور غیر عارف تھے۔ انانیت اور خود بینی کا مرض قلت معرفت کے سبب سے پیدا ہوتا ہے۔ عارفین میں غلبۂ عبودیت اور فنائیت کامل کے

جو آثار ظاہر ہوتے ہیں اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے اللہ کی عظمت کو پہچان لیا ہے کثرت ذکر و طاعت کے انوار میں ان کے قلوب نے اپنی عبدیت اور خواری اور حق تعالیٰ کی کبریائی کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ اور قاعدہ کلیہ ہے کہ تعرف الاشیاء باضدادہا ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے جب عظمت الٰہیہ کی پہچان ہو گئی تو اپنی بیچارگی اور بندگی خود بخود منکشف ہو گئی مثلاً ایک ادنیٰ چوکیدار گاؤں میں تو ناز سے چلتا ہے لیکن عین اسی ناز اور تبختر کی حالت میں اگر کپتان سامنے آکر کھڑا ہو جائے تو سب ناز و شوکت بھول جاتی ہے اب تو حواس بھی بجا نہیں رہ سکتے۔ (عشقہ برانداز) حضور حضور کرنے لگتا ہے۔ کپتان کی عظمت و شوکت کے سامنے اپنی ہستی اور صفات ہستی کو بھول جاتا ہے۔ یہ ایک ادنیٰ مثال ہے جب ایک بندہ دوسرے بندے کے سامنے اس طرح دب جاتا ہے اور مٹ جاتا ہے تو پھر اللہ تو اللہ ہے۔

نیست کس را زہرۂ چون و چرا ⁂ ہست سلطانی مسلّم مر ورا (عارف رومی)

کسی کا پتہ نہیں ہے کہ ان کی عظمت و کبریائی کے سامنے چون و چرا کر سکے خاص کر انھیں کے لئے ہر طرح سلطانی مسلّم ہے۔

بادشاہی زیبد آن خلاق را ⁂ بادشاہان جملگی عاجز ورا

اسی خلاق عالم کے لئے بادشاہی زیبا ہے۔ تمام سلاطین دنیا اس احکم الحاکمین کے سامنے دست بستہ عاجز غلام ہیں۔

جس طرح اونٹ جب تک پہاڑ تلے نہیں گذرتا اس وقت تک اس کا ناز ہمچو من دیگرے نیست کا نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح غیر عارفین بندوں کے ناز و پندار کا دعوے اور خود بینی کا مرض اسی وقت تک ہے جب تک میاں کو نہیں پہچانتا ہے ابھی اندھیرے میں ہے اس لئے صرف اپنے کو دیکھتا ہے اور یہ دیکھنا بھی نگاہ جہل سے ہوتا ہے اور اگر نگاہ بصیرت سے اپنے کو دیکھ لے تب بھی حق تعالیٰ کو پہچان لے کہ ایک قطرۂ آب منی

میں کسی ذاتِ پاک نے ایسا عجیب و غریب تصرف فرما کر اس کو انسانی قالب میں کر دیا۔ ذالکم اللہ ربکم یہ کیا تمہارا رب ہے دیکھتے نہیں اندھے ہو اپنے وجود کو دیکھ کر کیوں نہیں اللہ کو پہچان لیتے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے حواس غیر اللہ میں مشغول ہیں اس لئے باطنی ادراک سے بے خبر ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

اپنے باطن میں راہ پیدا کر لو

راہ کن اندر بواطن خویش را ٭ دور کن ادراک غیر اندیش را (کلید مثنوی ۶۷)

مولانا فرماتے ہیں کہ اپنے باطن میں راستہ پیدا کر لے اور اس ادراک کو دور کر دے جو غیر کا تصور کرنے والا ہے۔

کیمیا داری دوائے پوست کن ٭ دشمناں را زیں صناعت دوست کن

تو اپنے پاس کیمیا رکھتا ہے یعنی عشق الٰہی کی نعمت جو تیرے پاس ہے اس میں خاصیت تبدیل اخلاق ذمیمہ کی ہے پس تو پوست یعنی جسم اور اس کی شہوات کی دوا اس کیمیا سے کر تاکہ اخلاق رذیلہ اخلاق حمیدہ سے بدل جائیں۔ اور دشمنوں کو یعنی نفس و شیطان کو اس صناعت یعنی کیمیائے مذکور سے دوست کر لے تاکہ تیرا نفس امارہ نفس مطمئنہ ہو جائے اور شیطان مشابہ دوست کے ہو جائے عدم ضلال میں دلا ستثناء ہ المخلصین من الاغوار)

چوں شدی زیبا بداں زیبا رسی ٭ کہ رہاند روح را از بیکسی

جب تیرے اخلاق رذیلہ شیخ کامل کی اصلاح سے اخلاق حمیدہ سے بدل جائیں گے تو جمیل ہو جائے گا اور جب جمیل ہو جاوے گا تو اس جمیل حقیقی تک پہنچ جاوے گا لانہ جمیلٌ یحب الجمال اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ شانہ جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ ایسے جمیل ہیں کہ روح کو بیکسی سے چھڑا دیتے ہیں یعنی اپنی معیت نصیب فرما دیتے ہیں بخلاف محبوبان دنیا کے کہ اپنے محبین سے اعراض اور کنارہ۔

اختیار کرتے ہیں۔

نے ہمہ ملک جہان دوں دہد ؛ صد ہزاراں ملک گوناگوں دہد

یہی نہیں کہ وہ کل دنیا ردنی ہی کا ملک دیتے ہیں کیونکہ یہ تو متاع قلیل ہے۔ بلکہ لاکھوں ملک گوناگوں دیتے ہیں کہ وہ خیر کثیر ہے یعنی معرفت و محبت کی دولت عطا فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنیکا طریقہ

محبت پر ایک واقعہ یاد آیا جس کو ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا پیلی بھیت کے ایک بزرگ مولانا شیر محمد صاحبؒ کانپور تشریف لائے تھے۔ ہمارے حضرت ان کی خدمت میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ حضرت حق تعالیٰ کی محبت کیسے پیدا ہوتی ہے۔ اُن بزرگ نے فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو ملو کچھ دیر کے بعد فرمایا ابھی اور ملو کچھ دیر کے بعد پھر فرمایا ابھی اور ملو پھر دریافت فرمایا کہ اس رگڑ سے کچھ گرمی پیدا ہوئی حضرت نے فرمایا جی ہاں تو ارشاد فرمایا اسی طرح کثرت ذکر اور تکرار ذکر کی رگڑ سے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے کام میں لگا رہنا ہی ایک دن مقصود تک پہنچا دیتا ہے ۱۲ شروع میں خواہ کچھ ترقی نہ معلوم ہو کچھ نفع نہ معلوم ہو لیکن یقین رکھے کہ نفع ہو رہا ہے عدم احساس عدم نفع کو مستلزم نہیں۔ بچہ ہر روز نشو و نما میں کچھ نہ کچھ ترقی کرتا ہے لیکن اس کی یومیہ بڑھتری کا احساس نہ خود اس بچہ کو ہوتا ہے اور نہ دوسروں کو ہوتا ہے مگر ایک معتد بہ مدت کے بعد اس کی ترقی و نشو و نما آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے یہی حال باطنی ترقی کا ہے ہر روز کا نفع نہیں محسوس ہوتا۔ کچھ دن کے بعد پھر اپنے اندر طاعات کی طرف رغبت اور معاصی سے نفرت محسوس ہونے لگتی ہے اسی کا نام ترقی باطنی ہے انسان کا اپنے ظاہر اور باطن کو شریعت کے مطابق بنانے کی فکر میں لگ جانا ہی اصل ترقی اور

کامیابی ہے کیونکہ کامیابی اور ترقی کا مدار اتباع سنت پر ہے جو امر اختیاری ہے

کشف و کرامت و وجد و استغراق و رقص کی حقیقت

باقی کشف و کرامت و حال اور وجد و رقص و استغراق ہوا پر اڑنا پانی پر چلنا وغیرہ کو رضا حق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ امور مذکورہ امور غیر اختیاریہ ہیں اور بندہ غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں نیز یہ حالات جوگیوں کو بھی اور فاسق فاجر نقلی فقیروں کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ قبور کا عذاب کبھی جانوروں پر بھی منکشف ہوتا ہے، ہوا پر کبھی بھی اڑتی ہے۔ پانی پر تنکا بھی تیرتا ہے ان باتوں کو بندگی سے کیا تعلق. بندوں سے اطاعت اور بندگی کا مطالبہ ہے اور بندگی کا وہی نمونہ پسندیدہ ہے جو حضور صلعم نے ہمیں سکھایا ہے اپنی تمام حرکات و سکنات کو اور جذبات و کیفیات کو حضور صلعم کے نقش قدم کے تابع کر دینے ہی کا نام سچی غلامی اور سچی بندگی ہے اور یہی بندگی مقبول بندگی ہے اتباع سنت کے ساتھ اگر کشف و کرامت وجد اور استغراق اور احوال بھی کسی کو عطا ہو جاویں تو وہ بھی اتباع سنت کی برکت سے محمود ہیں مقصود نہیں اور اگر کوئی کسی ایک عمل میں بھی سنت کے خلاف اپنی ایجاد کردہ اختراعی راہ و رسم کا پابند اور غلام ہے تو وہ باوجود صد کشف و کرامت اور رقص و استغراق کے نامقبول ہے کیونکہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ہمارے رسول آپ لوگوں سے فرما دیں کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بننا چاہتے ہو فاتبعونی یحببکم اللہ تو تم لوگ میری اتباع کرو میری اتباع کے صدقے میں حق تعالیٰ تمہیں محبوب بنالیں گے. کیونکہ میری شان عبدیت اور میرا طرز بندگی حق تعالیٰ کے نزدیک تمام خلایق کی عبدیت سے احب اور افضل ہے پس میرے نقش قدم پر اگر تم بھی چلو گے تو اس اتباع کی برکت سے تمہاری عبدیت اور غلامی دوسری امتوں سے عنداللہ احب اور افضل ہو جائے گی اور تم خیر الامم اسی

سبب سے ہو کہ تمہارا رسول بھی تو سید المرسلین ہے۔ رسول کی سیادت کی رعایت سے اِن کے غلاموں کو بھی سیادت کا شرف عطا فرما دیا گیا۔

گنہگارم ولیکن خوش نصیبم — بریں نازم کہ ہستم امت تو

حضور صلعم کا اسوۂ حسنہ کیسے معلوم ہو؟

اگر مسلمان اپنے ہر قول اور ہر فعل میں اپنی ہر خوشی اور ہر غمی میں پیدائش سے لیکر موت تک کی تمام رسموں میں اس بات کا لحاظ رکھے کہ ہمارے حضور صلعم نے اس موقع پر کیا حکم فرمایا ہے۔ اس سوال پر علماء حق سے جو اُن کو جواب ملے اس پر عمل کریں اور خاندان اور برادری سے بے خوف ہو کر حضور صلعم کی تعلیمات پر عمل کریں تو انشاء اللہ تمام گمراہیوں سے اور جاہلانہ رسومات سے محفوظ ہو جائیں۔ اردو میں ایسی کتابیں بھی علماء ربانیین کی موجود ہیں جنکو دیکھکر ہر عمل میں سنت کا طریقہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ان کتابوں میں بہشتی زیور، تعلیم الدین، فروع الایمان، اغلاط العوام، حیاۃ المسلمین، اصلاح الرسوم۔ قصد السبیل یہ چند کتابیں ایسی ہیں جن کے مطالعہ سے بقدر ضرورت دین حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے وہ سچّا دین ملتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ و تابعینؒ کے اندر موجود تھا۔ بعد کو جاہل فقیروں نے دین کے اندر جو بے سند جاہلانہ رسمیں داخل کر دی ہیں ان کے متعلق صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ یہ فعل سنت کے مطابق ہے اور یہ فعل بالکل بے سند اور بے ثبوت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جوں جوں زمانۂ نبوت سے بعد ہوتا جاوے گا دین کے اندر نئی نئی باتیں لوگ داخل کر لیں گے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ علماء باعمل سے پوچھ پوچھ کر عمل کریں شریعت کے جتنے احکام ظاہری ہیں ان کا علم حاصل کر کے اپنے ظاہری افعال اور ظاہری صورت اور وضع کو درست کریں اور جتنے احکام باطنی ہیں مثل تواضع شکر

رضا بالقضا، صبر۔ اخلاص ان کو کسی اللہ والے مخلص بندے سے حاصل کریں۔
الرحمٰن فاسئل بہ خبیرا رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو یہ باخبر دین کی حقیقی
روح یعنی اخلاص فی العمل کا طریقہ سکھائیں گے حضرت عارفؒ فرماتے ہیں کہ

شیخ نورانی ز رہ آگہ کند   نور را بالفظہا ہمراہ کند

نورانی شیخ راستے سے آگاہ کرتا ہے اور اپنے قلب کے نور کو اپنے الفاظ کے ہمراہ کر دیتا
ہے۔ ان باخبر بندوں کی باتوں میں اسی وجہ سے اثر بھی زیادہ ہوتا ہے کہ وہ فانی یعنی
مٹے ہوتے ہیں جو علوم اور فیوض ان کی زبان سے جاری ہوتے ہیں وہ صاف اور
خالص انوار لئے ہوتے ہیں برعکس جس کے نفس میں فنائیت ناقص ہوتی ہے اس کے
الفاظ کے انوار بھی اس قدر ظلمات نفسانیہ سے مخلوط ہو جاتے ہیں۔

اللہ والوں کی باتوں میں اثر ہونے کی وجہ

اللہ والوں کی باتوں میں اثر ہونے کا سبب
یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں دیکھ کر
کہتے ہیں کیونکہ خود راستہ قطع کر چکے ہیں اس لئے ان کے یقین کا اثر ان کی گفتگو میں ہوتا
ہے۔ غیر محقق اور محقق پیر میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص تو خود
امریکہ ہو آنے کے بعد وہاں کے حالات اور اس کے راستوں سے کسی کو آگاہ کرے اور دوسرا
شخص نقشہ اور جغرافیہ کی مدد سے کسی کو راستہ بتاتا ہے تو پہلے شخص کے لب و لہجہ سے اور
اس کی گفتگو سے مخاطب کے دل میں جو ایک اطمینانی کیفیت محسوس ہوگی وہ دوسرے
شخص کی لمبی چوڑی تحقیقات اور طویل تقریر سے ہرگز نہ حاصل ہوگی اس شخص کے
لب و لہجے اور انداز گفتگو سے مخاطب تاڑ لے گا کہ یہ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ جب تک
میں نے حج نہیں کیا تھا اس سے پہلے کتاب الحج طالب علموں کو پڑھائی بھی لیکن نہ
استاد سمجھے نہ شاگرد۔ بس عبارت کا ترجمہ کرا دیا جاتا ہے۔

اللہ والوں کی باتوں میں اثر ہونے کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنا دکھ بیان کرتے

ہیں یعنی جو کچھ محبت الٰہیہ کے مضامین بیان کرتے ہیں وہ اُن پر خود بیت چکے ہوتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ دُکھے ہوئے دل سے جو بات نکلتی ہے وہ دوسروں کو بغیر رلائے ہوئے نہیں رہ سکتی

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند ✿ از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

عام میخوانند ہر دم نام پاک ✿ ایں اثر نکند چوں نبود عشقناک

ترجمہ:۔ (۱) مولانا فرماتے ہیں کہ جب سے میری روح کو عالم امر سے جُدا فرما کر عالمِ ناسوت میں بھیجا ہے میرے درد فراق کے نالوں سے مرد و زن سب نالاں ہیں۔

(۲) عام لوگ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا نام پاک رٹتے ہیں لیکن اس کا کامل اثر اس لئے نہیں مرتب ہوتا ہے کہ اُن کی زبان سے وہ نام عشقناک ہو کر نہیں نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خواص اور مقبول بندے جب اللہ کا نام لیتے ہیں تو اس میں ان کی محبت کی حلاوت بھی شامل ہو جاتی ہے جس سے اُن پر خود بھی ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ان کی کیفیت دوسروں کو بھی باکیف کر دیتی ہے۔ محبت کی زبان ہی اور ہوتی ہے۔

گرچہ تفسیر زباں روشن تر است ✿ لیک عشق بے زباں روشن گر ست

گفتگوئے عاشقاں در کار رب ✿ جوشش عشق است نے ترک ادب

مولانا فرماتے ہیں کہ عاشقوں کی گفتگو حق تعالیٰ کی محبت میں کبھی بظاہر خلاف ادب معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس کا منشا جوشش عشق رب ہوتا ہے ترک ادب نہیں ہوتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانے کے ایک مجذوب کا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک مجذوب چرواہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت سے اسکا دل زخمی تھا۔

محبت کا زخم

بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا ✿ غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

(۱) عشق من پیدا و معشوقم نہاں ۔ یار بیرون فتنۂ او در جہاں
(۲) عشق آن شعلہ است کو چون بر فروخت ۔ ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
(۳) عاشقی پیداست از زاری دل ۔ نیست بیماری چو بیماری دل
(۴) نعرۂ مستانہ خوش می آیدم ۔ تا ابد جاناں چنیں می بایدم
(۵) غیر آن زنجیر زلف دلبرم ۔ گر دو صد زنجیر آری بر درم
(۶) عاشقم من بر فن دیوانگی ۔ سیرم از فرہنگ و از فرزانگی
(۷) دین من از عشق زندہ بودن است ۔ زندگی زین جان و سر ننگ من است
(۸) گر مرا صد بار تو گردن زنی ۔ ہمچو شمعم بر فروزم روشنی

(۱) میرا عشق تو ظاہر ہے مگر میرا محبوب پنہاں ہے۔ یار تو بیرون ہے لیکن تصرفات ان کے جہاں میں پھیلے ہیں (۲) عشق وہ شعلہ ہے کہ جب دل میں روشن ہوتا ہے تو ماسوا محبوب کو جلا دیتا ہے اور صرف عشق محبوب رہ جاتا ہے۔ (۳) عاشقی زاری دل سے پیدا ہوتی ہے دل کی بیماری جیسی کوئی بیماری نہیں ہے۔ مراد اس بیماری سے مرض عشق ہے کہ وہ دل ہی میں پیدا ہوتا ہے (۴) نعرۂ مستانہ مجھکو خوش آتا ہے ابد تک اے محبوب ایسا ہی چاہتا ہوں (۵) غیر اس زنجیر زلف دلبر کے اگر دو سو زنجیر لائے گا تو میری دیوانگی ان سب کو توڑ دے گی۔ یعنی مرض عشق کی برکت سے اب کثرت علائق فانیہ میرے لئے حجاب نہیں ہو سکتے ہیں عشق حق ماسوا حق میں مشغول نہیں ہونے دیتا۔ ایک قصہ یاد آیا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ کسی بے نمازی رئیس کا کوئی ملازم بہت دیندار تھا وہ مسجد میں حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول تھا اس کے آقا نے مسجد کے دروازے پر آواز دی کہ او فلاں یہاں آ۔ اس نے جواب دیا کہ ابھی آنے نہیں دیتے۔ اس نے غصہ سے کہا کون تجھکو باہر نہیں آنے دیتا اس ملازم نے جواب دیا کہ جو تجھکو اندر نہیں آنے دیتا۔

(۶) میں دیوانگی کے فن پر عاشق ہوں میں فرزانگی اور عقل کی باتوں سے سیر ہو چکا ہوں (۷) میرا دین عشق سے زندہ رہتا ہے اس جان و سر کے ساتھ زندگی میرے لیے تنگ ہے (۸) اے محبوب اگر تو صد بار میری گردن مارے تو میں شمع کی طرح روشنی اور ہی زیادہ کروں گا۔ چنانچہ جلتے ہوئے چراغ کی بتی اوپر سے جب کاٹ دی جاتی ہے تو روشنی اور بڑھ جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب حق تعالیٰ شہداء سے سوال فرمائیں گے کہ تم جنت میں کیا چاہتے ہو تو عرض کریں گے۔ میاں تمنا یہی ہے کہ احی ثم اقتل ثم احی ثم اقتل ثم اُحی ثم اقتل۔ تمنا یہ ہے کہ پھر سے زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر آپ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر آپ کی راہ میں قتل کیا جاؤں۔ بس یہی دور چاہتا ہوں۔

اقتلونی اقتلونی اے ثقات ان فی قتلی حیاۃً فی حیات

سر کے کٹنے کا مزہ یحییٰؑ سے پوچھ لطف تن چرنے کا ذکریاؑ سے پوچھ
سر کے رکھدینے کا نیچے تیغ کے لطف اس کا پوچھ اسمٰعیلؑ سے

الغرض اس چرواہے کا دل عشق حق سے مجروح تھا، زبان محبت سے جناب باری تعالیٰ میں عرض کر رہا تھا کہ اے کریم اور اے میرے معبود کہاں ہے۔ اے خداوند کریم اپنے ملنے کا پتہ اور کوئی نشان بتا تاکہ میں تیری نوکری کروں اور تیری گدڑی سیا کروں اور تیرے بالوں میں کنگھی کیا کروں۔ اور اگر کبھی تو بیمار ہو جاوے تو میں تیری غمخواری اس طرح کروں جیسے اپنا کوئی عزیز کرتا ہے۔ اگر میں آپ کا گھر دیکھ پاؤں تو صبح و شام اپنی بکریوں کا دودھ اور گھی پہنچایا کروں اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دوں اور آپ کے پاؤں دباؤں اور سونے کے وقت آپ کی خوابگاہ کی جھاڑو سے صفائی کر دیا کروں۔ اے میرے اللہ میاں آپ کے اوپر میری یہ تمام بکریاں قربان ہیں۔

اے فدائے ایں ہمہ بزہائے من　　　اے بیادت ہی وہی ہائے من

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس کی یہ مناجات اور سرگوشی حق تعالیٰ کے حضور میں سُنی تو فرمایا او بے ادب تو کافر ہو گیا دودھ تو وہ پیتا ہے جس کو نشو و نما کی حاجت ہو، گُدڑی وہ پہنتا ہے جو محتاج جسم ہوتا ہے۔

دوستی بے خرد چوں دشمنی ست　　　حق تعالیٰ زیں چنیں خدمت غنی است

بے عقل کی دوستی مثل دشمنی کے ہے حق تعالیٰ ایسی نادانی کی خدمت سے غنی ہے۔

اس چرواہے نے عرض کیا کہ۔

گفت اے موسیٰ دہانم دوختی　　　وز پشیمانی تو جانم سوختی

اے موسیٰ آپ نے میرا مُنہ سی دیا اور شرمندگی سے میری جان کو سوختہ کر دیا۔

جامہ را بدرید و آہے کرد تفت　　　سر نہاد اندر بیابان و برفت

اس چرواہے نے اپنا جامہ پھاڑ ڈالا غلبۂ حزن و غم اور ندامت سے ایک آہ کی اور جنگل کی طرف بھاگ گیا خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا　　　مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا　　　بندۂ ما را ز ما کردی جدا

تو برائے وصل کردن آمدی　　　یا برائے فصل کردن آمدی

تا توانی پا منہ اندر فراق　　　ابغض الاشیاء عندی الطلاق

ہر کسے را سیرتے بنہادہ ام　　　ہر یکے را اصطلاحے دادہ ام

در حق او مدح در حق تو ذم　　　در حق او شہد در حق تو سم

در حق او نور در حق تو نار　　　در حق او گل و در حق تو خار

ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ　　　وز گراں جانی و چالاکی ہمہ

ما بروں را ننگریم و قال را | ما دروں را بنگریم و حال را
ناظر قلبیم اگر خاشع بود | گرچہ گفت لفظ نا خاضع بود
موسیا آداب دانا دیگر اند | سوختہ جاں و رواناں دیگرند
گر خطا گوید ورا خاطی مگو | گر بود پر خون شہید اورا مشو
خون شہیداں را ز آب اولی تر است | ایں خطا از صد ثواب اولی تر است
تو ز سر مستاں کلا وزی مجو | جامہ چاکاں را چہ فرمائی رفو

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ نے میرے بندے کو مجھ سے جدا کر دیا، آپ کا کام بندوں کو حق تعالیٰ سے واصل کرنا ہے نہ کہ جدا کر دینا حتی الامکان فراق کے اندر قدم نہ رکھئے یعنی سبب فراق نہ بننا چاہیئے۔ ابغض مباحات میرے نزدیک طلاق ہے ہر شخص کو میں نے علیحدہ علیحدہ سیرتیں عطا فرمائیں ہیں، ہر ایک کے لئے الگ الگ اصطلاحیں فرما دی ہیں اس نادان چرواہے کے حق میں وہی کلمات میری تعریف میں تھے اور آپ کیلئے یعنی اہل عقل وعلم کے لئے وہ کلمات ناپسندیدہ اور مبغوض ہیں اس کے حق میں وہی کلمات محبت شہد کے حکم میں ہیں اور آپ کے حق میں زہر ہیں اس کے حق میں وہ کلمات نور ہیں آپ کے حق میں نار ہیں اس کے حق میں پھول ہیں آپ کے حق میں خار ہیں ہم بندوں کی تمام پاکی اور ناپاکی گراں جانی وچالاکی سے پاک ہیں، ہم ظاہری قیل وقال کو نہیں دیکھتے ہیں ہم تو دل کا حال اور اخلاص دیکھتے ہیں۔ قلب خاشع کا خشوع دیکھتے ہیں اگرچہ اس کے الفاظ نادانی اور غفلت سے ناخاضع ہوں، اے موسیٰ علیہ السلام دانا کے لئے آداب دوسرے ہیں اور جو میرے عشق میں سوختہ جان ہیں اُن کے لئے آداب دوسرے ہیں۔ اس سوختہ جان اور سرمست عشق حق کے اگرچہ الفاظ بظاہر بے ادبی کے ہیں لیکن منشا اس کا جوشش عشق ہے

ترک ادب نہیں ہے اس کو خاطی مت کہو شہید کا بدن اگرچہ خون سے لتھڑا ہو لیکن اسکو مت دھوؤ کیونکہ شہیدوں کا خون پاکی میں پانی سے بڑھا ہوا ہے پس اس سرمست اور سوختہ جان کی یہ خطا صد صواب ہے۔ بہتر ہے سرمستوں سے رہبری مت ڈھونڈو یعنی ان کو مقتدا نہ بناؤ کہ مجاذیب ارشاد کے کام سے معذور ہیں ان جامہ چاکوں پر رفو کا حکم نہ کرو کیونکہ غلبہ یاد حق سے ان کو التفات الی الخلق نہیں رہا۔

انبیاء علیہم السلام غالب علی الاحوال رہتے ہیں

لیکن انبیاء علیہم السلام کی شان دوسری ہوتی ہے ان کو اس درجہ قوی تعلق مع اللہ نصیب ہوتا ہے کہ وہ عین توجہ الی الخلق کی حالت میں بھی متوجہ الی الحق ہوتے ہیں التفات الی الخلق ان کاملین اور غالبین علی الاحوال کے لئے یاد حق سے حجاب نہیں ہوتا ۔ اسی طرح جو علماء ربانیین کہ ارشاد کا کام کرتے ہیں وہ بھی چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں تبلیغ کا کام انجام دیتے ہیں۔ اس لئے اکثر حالتوں میں یہ حضرات بھی فیض نبوت سے غالب علی الاحوال ہوتے ہیں اور حکمت اس میں یہ ہے کہ مغلوب الحال سے ہدایت اور رہبری کا کام نہیں لیا جا سکتا ۔ کیونکہ وہ خود جس حال میں مغلوب ہے، اسی حال میں دوسروں کو بھی مغلوب کر دیگا۔

مغلوب الحال مثل بچے کے ہو جاتا ہے

مغلوب الحال کی مثال حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اطفال سے دیا کرتے تھے یعنی جس طرح بچے باپ کی ڈاڑھی نوچ لیتے ہیں تو باپ کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا ۔ بلکہ باپ کو بچہ کا یہ شغل بھلا معلوم ہوتا ہے لیکن اگر کوئی بالغ اولاد اس بچے کی نقل شروع کر دے تو اس پر جوتے پڑ جاویں۔

مجذوب اور مغلوب الحال کی تقلید جائز نہیں

اسی وجہ سے مجذوب اور مغلوب الحال کی تقلید دوسروں کیلئے جائز نہیں ہے

کیونکہ وہ غلبۂ حالت سے معذور ہے اور دوسرا معذور نہیں - پس اس کے لئے اس حال کی تقلید پر مواخذہ ہوگا اور اس سے مواخذہ نہ ہوگا۔ عقل کے جس معیار پر احکام شریعت نافذ ہوتے ہیں اس معیار سے مغلوب الحال کی عقل مغلوب ہو کر نیچے اتر آتی ہے اس لئے اس حالت میں ان سے احیاناً بعض اقوال و افعال خلاف شرع صادر ہو جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ کے نزدیک وہ معذور ہیں لیکن اہل ہوی اور بوالہوس بزرگوں کی آڑ میں نفس پروری کا راستہ نکال لیتے ہیں اور علماء کی نکیر پر جواب دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ تو کرتے تھے۔ اس توضیح مذکور سے صاف ان کی گمراہی اور اس استدلال کا باطل ہونا ثابت ہو گیا۔ کسی بزرگ کا وہ قول اور وہ فعل جو شریعت کے خلاف ہو ہرگز قابل تقلید نہیں البتہ اگر اس وقت کے علماء ربانیین نے ان کو مغلوب الحال تسلیم کیا ہے تو ان پر نکیر نہ کریں گے ان کا معاملہ حق تعالیٰ کے حوالے کر دیا جاوے گا۔

مجذوب سالک کا چپراسی ہوتا ہے ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ مجذوب کس کو کہتے ہیں میں نے جواب دیا اور بے ساختہ نکل گیا کہ مجذوب سالک کا چپراسی ہوتا ہے۔ عوام بڑی غلط فہمی میں ہیں کہ مجذوبوں کو علماء ارشاد سے افضل سمجھتے ہیں۔ مجاذیب اس راہ کے نابالغ بچے ہیں، بالغین کی صف میں ان کو گذر کہاں ہے۔ علماء سالکین ربانیین رجال اللہ ہیں دین کا کام انھیں بالغین سے لیا جاتا ہے۔ حضرت ہمارے فرمایا کرتے تھے کہ

یار غالب علی الاحوال سے دین کا فائدہ ہوتا ہے مجذوب کی صحبت سے کچھ نفع نہیں ہوتا۔ بلکہ اندیشہ ضرر ہے اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

یار غالب جو کہ تا غالب شوی ؎ یار مغلوباں مشو ہیں اے غوی

مولانا فرماتے ہیں کہ اے شخص تو یار غالب علی الاحوال تلاش کرتا کہ اس کے فیض صحبت سے تو بھی غالب ہو جاوے یار مغلوباں کو مت تلاش کر اے گمراہ۔

حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ بھی مغلوب الحال ہو گئے تھے۔ بات یہ ہے کہ کثرت ذکر کے توسط سے مذکور کے انوار ذاکر میں چلے آتے ہیں جس سے کم و بیش ہر شخص پر کیفیات طاری ہوتی ہیں خصوصاً جبکہ وہ ذکر عشقناک بھی ہو تو بعض بندوں پر کوئی کیفیت ایسی قوت سے طاری ہو جاتی ہے جس کا تحمل اس کی قوت متحملہ سے باہر ہوتا ہے۔ پس غلبۂ حال میں کچھ بول جاتا ہے۔ درحقیقت اس وقت حضرت منصورؒ انا الحق کے ناقل تھے قائل نہ تھے کیونکہ مغلوب الحال غلبۂ حالت میں از ہوش رفتہ ہو جاتا ہے اور جب عقل نہیں تو مواخذہ نہیں اس وقت زبان تو اس کی ہوتی ہے مگر بولنے والا کوئی اور ہوتا ہے۔

حضرت منصورؒ اور علماء وقت

اسوقت کے علماء نے حضرت منصورؒ پر کفر کا فتویٰ نہیں صادر کیا تھا یہ بالکل غلط مشہور ہے ہمارے حضرت مرشد پاکؒ نے یہ تحقیق مثنوی شریف کے ایک شعر سے اخذ فرمائی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

چوں قلم در دست غدارے رسید ؛ لاجرم منصور بر دارے رسید

بات یہ ہے کہ وزیر کو حضرت منصورؒ سے عداوت ہو گئی تھی اس نے ایک فرضی استفتار علماء کے پاس بھیجا چونکہ علماء کے ذمہ تحقیق حال نہیں ہے جو کچھ اس استفتار پر عداوت میں مضمون لکھدیا تھا اس کے مطابق علماء نے فتویٰ دیدیا۔ علماء کو کیا معلوم کہ کس کے لئے یہ استفتار طلب کیا گیا تھا۔

اللہ والوں کی پہچان کی چوتھی صفت

الغرض وہ باخبر بندے جن کی صفات کا ذکر چل رہا تھا۔ ان کی اب ایک خاص شان حق تعالیٰ بیان فرماتے ہیں جس کی قدر اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ

اس کے پہلے کی بیان فرمودہ ان کی صفتوں کا استحضار ہو اس لئے اس استحضار کی غرض سے اجمالاً ان صفات کا پھر ذکر کرتا ہوں یعنی یہ باخبر بندے جب زمین پر چلتے ہیں تو اپنی چال میں نگاہ رکھتے ہیں کہ وہ ہون اور وہ ذلت اور عبودیت جو میاں نے ہمارے لئے پسند فرمائی ہے وہ ہماری چال میں موجود ہے یا نفس کے حوالے ہوگئی اس طرح جب ان کو کوئی جاہل چھیڑتا ہے تو وہ سلامتی کے ساتھ جلدی سے رفع شر کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں تاکہ ہون کی نعمت جو اپنی چال میں لئے ہوئے ہیں کہیں جاہل کی چھیڑ کے حوالے نہ ہو جائے۔

بندوں کے ساتھ معاملات میں اُن کی شان عبودیت کا یہ عالم ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ تو پھر کیا کہنا؟

پھر جب بندوں کے ساتھ ان کی شان عبدیت کا یہ عالم ہے جو کہ معین فی المقصود ہے تو اصل مقصود یعنی عبدیت مع الحق میں ان کی سرگرمی کو کیا پوچھتے ہو رات کی رات سجدہ اور قیام میں گذار دیتے ہیں۔

یبیتون لربھم سجدا وقیاما۔ ان باخبر بندوں کی منجملہ اور علامات مذکورہ کے ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں۔

ان صفات وعلامات مذکورہ کے بعد اب حق تعالیٰ اپنے باخبر بندوں کی ایک بہت رفیع حالت بیان فرماتے ہیں وہ یہ کہ ان محاسن اور کمالات کے باوجود یہ بندے میری کبریائی وعظمت کے سامنے اپنے کو کیا سمجھتے ہیں جو کچھ یہ اپنے کو سمجھتے ہیں یہی ان کی سمجھ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ رحمٰن کی شان سے باخبر ہیں کیونکہ بے خبر تو اپنی عبادات اور تعریف سے خود بینی اور ناز میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی نظر صرف اپنے اوپر ہے اس لئے اپنے ہی اوپر نگاہ چلی جاتی ہے اور

بتلا نخوت و کبر ہو جاتا ہے اور جو با خبر ہے وہ اپنے اعمال حسنہ پر ہماری عظمت و کبریائی کی حیثیت سے نگاہ ڈالتا ہے اور شرمندہ ہو جاتا ہے کہ میاں آپ کے دربار کے شایان شان میری غلامی تو عین گستاخی معلوم ہوتی ہے جس اخلاص اور استحضار عظمت کے ساتھ عبادت کرنی چاہئے تھی ویسی تو نہ ہو سکی بے خبر بھلا کیا جانے کہ اخلاص اور استحضار عظمت کس چڑیا کا نام ہے تو حق تعالیٰ اپنے باخبر بندوں کی اس رفیع علامت سے مطلع فرما رہے ہیں تاکہ ہم کسی بے خبر کے پالے نہ پڑ جائیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ؛ پس بہر دستے نباید داد دست

اے لوگو بہت سے ابلیس صفات انسان آدمی کی شکل میں ہیں پس ہر شخص کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ مت دینا یعنی ان کو مقتدا نہ بنا لینا۔

وہ رفیع علامت یہ ہے کہ وہ ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں اور یہی ڈر ان کی ولایت کی نشانی ہے اگر یہ ڈر ختم ہو جاوے تو اسی وقت ولایت بھی ختم ہو جائے کیونکہ ولایت ایمان اور تقویٰ کے مجموعہ کا نام ہے اور لفظ تقوی ایسا جامع لفظ ہے جو تمام احکام کی بجا آوری اور معاصی سے پرہیز کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے اولیاء اللہ کی تعریف الذین اٰمنوا وکانوا یتقون سے منصوص ہے یعنی اولیا وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں یتقون صیغہ مضارع ہے جس میں خاصیت تجدد استمرار کی ہے پس ترجمہ یہی ہوگا کہ ڈرتے رہتے ہیں یعنی اس ڈر سے کبھی خالی نہیں ہوتے البتہ جب چل چلاؤ کا وقت ہوگا تو ان کو بشارت دی جائیگی کہ دنیا میں بہت ڈر چکے اتنا ڈرتے تھے کہ گوشہ چشم سے بھی تو بری جگہ نظر نہیں ڈالی اب تمہارا یہ ڈر ہزاروں امن کی بشارت سے مشرف ہوگا اب کان میں چپکے سے میاں کہلوائیں گے لاتخافوا ولاتحزنوا اب مت ڈرو اب چل چلاؤ کا وقت ہے اب ڈر کا عالم بدل گیا اب دوسرا عالم شروع ہو رہا ہے بہت ڈر چکے اب کچھ اندیشہ مت کرو۔

اور نہ غمگین ہو اور دیکھو یہ تمھاری جنت ہے اس کو دیکھ کر خوش ہو جاؤ۔

یہ لا تخافوا کہ اب مت ڈرو دلیل ہے اس بات پر کہ مرتے دم تک یہ ڈرتے رہے۔ کسی بے خوف سے یہ نہیں کہا جاتا کہ تم ڈرو مت اور مرتے دم تک ڈرتے رہنے کا حکم ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین اپنے رب کی غلامی میں لگے رہو یہاں تک کہ وہ یقینی امر یعنی موت آجاوے۔ باخبر بندے مرنے سے پہلے بے خوف نہیں ہوتے۔ وہ بے خبر ہوتے ہیں جو خوف خاتمہ کے ہوتے ہوئے اپنے اعمال پر ناز کر کے بے خوف ہو جاتے ہیں فیصلہ تو میاں کے ہاتھ میں ہے اور یہ بے خبر خود ہی اپنا فیصلہ کر کے اس پر نازاں ہے کیا جہل اور بے وقوفی ہے یہ خود بینی ہی اس کی بے خبری کی دلیل ہے جو باخبر بندے ہوتے ہیں ان کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ ہر وقت ترساں و لرزاں رہتے ہیں باوجود ذکر و طاعت اور علم و فضل کے ڈرتے رہتے ہیں۔ حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ؎

بہ بانگ دہل ہولم از دور بود   بغیب اندرم عیب مستور بود

فرماتے ہیں کہ ڈھول کی آواز کی طرح میرے علم و فضل کا شہرہ دور تک پہنچا ہوا ہے لیکن ڈھول کے اندر جو خلا کا عیب ہے وہ چھپا ہوا ہے۔ عارفین اپنے عیوب پر ہر وقت نگاہ رکھتے ہیں اور غیر عارفین دوسروں کے عیوب پر ہر وقت نگاہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے باخبر بندوں کی اسی شان کو بیان فرماتے ہیں۔

الذین یبیتون لربھم سجدا وقیاما ۝ والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم ان عذابھا کان غراما ۝ انھا ساءت مستقرا ومقاما۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں جو ہمارے باخبر بندے ہیں یعنی جنھوں نے ہماری عظمت و کبریائی کو پہچان لیا ہے ان کی شان یہ ہے کہ راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ

اور قیام میں لگے رہتے ہیں مگر ان کو اپنی عبادت پر ناز نہیں ہے میری عظمت کے سامنے اپنی طاعات پر ان کی نگاہ نہیں ہے یہی دلیل ہے کہ یہ مجھ سے باخبر ہیں میری عظمت اور جلالت شان کے استحضار سے ایسے لرزاں اور ترساں ہیں کہ اتنی فرمانبرداری کے باوجود اپنے کو جہنم کے لایق سمجھ کر مجھ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھئے کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے بے شک وہ جہنم برا ٹھکانا ہے۔ بے خبر بندے تو اتنی شاباشی اور تعریف پر اور اس قدر تقویٰ اور طاعات پر نہ جانے اپنے کو کیا سے کیا سمجھ لیں اور انتظار کرنے لگیں کہ شاید جبرئیل علیہ السلام وحی لیکر تشریف لاتے ہوں۔

اللہ والوں کی پانچویں صفت

آگے فرماتے ہیں یہ حالت تو ان کی طاعت بدنیہ میں ہے اور طاعات مالیہ میں طریقہ یہ ہے کہ

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما

اور ان باخبر بندوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں کہ معصیت میں صرف کرنے لگیں اور نہ تنگی کرتے ہیں کہ طاعات ضروریہ میں بھی خرچ کی کوتاہی کریں اور ان کا خرچ کرنا اس افراط و تفریط کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ نے یہ پانچویں پہچان بیان فرمائی ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ

اللہ والوں کی چھٹی صفت

اور ترک معاصی میں ان کی شان یہ ہے کہ

والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ط اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اسکو قتل نہیں کرتے مگر حق پر یعنی جب قتل کے وجوب یا اباحت کا سبب شرعی پایا جاوے اس وقت اور بات ہے اور وہ زنا نہیں کرتے۔ ومن یفعل ذالک یلق اثاما

اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا اسے اس کو سابقہ پڑے گا یضعف له العذاب یوم القیٰمة ویخلد فیه مهانا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جاوے گا اور وہ پستی میں ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔

الا من تاب وآمن وعمل عملاً صالحاً فاولٰئك یبدل الله سیئاتهم حسنٰت وکان الله غفوراً رحیما ومن تاب وعمل صالحاً فانه یتوب الی الله متابا۔

مگر جو شرک اور معاصی سے توبہ کرلے اور اس توبہ کے قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایمان بھی لے آوے اور نیک کام کرتا ہے یعنی ضروری طاعات کو بجا لاتا رہے تو حق تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کو محو کرکے ان کی جگہ آئندہ نیکیاں عنایت فرماوے گا اور یہ محو سیئات اور ثبت حسنات اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ غفور ہے اس لئے سیئات کو محو کر دیا اور رحیم ہے اس لئے حسنات کو ثبت فرمایا۔

یہ تو تائب عن الکفر کا بیان تھا آگے مومن تائب عن المعصیۃ کا ذکر ہے تاکہ مضمون توبہ کا پورا ہو جاوے نیز ان باخبر بندوں کی تعریف کا تتمہ ہے کہ یہ بندے جو ہم سے باخبر ہیں یہ طاعات میں مشغول رہتے ہیں اور سیئات سے مجتنب رہتے ہیں لیکن اگر احیاناً معصیت کا صدور ہو جاوے تو توبہ کر لیتے ہیں اس لئے تائبین کا حال ارشاد فرمایا کہ جو شخص جس معصیت سے توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے یعنی آئندہ معصیت سے بچتا ہے تو وہ بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے یعنی خوف واخلاص کے ساتھ کہ یہی شرط توبہ ہے۔ (ماخوذ از بیان القرآن)

توبہ کی حقیقت توبہ کی حقیقت ندامت قلب ہے، دل کا شرمندہ ہو جانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں التوبة هی الندامة توبہ نام ہے ندامت کا۔ اپنے قصور پر پشیمان ہونا توبہ کی اصلی روح ہے۔

ایک حکایت حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کی حکایت

لکھی ہے۔ وہ جماعت کے بہت پابند تھے ایک بار وہ مسجد کی طرف جا رہے تھے تو دیکھا کہ مسجد سے لوگ نکل رہے ہیں سمجھ گئے کہ جماعت ہوگئی۔ بہت غمگین اور پشیمان ہوئے اور نہ جانے کس درد اور ندامت قلب سے ایک آہ کھینچی جسکو مولانا فرماتے ہیں

گفت آہ و درد ازاں آمد بروں | آہ او میداد از دل بوئے خون

اس مخلص نے ترک جماعت کے غم سے اک آہ کھینچی اور وہ آہ اس قدر دردناک تھی کہ اُس آہ سے بوئے خونِ دل محسوس ہوتی تھی۔ جماعت کے اندر ایک صاحب کشف اور صاحب باطن بزرگ تھے انھوں نے اس دردناک آہ کے انوار عرش تک جاتے ہوئے دیکھے فوراً اٹھے اور صاحب آہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ اپنی اس آہ کو مجھے عنایت فرمادیں اور میری نماز باجماعت آپ لے لیں۔ رات کو ان بزرگ نے خواب میں غیب سے یہ آواز سنی کہ اے شخص تو نے اس آہ کو کیا خریدا کہ آبِ حیات خرید لیا اس آہ کی برکت سے تمام مخلوق کی نماز قبول ہوگئی۔

حرمت ایں اختیار و ایں دخول | شد نماز جملۂ خلقاں قبول

غیب سے آواز آئی کہ اس اختیار اور اس دخول یعنی اس آہ دردناک کی خرید اور اس کے عوض میں اپنی نماز باجماعت کا دینا اس فعل کی حرمت سے جملہ خلایق کی نماز قبول ہوگئی۔ اسی کو مولانا نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ

ما بروں را ننگریم و قال را | ما دروں را بنگریم و حال را

نالۂ مومن ہمی داریم دوست | گو تضرع کن کہ ایں اعزاز اوست

مومن کے نالے کو ہم دوست رکھتے ہیں۔ کہدو کہ گریہ و زاری میں مشغول رہے اس کا اعزاز اسی میں ہے۔

مضمون توبہ کی تفصیل حضرات صحابہؓ کے متعلق حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ التائبون العابدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف

والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے حضرات صحابہؓ کی تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ اصحاب حضور صلعم ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے حمد کرنے والے روزہ رکھنے والا رکوع اور سجدہ کرنے والے نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بُری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے۔

ان آیتوں میں صفات حضرات صحابہؓ کی بیان فرمائی گئی ہیں اُن میں سب سے پہلے توبہ کی صفت کو حق تعالیٰ نے مقدم فرمایا ہے اس تقدیم میں حق تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ توبہ ہی وہ بابِ رحمت ہے جس کے ذریعہ وہ تمام درجات اور صفات جو آگے ہم بیان کر رہے ہیں حاصل ہوتی ہیں یعنی غلامی اور بندگی کا اول زینہ توبہ ہے توبہ ہی کی برکت سے حضرت صحابہؓ عابدون حامدون سائحون راکعون ساجدون ہو کر تاج خلافت کے لائق ہو گئے یعنی خلافت علی منہاج النبوۃ کی باگ ان کے ہاتھ میں دیدی گئی اور حدود الٰہیہ کے پاسبان مقرر کئے گئے توبہ ہی وہ دروازہ ہے جو گم شدہ غلام کو مالک حقیقی کے پاس پہنچا دیتا ہے۔ توبہ کا دروازہ امت کے لئے بڑی رحمت کا دروازہ ہے جس کے لئے توبہ کا دروازہ کھل گیا اس کے لئے جنت کا دروازہ کھل گیا۔ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق درست کر لیا تو دنیا ہی سے اس کی جنت شروع ہو گئی۔ توبہ سے عبدیت کا دروازہ کھل جاتا ہے حق تعالیٰ نے تائبون کے بعد عابدون فرمایا ہے۔ توبہ میں جو ندامت و پشیمانی طاری ہوئی اس سے قلب کی صفائی ہو گئی اور جب دل سے تاریکی دور ہو گئی تو اپنی غلامی اور بندگی ظاہر ہو گئی عبدیت کا دروازہ کیا ہے ایاک نعبد ہے۔ اے اللہ ہم صرف آپ کے غلام ہیں توبہ کے بعد ہی بندگی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

الٰہی عبدک العاصی اتاکا مقراً بالذنوب وقد دعاکا

اے اللہ تیرا بندہ گنہگار تیرے در پر حاضر ہوا ہے اور اس حالت میں حاضر ہوا ہے کہ اپنے گناہوں کا اقرار کر رہا ہے اور آپ ہی کو پکار رہا ہے ایاک نعبد کے بعد ایاک نستعین ہے جب ہم صرف آپ ہی کے غلام ہیں تو آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں یعنی ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہماری توبہ نہ ٹوٹے گی ہم آپ ہی سے استقامت کی مدد چاہتے ہیں۔

فان تغفر فانت لذاک اھلٌ ؛ وان تطرد فمن یرحم سواک

پس اگر آپ بخشدیں تو بیشک آپ اس کے اہل ہیں اور اگر آپ مجھکو اپنی بارگاہ سے نکالدیں تو پھر کون ہے آپ کے سوا ہمارے اوپر جو رحم کرے گا۔

تیری چتون کیا پھری سارا زمانہ پھر گیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں

نہ پوچھے سوا نیک کاروں کے گر تو کہاں جائے بندہ گنہگار تیرا

تائبون کے بعد عابدون فرما کر بتا دیا کہ توبہ کی برکت سے غلامی کا دروازہ کھل جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ہر روز سو بار سے زیادہ استغفار کرتا ہوں تو بہ ایسی بڑی نعمت ہے کہ حضورؐ معصوم ہونے کے باوجود توبہ کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے حالانکہ آپ جن امور سے استغفار فرماتے تھے اگر وہ ہم کو مل جائیں تو ہم ولی ہو جائیں۔ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ ابرار کی حسنات مقربین کے لئے سیئات ہوتی ہیں۔

جب غلامی کا دروازہ کھل گیا تو ہر طرف جدھر نگاہ اٹھاتا ہے اپنے اللہ کی قدرت دیکھ کر حمد کرتا ہے اوپر نگاہ اٹھی تو آسمان چاند ستارے آفتاب جیسی مخلوقات عجیبہ دیکھ کر اللہ کی تعریف بیان کرتا ہے نیچے نگاہ جاتی ہے تو زمین اور زمین کی مخلوقات عجیبہ دیکھ کر حمد بیان کرتا ہے بندگی اور غلامی کی برکت سے حمد کا دروازہ اس کے لئے کھولدیا جاتا ہے۔ انوار عبدیت سے اس کے لئے عالم کا ہر ذرہ ہر پتہ

معرفت کا دفتر ہو جاتا ہے حمد کے بعد اس پر سیاحت کا دروازہ کھلتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سیاحۃ امتی الصیام میری امت کی سیاحت روزہ ہے روزہ رکھ کر گھر بیٹھے سفر کر رہا ہے یعنی حق تعالیٰ کے قرب کا راستہ طے کر رہا ہے۔

سائحون کے بعد راکعون ساجدون فرمایا ہے۔ قائمون کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ رکوع قیام کے بعد ہی ہوتا ہے پس رکوع کا ذکر اپنے اندر قیام کے ثبوت کو لئے ہوئے ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیام رکوع اور سجودے افضل ہے کیونکہ قیام میں قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے۔

راکعون اور ساجدون کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اب آگے بڑھو توبہ کی استقامت کی برکت سے ہم تم کو بڑے بڑے درجے عطا فرمائیں گے۔

اٰمرون بالمعروف والناھون عن المنکر اب آپ لوگ امر بالمعروف کریں یعنی لوگوں کو بھلی باتوں کی تعلیم دیں اور بری باتوں پر روک ٹوک کریں کہاں تو خود کفر و شرک میں ملوث تھے کہاں اب توبہ کی برکت سے وہ دن آگیا کہ دوسرے ل کی ہدایت کے لائق ہو گئے میاں کی توجہ جس پر پڑ جائے۔ ہمارے حضرت یہ شعر پڑھا کرتے تھے

تری نگاہ کے مجروح اور بھی ہیں کئی — کسی کے دل میں رہی اور کسی کے پار گئی
مگر یہ مجھ سے ہی کی تو نے ترک بات نئی — درون سینۂ من زخم بے نشاں زدہ
بحیرتم کہ عجب تیر بے کمان زدہ

معروف اس بات کو کہتے ہیں جو جانی پہچانی ہو کیونکہ معروف عرفان سے ماخوذ ہے بھلی باتوں سے چونکہ طبعاً انس ہوتا ہے اس لئے وہ باتیں گویا جانی پہچانی ہوتی ہیں اور منکر کے معنی بے جان پہچان کے ہیں منکر نکیر اُن فرشتوں کا نام اسی سبب سے ہے کہ وہ بے جان پہچان کے ہوتے ہیں۔ فعرفھم وھم لہ منکرون حق تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا اور ان لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچانا جتنی بُری باتیں ہیں وہ فطرۃً طبیعت کیلئے غیر مانوس ہوتی ہیں یعنی ہر معروف سے طبعاً انس ہوتا ہے اور ہر منکر سے طبعاً ناگواری ہوتی ہے مگر مراد طبیعت سے طبیعت سلیمہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام سب کے آخر میں سپرد کیا جاتا ہے جب خوب پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بعد حق تعالیٰ ایک انعام اور عطا فرماتے ہیں یعنی اپنی حدود کا پاسبان مقرر فرما دیتے ہیں والحافظون لحدود اللہ یہ خود بھی حدود الٰہیہ کا محافظ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی حفاظت حدود الٰہیہ کی تعلیم دیتا ہے اور جو کچھ عبدیت میں نقصان دیکھتا ہے اس کی تلافی توبہ سے کرتا رہتا ہے۔ توبہ کے بارے میں ایک شبہ لوگوں کو ہوتا ہے وہ یہ کہ

توبہ کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر توبہ کر کے توڑ دی تو وہ توبہ ہی بیکار ہے۔ اسی لئے بعض لوگ توبہ ہی نہیں کرتے کہ شاید پھر ٹوٹ جائے۔ ہمارے حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شبہ کے ازالہ کے لئے ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ توبہ نام ہے اپنی معصیت پر ندامت خالصہ کا۔ جب گناہ تجھ سے صادر ہو جاوے پھر تو نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی درخواست کرے اور پھر کبھی اس کی طرف عود نہ کرے یعنی دل سے یہ ارادہ پختہ ہو کہ اب دوبارہ اس گناہ کو نہ کروں گا گو غلبہ نفس و شیطان سے پھر وہی گناہ ہو جاوے اگر ایسا ہو جاوے پھر اسی طرح ندامت و استغفار و عزم علی التقویٰ کا حکم ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ما اصرّ من استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرۃ (رواہ الترمذی و ابوداؤد) ترجمہ اصرار علی المعصیۃ کرنے والوں میں وہ شخص شمار نہیں جس نے ہر بار معصیت سے استغفار کر لی اگرچہ پھر اسی گناہ کی طرف دن میں ستر بار لوٹے۔ کیونکہ مقیم علی الذنب سے مراد مقیم بالقلب ہے اور عدم عود سے مراد عزم عدم

عود ہے یعنی گناہ پر قائم رہنے سے مراد یہ ہے کہ دل میں قائم رہنے کا ارادہ ہو اور دوبارہ گناہ کی طرف نہ لوٹنے سے مراد نہ لوٹنے کا ارادہ ہے۔ اب اگر غلبۂ نفس و شیطان سے یہ ارادہ ٹوٹ گیا تو مُصر علی المعصیتہ نہیں ہے۔ چنانچہ بعضے دوسرے بزرگوں نے اسی تحقیق کا حاصل اپنے اس قول میں ظاہر فرمایا ہے

باز آ باز آ ہر انچہ ہستی باز آ ؛ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست ؛ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ترجمہ :۔ اے شخص لوٹ آ لوٹ آ۔ جس حال میں بھی ہے تو اللہ کی طرف آجا اگر کافر ہے یا گبر و بت پرست ہے پھر بھی آجا کہ یہ بارگاہ بارگاہ نومیدی نہیں ہے سو بار اگر توبہ توڑی ہے تب بھی مایوس نہ ہو اور اللہ کی طرف آجا ؕ (ماخوذ از تشرفی احادیث التصوف ص ۵۲)

خلاصہ یہ کہ ایک بار جس گناہ سے توبہ سچے دل سے کرلی گئی دوبارہ وہی گناہ پھر ہو جانے سے پہلی توبہ بیکار نہیں ہوتی۔ البتہ اس دوسرے گناہ سے پھر صدق دل سے توبہ کرلے اور اپنی طرف سے پختہ ارادہ گناہ نہ کرنے کا کرلے اسی طرح عمر بھر توبہ کا سلسلہ بند نہ کرے۔ ہمارے خواجہ صاحبؒ خوب فرماتے ہیں۔

نہ چیت کر سکے نفس کے پہلوان کو ؛ تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے

ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی ؛ کبھی وہ دبا لے کبھی تو دبا لے

گناہوں سے بچنے کا ایک مراقبہ

گناہوں سے بچنے کے لئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مراقبہ کی تعلیم فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے یہ طریقہ القا ہوا ہے جس کا میرے اوپر بھی بہت اثر ہے۔ وہ مراقبہ یہ ہے کہ ہر کام کے وقت یہ سوچ لیا کرے کہ یہ کام جو ہم کر رہے ہیں یا کرنے والے ہیں یہ آخرت میں مضر ہے یا مفید۔ چلتے پھرتے کھاتے پیتے باتیں کرتے ہوئے رنج و غصہ ہر حال میں ہر حرکت و سکون میں یہ سوچ لیا کرے

کہ یہ کام آخرت کے لئے مفید ہے یا مضر ہے اس کے بعد انشاء اللہ آپ سے
اول تو گناہ صادر ہی نہ ہوگا اور اگر بالفرض صادر ہوا بھی تو آپ اس وقت بیدار
گنہگار ہوں گے سرکش و غافل گنہگار نہ ہوں گے اور یہ بھی ایک بڑی دولت ہے
کہ انسان کو گناہ کے وقت تنبہ ہو جائے کہ میں نے یہ کام گناہ کا کیا ہے۔ اس سے
دل پر ایک ایسا چرکہ لگتا ہے جس کے بعد معاً توبہ اور استغفار کو جی چاہتا ہے
اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جان کر گناہ کرنا تو اور سنگین جرم ہے تو بات یہ ہے کہ جان کر گناہ
کرنا مطلقاً اشد نہیں ہے علم کے ساتھ وہ گناہ اشد ہے جس کے ساتھ جرأت بھی
ہو اگر جرأت نہ ہو تو جان کر گناہ کرنا غفلت کے گناہ سے اشد نہیں جب گناہ کو
گناہ جان کر گناہ کرے گا تو اس گناہ کے ساتھ خشیت بھی ملی ہوگی اور دل میں ایک
خلش بھی گناہ کے ساتھ ساتھ موجود ہوگی جس کی وجہ سے یہ معصیت کامل نہ ہوگی
کامل خشیت کے ساتھ تو گناہ کا صدور ہو ہی نہیں سکتا۔ اور ناقص خشیت کے
ساتھ جو معصیت صادر ہوگی وہ بھی ناقص ہو جاتی ہے اس مضمون کے استحضار سے
یہ فائدہ ہوگا کہ بعض لوگوں سے باوجود خشیت کے بھی گناہ صادر ہو جاتا ہے تو اس
خشیت کو بیکار سمجھ کر کہیں معطل ہو کر نہ بیٹھ رہیں خشیت کے تین درجے ہیں ایک خشیت
اعتقادی یہ تو ہر مسلمان کو حاصل ہے کیونکہ ایمان نام ہی ہے خوف و رجا کا پس اس
درجہ سے کوئی مسلمان خالی نہیں ہے مگر اعتقادی خشیت گناہوں سے روکنے کے
لئے کافی نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ استحضار خشیت کی بھی ضرورت ہے یہ دوسری
قسم ہے پھر استحضار کے دو درجے ہیں ایک استحضار کامل دوسرے استحضار ناقص استحضار
کامل کے ساتھ معصیت ہرگز نہیں ہو سکتی مگر ہم لوگوں کو استحضار کامل حاصل نہیں اور
اسی کی ضرورت ہے لیکن استحضار کامل ایک دو دن میں حاصل نہیں ہوا کرتا اس کے
لئے مشق کی ضرورت ہے پہلے استحضار ناقص ہی کیجئے اس سے گو معصیت کا انعدام

نہ ہو گا مگر تقلیل ضرور ہو جائے گی اور وہی کیفیت ہو گی جو میں نے ابھی بیان کی ہے کہ خشیت ناقصہ کے ساتھ معصیت بھی ناقص ہی ہو گی۔ پھر اسی حالت پر اکتفاء نہ کیجئے بلکہ استحضار ناقص سے استحضار کامل کی طرف ترقی کیجئے۔ انشاء اللہ شدہ شدہ آپ ایک دن کامیاب ہو جائیں گے۔ کام میں لگا رہنا اور مشق کا جاری رکھنا ہی کمال حاصل کرنے کا طریقہ ہے، گھبرایئے نہیں۔

کوئے نومیدی مرو امید ہاست　　سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

میں دعوی سے نہیں کہتا خدا کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ اس مراقبہ کو جاری رکھو انشاء اللہ ایک دن آپ ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔

پس ہر کام پر اس حیثیت سے نظر کرو کہ معین فی المقصود ہے یا مضر جو معین ہے اس کو اختیار کرو جو مضر ہو اس کو ترک کر دو اور اس کا استحضار ہر کام میں رکھو خواہ مباح ہو یا فرض، واجب ہو اور کچھ (ملخص از وعظ الاسعاد والابعاد بمقام تھانہ بھون)

اللہ والوں کی ساتویں صفت

عباد الرحمن کی منجملہ اور شانوں کے ایک شان یہ بھی ہے کہ والذین لایشھدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراما اور ہمارے باخبر بندوں کی یہ شان ہے کہ وہ بیہودہ باتوں جیسے لہو ولعب خلاف شرع میں شامل نہیں ہوتے اور اگر اتفاقاً بلا قصد بیہودہ مشغلوں کے پاس ہو کر گذریں تو سنجیدگی و شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں یعنی نہ اس کی طرف مشغول ہوتے ہیں اور نہ ان کے آثار سے عاصیوں کی تحقیر اور اپنا ترفع و تکبر ظاہر ہوتا ہے۔

اللہ والوں کی آٹھویں صفت

اور ان کی شان یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے احکام کے ذریعہ ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ان احکام پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے جس طرح

کا قرآن پر ایک نئی بات سمجھ کر تماشے کے طور پر اور نیز اعتراضات پیدا کرنے کے لئے اس کے حقایق و معارف سے اندھے بہرے ہو کر اندھا دھند بے ترتیب ہجوم کر لیتے تھے والذین اذا ذکروا بآیٰت ربھم لم یخرّوا علیھا صما و عمیانا ۝

اللہ والوں کی نویں صفت

آگے فرماتے ہیں کہ والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذرّیٰتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما ۝ اولئک یجزون الغرفۃ بما صبروا ویلقون فیھا تحیۃ وسلاما ۝ خلدین فیھا ؕ حسُنت مستقرا ومقاما۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اور ہمارے باخبر بندوں کی شان یہ ہے کہ وہ خود جیسے دین کے عاشق ہیں اِسی طرح اپنے اہل و عیال کے لئے بھی ساعی اور داعی ہیں چنانچہ عملی کوشش کے ساتھ حق تعالیٰ سے بھی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی راحت عطا فرما یعنی ان کو دیندار بنادے اور ہم کو ہماری اس سعی دینداری میں کامیاب فرما ان کو دینداری کی حالت میں دیکھ کر راحت اور سرور ہو دتونے ہم کو ہمارے خاندان کا افسر تو بنا یا ہی ہے مگر ہماری دعا یہ ہے کہ ان سب کو متقی کر کے ہم کو متقیوں کا افسر بنا دے) تو اصل مقصود افسری مانگنا نہیں ہے گو اس میں بھی قباحت نہیں ہے مگر مقام دلالت نہیں کرتا بلکہ اصل مقصود اپنے خاندان کے متقی ہونے کی درخواست ہے یعنی بجائے اس کے کہ ہم افسر خاندان ہیں ہم کو افسر خاندان متقی بنا دیجئے۔

یہاں تک کو عباد الرحمٰن کے اوصاف کا تذکرہ تھا یعنی ہمارے باخبر بندوں میں ایسی ایسی شانیں ہوتی ہیں ان کے یہی اوصاف مخبری کرتے ہیں کہ یہ بندے حق تعالیٰ کی شان سے باخبر ہیں پس ان علامتوں سے ہمارے باخبر لوگوں کو ڈھونڈ لو۔

الرحمن فاسئل بہ خبیرا۔ جب کوئی باخبر بندہ مل جاوے تو اسکی صحبت میں رہ کر حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرو۔ رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔

عباد الرحمٰن کے اوصاف کے بعد آگے حق تعالیٰ ان کی جزا ارشاد فرماتے ہیں یعنی ایسے لوگوں کو بہشت میں رہنے کو بالاخانے ملیں گے بوجہ ان کے دین واطاعت پر ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس بہشت میں فرشتوں کی جانب سے بقار کی دعا اور سلام ملے گا اور اس بہشت میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے وہ کیا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے یہ حق تعالیٰ کا خاص انعام ہے اور حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات ہیں اس خاص ترتیب کے ساتھ یہ مضمون اس وقت میں القار ہوا ہے جبکہ میں اٹھاسی سال کی عمر میں قدم رکھنے والا ہوں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن اور انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے دلیل کیا ہے جن اور انسان کے پیدا کرنے والے نے فرمادیا ہے وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون میں نے جن اور انسان کو اس واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے لیعبدون کی تفسیر لیعرفون سے فرمائی ہے یعنی جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ مجھے پہچان لیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے پہچانیں

طریقہ پہچان کا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا طریقہ بھی ارشاد فرما دیا کہ میری پہچان تو ان ہی کے ذریعہ ہوگی جنھوں نے ہمیں پہچان لیا ہے۔ الرحمٰن فاسئل بہ خبیرا۔ رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔ جو ہمارے باخبر بندے ہیں یعنی جو ہم سے باخبر ہیں اُن سے ہماری پہچان ہوگی اب پھر سوال ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ کون لوگ اللہ تعالیٰ کے باخبر بندے ہیں تو اس سوال کا جواب وہیں موجود ہے جہاں الرحمٰن فاسئل بہ خبیرا ارشاد فرمایا ہے اس آیت کے دو تین آیتوں کے بعد ہی اپنے باخبر بندوں کے ان اوصاف مذکورہ کو ارشاد فرمایا ہے تاکہ کوئی بے خبر مدعی نہ بن جائے کہ ہم بھی باخبر ہیں۔

اللہ والوں کی پہچان کا ایک جامع اور نہایت سہل طریقہ ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب پہچان اللہ والوں کی ارشاد فرمائی ہے جو نہایت آسان ہے وہ یہ کہ خواص امت جس کو اللہ والا کہتے ہوں بس اس کا دامن پکڑ لو۔ عوام کی بھیڑ ہرگز مت دیکھو کیونکہ عوام کی بھیڑ بدون بصیرت کے ہے اس لئے ان کا اژدہام اور ہجوم کسی کے پاس اس کی صداقت کا معیار نہیں بن سکتا ہے اور خواص امت یعنی اس کے ہمعصر علماء متقین جس کو اچھا کہیں گے تو یہ غلط نہیں ہو سکتا۔ یہ پہچان ہر شخص کے لئے آسان ہے اور علماء و خواص امت جس کو پہچانیں گے اس کو قرآن اور حدیث کے ارشاد فرمودہ علامات سے پہچانیں گے۔ بس خواص کا پہچان لینا عوام کے لئے کافی وافی حجت ہے۔ البتہ ایک شرط اور بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے وہ مناسبت ہے یعنی جس اللہ والے سے دین حاصل کرے تو اس کے یہاں پہلے چند دن رہ لے اور دیکھ لے کہ مجھے اس شیخ سے مناسبت بھی ہے یا نہیں اور مناسبت کی تعریف حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمائی تھی کہ پیر کے

مباح افعال طالب کو اچھے معلوم ہوں اور طالب کے مباح افعال پیر کو بھلے معلوم ہوں جب مناسبت ہوتی ہے تب ہی فیض بھی ہوتا ہے۔ مقصود اللہ ہے جہاں مناسبت معلوم ہو وہیں بیعت ہو اگرچہ اس کی زیادہ شہرت بھی نہ ہو۔

خلاصہ معرفۃ الٰہیہ حق تعالیٰ کی پہچان کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معرفت کے لئے تین باتیں ضروری ہیں۔

(۱) صحبت اہل اللہ (۲) کثرت ذکر اللہ (۳) تفکر فی خلق اللہ۔

(۱) **صحبت اہل اللہ** کو مقدم اس لئے کیا گیا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت ہی سے اللہ تعالیٰ کی یاد کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اُن کی صورت دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آجاتے ہیں اور اُن کی نورانی گفتگو سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور محبت سے ذکر کی توفیق ہوتی ہے۔ اِسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

فقر خواہی آں بصحبت قائم است
نہ زبانت کار می آید نہ دست

ترجمہ: مولانا فرماتے ہیں کہ اگر فقر چاہتے ہو یعنی حق تعالیٰ کا راستہ طے کرنا چاہتے ہو تو وہ صحبت ہی سے قطع ہوتا ہے نہ محض زبان کام آتی ہے نہ ہاتھ کام آتا ہے۔ اس کی تصریح حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمادی ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ یاایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے ڈریں اللہ سے ڈرنے کا طریقہ کیا ہے؟

؎ کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

تو اس سوال کا جواب فرمادیا وکونوا مع الصادقین اور سچوں کے ساتھ رہ پڑو۔ جنکا ظاہر اور باطن دونوں خدا کے خوف سے سچے ہوں ان کی صحبت کی برکت سے ان کا صدق فی الاعمال والا کا صدق فی المقال تمہارے اندر بھی آجائے گا۔

(۲) کثرت ذکر اللہ - کو تفکر فی خلق اللہ سے اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ کثرت ذکر سے قوت فکریہ میں جلا اور صفائی آتی ہے ذکر کے انوار سے نفس کے ظلمانی پردے مٹتے چلے جاتے ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں

شب گریزد چوں برافروزد ضیا ۔۔۔ میگریزد ضدہا از ضدہا

مولانا فرماتے ہیں کہ ہر ضد اپنے ضد سے بھاگتا ہے۔ جب دن روشن ہوتا ہے تو رات راہ فرار اختیار کرتی ہے مطلب یہ ہے کہ ذکر کے انوار جب دل میں آتے ہیں تو دل کی تاریکیاں انوار سے متبدل ہو جاتی ہیں اور پہلے جب دل تاریک تھا تو انکا بھی تاریک پیدا ہوتے تھے اور اب نورانی قلب میں افکار بھی نورانی پیدا ہوتے ہیں۔ افکار ظلماتی کیا ہیں؟ جو آخرت کی دائمی زندگی سے غافل کردیں اور صرف چند روزہ حیات دنیویہ کے نقش و نگار فانیہ کو مقصود بنا دیں۔ افکار نورانی کیا ہیں؟ جو دنیا ر بے ثبات کے رُخ سے نقاب فریب ہٹا دیں اور مبلغ علم کو حیاتِ اخرویہ تک پہنچا دیں

ذکر سے فکر کا جمود دور ہوتا ہے ذکر سے قوت فکریہ کا جمود دور ہوتا ہے اسی کو حضرت عارفؒ فرماتے ہیں

ایں قدر گفتیم باقی فکر کن ۔۔۔ فکر گر جامد بود رو ذکر کن
ذکر آرد فکر را در اہتزاز ۔۔۔ ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

مطلب یہ ہے کہ اگر فکر جامد ہے تو اس کو حرکت میں لانے کے لئے ذکر اختیار کرو۔ فکر افسردہ کو خورشید ذکر سے گرم کردو۔

حق تعالیٰ نے یذکرون اللہ کو یتفکرون پر مقدم فرمایا ہے ارشاد فرماتے ہیں

یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموٰت والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔ سبحانك فقنا عذاب النار

ان آیتوں میں حضرات صحابہؓ کی محبت کاملہ اور ان کی عبدیت کاملہ کا ذکر ہے یعنی

یہ لوگ حق تعالیٰ کی محبت میں ایسے سرگرم ہیں اور اللہ کی یاد ان کے دلوں میں اس طرح پیوست ہوگئی ہے کہ جب کھڑے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں اللہ، جب بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں اللہ، جب لیٹے لیٹے کروٹ بدلتے ہیں تو کہتے ہیں اللہ۔ انسان کی زندگی انھیں تین حالتوں میں گھری ہوئی ہے یا کھڑا ہو یا بیٹھا ہو یا کسی پہلو پر لیٹا ہو اور ان تینوں حالتوں میں وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

محبت کا تیر گویا ایک تیر محبت کا لگ گیا ہے جس کی خلش ان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے بے قرار رکھتی ہے۔ ہمارے حضرت مرشد پاکؒ کبھی کبھی حق تعالیٰ کی محبت میں جوش میں آکر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے

تری نگاہ کے مجروح اور بھی ہیں کئی ۔۔۔ کسی کے دل میں رہی اور کسی کے پار گئی

مگر مجھ سے ہی کی تو نے ترک بات نئی ۔۔۔ درون سینۂ من زخم بے نشان زدہ

بحیرتم کہ عجب تیر بے کمان زدہ

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیر نیمکش کو ۔۔۔ یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

کفر کافر را و دین دیندار را ۔۔۔ ذرہ درد دلے عطار را

یہی کثرت ذکر ان کی شدت محبت پر گواہی دیتی ہے کیونکہ قاعدہ ہے من احب شیئًا اکثر ذکرہ جو شخص جس شے سے محبت رکھتا ہے اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں ویتفکرون فی خلق السموٰت والارض کثرت ذکر کے انوار سے ان کی قوت فکریہ جو پہلے جامد تھی وہ اب متحرک اور نورانی ہو گئی۔ اور اسی نورانی فکر سے آسمان اور زمین کی خلقت میں غور کیا کرتے ہیں اور ان مصنوعات عجیبہ سے صانع حقیقی کے وجود پر استدلال کرتے ہیں یہ ہے اصلی فکر جسکو مولانا فرماتے ہیں

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے ۔۔۔ راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

حقیقی فکر وہ ہے جو راستہ کھولدے اور حقیقی راستہ وہ ہے جو اللہ تک پہنچادے

ذکر کے انوار نے ان کی فکر کو نورانی فکر بنا دیا یہانتک کہ وہ نورِ حقیقی تک رسا ہو گئی اور کہنے لگے ربنا ما خلقت ھذا باطلاً سبحانک - اے ہمارے پروردگار یہ آسمان بے ستون اور آسمان میں چاند سورج اور اتنے بے شمار ستاروں کا جڑ دینا اور تودۂ زمین کے اتنے بے شمار ذرات کا اکٹھا کر دینا آپ ہی کی قدرت کاملہ کی صنعت گری ہے

عارف فکر سے قرب کے مراتب طے کرتا ہے

خاموش بیٹھے ہیں مگر تا عرش شاہ سیر کر رہے ہیں۔

خامش اند و نعرۂ تکرار شاں میرود تا عرش و تخت یار شاں

اولیاء اللہ جب ذکر سے تھک جاتے ہیں تو فکر سے قرب کے مراتب طے کرتے ہیں خاموش بیٹھے ہیں مگر ان کے نعروں کا تکرار عرش تک یعنی تخت یارِ حقیقی تک پہنچتا ہے۔ تفکر سے اس قدر قرب ہوا کہ حق تعالیٰ سے مناجات یعنی سرگوشی کا سلسلہ شروع ہو گیا ربنا ما خلقت ھذا باطلاً فکر کے سمندر میں ڈوب کر جواہر عرفانی نکال لائے اور اب خاموش رہنا ضبط سے باہر ہے - تاب زنجیر ندارد دل دیوانۂ ما۔ اب اللہ تعالیٰ سے باتیں شروع ہو گئیں اللہ اکبر فکر سے کس قدر قرب نصیب ہوتا ہے حق تعالیٰ سے عرض کر رہے ہیں کیا عرض کر رہے ہیں وہی جواہر عرفانی مناجات میں پیش کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب جو مصنوعات ہم آسمانوں اور زمینوں میں دیکھ رہے ہیں ان کو آپ نے باطل یعنی لغو اور عبث نہیں پیدا فرمایا ہے کیونکہ انھیں چیزوں کو دیکھ کر ہم آپ کے وجود پر استدلال کر کے توحید اختیار کرتے ہیں اور شرک و کفر کی تاریکی سے نجات پاتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ دہلوی نے اس آیت کی یوں تفسیر فرمائی ہے کہ عبث نہیں بنایا یعنی اس عالم کا انتہا ہے دوسرے عالم میں ۱۲

کثرت ذکر کے انوار سے ان کی سمجھ ایسی نورانی ہو گئی جس سے اپنی غلامی اور بندگی کا اور حق تعالیٰ کی عظمت شان کا استحضار راسخ نصیب ہو گیا۔ فکر نورانی نفس کے حوالے

نہیں ہوتی ہے اس کی نگاہ ہر وقت حق تعالیٰ کی جلالت شان اور عظمت پر اور اپنی بے کسی عاجزی اور محتاجی پر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ عارفین باوجود کثرت ذکر و فکر کے عجب اور خود بینی میں مبتلا نہیں ہوتے ہیں چنانچہ حق تعالیٰ حضرات صحابہؓ کی اسی شان عبدیت کو آگے بیان فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ رات دن ذکر اور فکر میں لگے رہتے کے باوجود میری عظمت اور کبریائی کا استحضار ان کو خائف اور غمگین رکھتا ہے اور اس درجہ خوفزدہ رکھتا ہے کہ اپنے کو جہنم کے قابل سمجھ کر یوں دعا کر رہے ہیں کہ فقنا عذاب النار اے ہمارے رب ہم کو عذاب جہنم سے نجات عطا فرما ۔ ہم جیسے لوگ ہوں تو بقدر ذکر اور فکر کی توفیق پر نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھ بیٹھیں۔

طالب کا التزام ذکر پیر کے نور کا جاذب ہوتا ہے

کثرت ذکر سے طالب کے اندر جو انوار پیدا ہوتے ہیں وہ شیخ کے انوار فہم و معرفت کو جذب کر لیتے ہیں یعنی جذب نور کی صلاحیت التزام ذکر ہی سے پیدا ہوتی ہے اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں

ناریاں مر ناریاں را جاذب اند   نوریاں مر نوریاں را طالب اند

مولانا فرماتے ہیں کہ جب تم کثرت ذکر اللہ کے پابند رہو گے تو حق تعالیٰ کے انوار ذکر کے واسطے سے تمہارے اندر آکر تمہیں نورانی بنا دیں گے اور جب تم نورانی ہو جاؤ گے تو شیخ نورانی کے انوار کو تمھارے انوار جذب کریں گے اس مضمون کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں واصبر نفسك مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی اس آیت میں حضور صلعم کو ان لوگوں کے اندر مجالست کا حکم فرمایا جا رہا ہے جو اپنے رب کو صبح و شام یاد کرنے والے ہیں۔

صحبت شیخ کی ضرورت

واصبر نفسك میں تو صحبت کی ضرورت ارشاد فرما دی کہ اے اہل عرب تم عربی زبان کے ماہر تو ہو

لیکن نری زباندانی سے کچھ کام نہیں چلے گا میرے رسول کی صحبت میں رہ کر تزکیہ نفس، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت کے بغیر دین نہیں ملے گا۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

واصبر کے عنوان سے صحبت کی حد درجہ ضرورت ثابت ہو گئی کیونکہ صبر نام ہے رضا حق کے لئے اپنے کو ایسے امر پر مامور کر دینا جو طبعًا نامرغوب اور گراں ہو واصبر کا عنوان بتاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی مذاق تبتل تام کا تھا یعنی تمام مخلوق سے منقطع ہو کر حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہنا پس آپ کی صحبت پاک سے حضرات صحابہؓ کی تربیت اور تزکیہ کے لئے آپ کو حضرات صحابہؓ میں مجالست یعنی نشست کا حکم فرمانا اور واصبر کے عنوان سے یعنی مجاہدہ کرا کے آپ کو ان کے درمیان نشست فرمانے کا حکم نازل فرمانا صحبت کی ضرورت کو کسقدر موکد کرتا ہے مقصود اس امر سے یہ تھا کہ حضرات صحابہؓ محمدی پھول میں بس جائیں اور پھر منتشر ہو کر اقصار عالم میں آپ کی خوشبو کو پھیلا دیں اور سارا عالم نور محمدیؐ سے منور ہو جائے۔ اور الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی سے حق تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ کاملین کی صحبت کا کامل اثر انھیں پر ہوتا ہے جو ذکر کے پابند ہوتے ہیں ذکر کے انوار سے شیخ کامل کے اخلاق حسنہ کو جذب کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔

مذاق تبتل شیخ کامل کی خاص علامت ہے اس آیت واصبر نفسک سے معلوم ہوا کہ شیخ کامل کا مقام تبتل کا ہے یعنی اس کی نسبت مع اللہ اس درجہ قوی ہو کہ خلق میں چلنا پھرنا اور نشست کرنا بتکلف اور جبر نفس سے ہو اصلی غذا اس کی خلوت مع اللہ اور غلبۂ ذکر ہو لیکن امر الٰہی سمجھ کر خلق کو تعلیم وہدایت کرتا ہو حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا

اے ہمارے رسول آپ اپنے رب کے نام کو یاد کیجئے اور خلق سے بالکلیہ یکسو ہو کر اسی کی طرف متوجہ رہیے حق تعالیٰ شانہ کی عجیب رحمت ہے کہ جہاں جس بات کا امر فرماتے ہیں وہیں اس کے حصول کا طریقہ ارشاد فرما دیتے ہیں یہاں تبتل سے پہلے ذکر اسم رب کا امر فرما کر بتا دیا کہ یہ مقام یعنی میری طرف سب سے منقطع ہو کر متوجہ ہونا اسی وقت نصیب ہوگا جب میری یاد کا غلبہ ہوگا۔ انا جلیس من ذکرنی (حدیث) میں ذاکر بندہ کا ذکر کے وقت ہمنشین ہوتا ہوں پس میری ہمنشینی تمہیں ماسوا سے مستغنی کر دے گی اور اگر میری ہمنشینی نہ ہوگی تو پھر تقاضائے بشریت تم خلوت کو پسند نہیں کر سکتے ہو۔

تفکر فی خلق اللہ صحبت اہل اللہ سے کثرت ذکر اللہ کی توفیق ہوتی ہے اور کثرت ذکر اللہ کی برکت سے فکر حرکت میں آتی ہے اور ذاکر حق تعالیٰ کی مصنوعات اور مخلوقات میں غور کرتا رہتا ہے اور عالم کا ہر ذرہ ہر پتہ اس کے لئے معرفت کا دفتر بن جاتا ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتر الیست معرفت کردگار

ذکر سے زیادہ فکر سے قرب بڑھتا ہے مگر فکر میں جلا اور نورانیت ذکر ہی سے آتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ فکر کا اجر ذکر سے دس درجہ زیادہ ملتا ہے اس کی تائید ایک آیت سے بھی ہوتی ہے۔

ان المتقین فی جنٰت ونھر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر — حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بیشک متقین بندے باغوں میں اور نہروں میں ہونگے ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

حضرت والا نے تفسیر بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ یعنی جنت کے ساتھ قرب بھی نصیب ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ تقویٰ کی جب یہ برکات ہیں تو تقوے

یعنی ڈر کس چیز سے پیدا ہوتا ہے غور کرنے سے معلوم ہوا کہ فکر سے پیدا ہوتا ہے اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے واما من خاف مقام ربہ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا ونھی النفس من الھویٰ اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا۔ فان الجنۃ ھی الماویٰ سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ یہ خوف اس فکر کے نتیجے میں حاصل ہوا تھا کہ ایک دن اپنے رب کے سامنے حساب کے لئے کھڑا ہونا ہے پیشی کے دن کی فکر سے ڈر پیدا ہوا۔ اور بے خوفی کا سبب بے فکری ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

واما من طغیٰ وآثر الحیوۃ الدنیا — جس شخص نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی
فان الجحیم ھی الماویٰ۔ — کو ترجیح دی ہوگی سو اسکا دوزخ ٹھکانہ ہوگا۔

معلوم ہوا کہ آخرت کی زندگی سے غفلت اور بے فکری سے بے خوفی پیدا ہوئی اور یہ بے خوفی سبب بن گئی سرکشی کا۔ صحبت اہل اللہ تو اصلی جڑ ہے اس کے بغیر نہ تو ذکر سے کام چلتا ہے نہ فکر سے

بدون صحبت شیخ کام کرنے کے مہلکات

کیونکہ بدون صحبت شیخ کامل کے جس نے خود رائی سے ذکر شروع کیا وہ ناز اور تکبر سے ہلاک ہوا۔ نیز ذکر میں بعض وقت ایسی لذت اور کیفیت محسوس ہوتی ہے کہ اگر شیخ کی طرف سے تعداد مقرر نہ ہو تو ذاکر رات دن بس ذکر ہی کرتا رہے۔ چنانچہ رہبر کامل کے سوا جن لوگوں نے ذکر شروع کیا انھوں نے اس کیفیت اور لذت میں اس قدر ذکر کی تعداد بڑھا دی کہ دل اور دماغ سب معطل ہو گئے خشکی بڑھ گئی۔ نیند ختم ہو گئی اختلاج کی بیماری لگ گئی رفتہ رفتہ پاگل ہو گئے لوگ ان کو مجذوب سمجھ گئے۔ اور یہ شخص خبط الحواس اور پاگل ہو کر خسر الدنیا والآخرۃ ہو گیا۔ میرے چشم دید مشاہدات میں ایسے

افراد ہیں جو بیچارے اناڑی پیر کے حوالے ہو گئے اور تعداد ذکر میں انکے پیر نے مرید کی قوت اور صحت کا لحاظ نہ رکھا چند دن تو گاڑی چلی پھر دیکھا کہ داڑھی منڈائے ہوئے فرض نماز وغیرہ کو بھی خیر باد کہکر بد حواس پھرنے لگے۔ ایک صاحب میرے پاس بھی آئے بڑا ترس معلوم ہوا۔ اللہ بچائے اناڑی پیروں سے۔ شیخ محقق پہلے اپنے مرید سے اس کا مشغلۂ معاش معلوم کرتا ہے اور اس کی صحت پر نگاہ ڈالتا ہے پھر اس کی قوت اور فرصت کے اعتبار سے تعداد ذکر مقرر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کامل القدرت ہیں کسی کو چوبیس ہزار ذکر سے پہنچاتے ہیں کسی کو ایک ہی ہزار ذکر سے پہنچاتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات چوبیس ہزار والا تھک کر راستہ ہی میں رہ جاتا ہے اور بیچارہ ایک ہزار والا لنگڑاتا ہوا منزل تک پہنچ جاتا ہے اسی کو حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں

اے بسا اسپ تیز رو کہ بماند　　　　و خر لنگ جان بمنزل برد

بہت سے تیز رو گھوڑے تھک کر بیٹھ رہے اور لنگڑا گدھا برابر چلتے رہنے کی وجہ سے منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ ضعیف بندوں کو تھوڑے ہی عمل میں کامیاب فرما دیتے ہیں۔ کبھی قلیل عمل کو بیکار نہ سمجھے بلکہ اگر ناغہ بھی ہو جایا کرے تب بھی کام کئے جائے سب چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے ناتمام اور بے ترتیب کوشش بھی بالکل سو رہنے سے بہتر ہے بندہ ضعیف اپنے قلیل عمل پر نادم ہوتا ہے اس کی ندامت اور اس کا اخلاص میاں کو پسند آجاتا ہے اس کو چونکہ فکر اور دُھن ہوتی ہے اس لئے حق تعالیٰ اس کے قلیل ہی عمل پر فضل فرما دیتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خط ہمارے حضرت والا کے یہاں آیا کہ حضرت نیند کم آتی ہے اور ذکر کے وقت روشنی نظر آتی ہے تحریر فرمایا کہ فوراً ذکر کو ملتوی کر دو اور کسی طبیب سے رجوع کرو سر پر تیل رکھو دوست احباب کے ساتھ ہوا خوری کے لئے جنگل کی طرف ٹہل آیا کرو۔ اور فرمایا کہ اناڑی

پیر ہوتا تو بہت خوش ہوتا کہ اب تجلی نظر آنے لگی حالانکہ اس روشنی کا سبب دماغی خشکی ہے۔ یہ شخص سوداویت اور یبوست دماغ کا شکار ہو گیا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی دل اور دماغ یہ سب خدائی مشینیں ہیں ان سے جب کام لیتے ہو تو ان کی قوت کی حفاظت بھی تمہارے ذمہ ہے۔ سرکاری مشین ہے اگر اپنی لاپرواہیوں سے خراب کروگے تو پکڑ ہو گی۔ جب لوہے کی مشین میں تیل ڈالنا ضروری ہے تو دماغ اور دل تو بڑی نازک مشینیں ہیں ان کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص قوت سے زیادہ اوراد اختیار کرتا ہے وہ گویا اپنے کو اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ کچھ دن کے بعد سب کچھ چھوڑ بیٹھیں گے۔

صبح کی ہواخوری بنیت حفاظت صحت پر حضرت تھانویؒ کا ارشاد

ہمارے مرشد پاک حضرت تھانویؒ ہر روز بعد نماز فجر جنگل کی طرف ہواخوری کی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے اور ایک منزل قرآن ٹہل ٹہل کر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے حضرت بڑے محقق تھے فرمایا کہ ہواخوری کی غرض سے صحت کیلئے جنگل نکل جانا بہتر ہے کہ اشراق کے لئے اپنی جگہ بیٹھا رہے۔ دراصل اعمال کا مدار نیت پر ہے حصول صحت کی نیت سے اس عمل کا درجہ بلند ہو گیا جس درجہ کا مقصود ہوتا ہے اسی درجہ میں ذریعۂ مقصود بھی ہوتا ہے

عارف اور غیر عارف میں صرف اخلاص اور فہم کا فرق ہوتا ہے

اس راہ میں فہم کی بڑی ضرورت ہے عارف اور غیر عارف میں فہم ہی کا تو فرق ہوتا ہے ظاہری اعضاء تو دونوں کے یکساں ہی ہوتے ہیں۔

اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

اشقیا را دیدۂ بینا نبود　　نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

ہمسری با انبیا برداشتند　　اولیا را ہمچو خود پنداشتند

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر　　ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

ترجمہ :- (۱) بدبختوں کی آنکھیں بینا نہ تھیں اس لئے ان کی نظر میں نیک اور بد سب رتبے میں برابر معلوم ہوئے۔ (۲) یہاں تک کہ اس برابری میں اپنے کو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رتبے میں شمار کیا اور اولیاء کو بھی اپنے ہی جیسا سمجھا۔ (۳) اور اس برابری کی علت یہ بیان کی کہ ہم بھی بشر ہیں اور یہ انبیاء اور اولیاء بھی بشر ہیں ہم اور یہ لوگ دونوں خواب اور خوراک کے قیدی ہیں۔ چونکہ صرف ظاہری صورت کی طرف کفار کی نگاہ گئی اور باطنی کمالات سے ناآشنا اور بے خبر رہی اس لئے ابلیس لعین کی طرح ہمیشہ کے لئے شقاوت کے چاہ میں محبوس ہو گئے یعنی جس طرح ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کے اندر جو روح عارف اور جامع کمالات نبوت و ولایت تھی اس پر نگاہ نہ کی شیشی کی فی نفسہٖ قدر تو کچھ نہیں ہوتی ہے لیکن جب شیشی میں کوئی قیمتی عطر رکھدیتے ہیں تو اس مظروف کی برکت سے ظرف کی قدر اور حفاظت کی جاتی ہے پس اسی طرح کافر اور ولی کے ہاتھ پاؤں. ناک آنکھ کان صورۃً یکساں ہیں لیکن باطناً زمین اور آسمان کا فرق ہے چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا اس ولی کے جسم خاکی کے اندر جو روح ہے وہ عارف روح ہے اس عارف روح کے انوار اس کے تمام اعضاء کو حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق متحرک اور ساکن کرتے ہیں اور کافر کے جسم خاکی میں جو روح غیر عارف ہے اس کی تاریکی سے اس کے اعضاء پر نفس اور شیطان حکومت کرتے ہیں۔

اسی کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فان لم یستجیبوا لك فاعلم انما　　اے ہمارے رسول اگر یہ کفار

يتبعون اهواءهم ومن اضل ممن اتبع هواه بغير هدى من الله
آپ کا کہنا نہیں مانیں گے یعنی اگر آپ کو امام نہ بنائیں گے تو لامحالہ اپنے نفس کو امام بنائیں گے اور جب امام بے وضو ہوگا تو نماز کیا ہوگی۔

نفس تو چاہتا ہے اپنے مزے کو اور اللہ چاہتا ہے اپنی غلامی کو نفس چاہتا ہے کہ لذت کے جتنے چور دروازے ہیں ہر دروازے سے لطف اڑائیں آنکھوں سے بھی خوب مزہ حاصل ہو کانوں سے بھی خوب لطف حاصل ہو ہاتھ پاؤں سے بھی خوب مزہ حاصل ہو نفس کا حکم یہی ہے کہ جس طرح بن پڑے حلال و حرام، جائز و ناجائز نفع اور نقصان کچھ نہ دیکھو بس ہمکو تو لطف چاہئے۔ تو بھائی اس طرح اللہ کہاں ملتا ہے اللہ تو جب ملتا ہے جب اللہ کی مرضی کے تابع ہو۔ جب تک ہم نفس کے غلام ہیں تو اللہ کیسے مل سکتا ہے اسی کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

تا ہوا تازہ است ایمان تازہ نیست ؛ کیں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

مولانا فرماتے ہیں کہ جب تک نفس کی خواہشات تازہ ہیں اس وقت تک ایمان میں تازگی نہیں ہے کیونکہ یہ خواہشات نفسانیہ اس دروازہ غیب کے لئے قفل ہیں۔
اب سوال ہوتا ہے کہ پھر نفس کو توڑنے کا کیا طریقہ ہے۔ اس سوال کا جواب مولانا دوسرے شعر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ایں ہوا را نشکند اندر جہان ؛ ہیچ چیزے جز بسایہ ہمرہان

مولانا فرماتے ہیں کہ خواہشات کو اس جہاں میں کوئی توڑنے والا نہیں ہے بجز ایک چیز کے وہ کیا ہے سایہ ہمرہاں۔ سایہ ہمرہاں کیا چیز ہے اس کو مولانا اس شعر میں فرماتے ہیں۔

یار باید راہ را تنہا مرو ؛ بے قلاوز اندریں صحرا مرو

ایک یار چاہئے راستہ تنہا مت چلو۔ بدون کسی رہبر کے اس وادی لق و دق

میں قدم مت رکھو۔

اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے۔

وکونوا مع الصادقین — اور سچوں کے ساتھ رہ پڑو۔

نفس کی اتباع کے مفاسد

اگر ہر شخص اپنے نفس کا حکم ماننے لگے تو سارے جہان میں آگ لگ جائے۔ بچے کہیں کہ ہم اپنے جی پر عمل کریں گے، بیوی کہے کہ ہم اپنے جی کا کہنا مانیں گے شاگرد کہے کہ ہم اپنے جی کے مطابق سبق پڑھیں گے، ماں باپ کہیں کہ ہم اپنے جی پر عمل کریں گے۔ بادشاہ کہے کہ ہم اپنے جی پر چلیں گے، رعیت کہے کہ ہم لوگ اپنے اپنے جی پر عمل کریں گے تو اس جی کی غلامی سے محض گھر کے گھر ہی نہیں بلکہ ملک کا ملک تباہ ہو جاوے گا۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملاست — کار طفلاں تمام خواہد شد

ایک بزرگ کی حکایت

ایک بزرگ اکیلے بیٹھے ہوئے کہہ رہے تھے کہ میں نہ تیرا بندہ نہ تو میرا خدا تو میں تیرا کہنا مانوں کیوں؟ یہ خبر شدہ شدہ قاضی شہر تک پہنچی قاضی شہر نے ان کو طلب کیا اور دریافت کیا کہ تم کس سے یہ باتیں کرتے ہو۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ میرا نفس جب اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف مجھے کوئی حکم کرتا ہے تو میں اپنے نفس سے یہی کہتا ہوں کہ نہ میں تیرا بندہ نہ تو میرا خدا پھر تیرا کہنا مانوں کیوں۔ اللہ والے اس طرح اپنے نفس کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ اصل قانون پیدا کرنے والے کا قانون ہے۔ جی کی غلامی تو اس وقت روا ہوتی جب جی ہم کو پیدا کرتا۔ جی کی غلامی سے کیا ہوتا ہے اپنے جی کے حکم سے فرعون نے کہا تھا میں رب اعلیٰ ہوں۔ پھر رب اعلیٰ صاحب کی جو گت بنی ہے ظاہر ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل جب تم لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دریائے نیل سے ہم نے پار کر دیا تو تم لوگوں نے دیکھا کہ فرعون مع اپنے لشکر کے دریائے نیل میں گھس پڑا۔ اس وقت تم گھبرا گئے کہ اب ہم لوگ پکڑ لئے گئے مگر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کلّا ہرگز نہیں ان معی ربی بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے۔ پھر ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا اور تم لوگ اس کا معاینہ کر رہے تھے۔ ہمارے حضرت مرشد پاکؒ نے وانتم تنظرون کا یہی ترجمہ فرمایا ہے۔ معاینہ بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ ہوتا ہے تم لوگ معاینہ اس بات کا کر رہے تھے کہ دیکھو وہ ڈوبا اب وہ ڈوبا۔ اب فرعون ڈوبا۔ اپنے دشمنوں کے ڈوبنے کا تماشا کیسا دلچسپ معاینہ تھا۔ اور فرعون کے بدن کو ہیں نے سڑنے گلنے سے محفوظ رکھا تاکہ آئندہ والوں کے لئے عبرت کا ذریعہ ہو۔

فالیوم ننجیك ببدنك لتكون لمن خلفك آیۃ ؕ وان كثیرا من الناس عن آیٰتنا لغافلون (پ۱۱)

فرعون نے جی ہی کا تو کہنا مانا تھا جس کی وجہ سے اس طرح ذلیل اور رسوا ہوا۔ خوب سمجھ لو کہ جو شخص اپنے جی کا کہنا مانے گا تو وہ لامحالہ حکم الٰہی کو پس پشت ڈال دے گا۔ کیونکہ شیطان نفس کی بری بری خواہشات کو مزین کر کے نگاہ کے سامنے کر دیتا ہے پس غلبۂ خواہش کا ایک نشہ چڑھ جاتا ہے جس طرح شراب عقل کو کھو دیتی ہے اسی طرح خواہشات میں بھی ایک طرح کی مستی ہوتی ہے جو عقل کو کھو دیتی ہے۔ اسی کو مولاناؒ فرماتے ہیں۔

خشم و شہوت مرد را احول کند ؛ ز استقامت روح را مبدل کند

مولانا فرماتے ہیں کہ غصہ اور شہوت مرد کو احولؔ کر دیتی ہے اور استقامت سے

ؔ احول ایک مرض ہے آنکھوں کا جس میں ایک چیز دو نظر آتی ہیں یعنی بھینگا۔

یعنی سیدھی راہ سے روح کو ہٹا دیتی ہے علاج کیا ہے ان معی ربی میرے ساتھ میرا رب ہے یہ فکر ہر وقت رہے کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وھو معکم اینما کنتم اور اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو جب یہ دھیان بندھا رہے گا تو گناہ سے حفاظت رہے گی۔ لفظ تو اتنا ہی ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے لیکن یہ بہت بڑی نعمت ہے اس نعمت کے سامنے دونوں جہان میں کوئی نعمت نہیں ہے۔

جی چاہنے پر عمل کرنے کی مثال ایسی ہے کہ ایک بچّہ گھر سے مدرسہ جانے کے لئے نکلا راستہ میں ناچ تماشہ ہو رہا تھا وہاں لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر اس بچّے نے کہا چلو ذرا دیکھیں تو سہی ہو کیا رہا ہے بس جب وہاں پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ناچ گانا ہو رہا ہے۔ بس اب عقل پر نفس کا نشہ چھا گیا مدرسہ کا خیال تک بھی نہ آیا اب ہر روز یہی چسکا پڑ گیا۔ گھر سے مدرسہ کا بہانہ کر کے دن بھر تماشہ دیکھا کرتا بالآخر امتحان میں فیل ہو کر نامراد اور رسوا ہو گیا۔ یہی حال آخرت سے غفلت کا ہے کہ انسان دنیا کے تماشوں میں اپنا عزیز وقت ضائع کر رہا ہے۔

آئے تھے کس کام کو کیا کر چلے ۔۔۔ تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے
واں سے پرچہ بھی نہ لائے تھا میں ۔۔۔ یاں سے سمجھانے کو دفتر لے چلے

اللہ والوں کو ہر وقت آخرت کی فکر رہتی ہے کیا مجال کہ نفس جیسی کُتی ان کے منہ لگے۔ فرماتے ہیں

رجالٌ لا تلھیھم تجارۃ ولا بیعٌ عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ یخافون یوماً تتقلبُ فیہ القلوب والابصار (سورۂ نور پ۱۸)

ہمارے راستے کے جو مرد ہیں اُن کی شان یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت۔ وہ ایسے دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاویں گی۔

بڑی سے بڑی تجارت ہے۔ خرید و فروخت کا بازار گرم ہے۔ نماز کے لئے موذن نے اذان دی ادھر کئی خریدار سو سو روپیوں کے نمبری نوٹوں کو دکھا رہے ہیں کہ ہم کو فلاں فلاں سودا چاہئے اب نفس تو یہ کہتا ہے کہ اگر ان خریداروں کے نمبری نوٹوں کو قبضے میں نہیں لائے تو یہ کسی اور دوکان پر چلے جائیں گے لیکن یہ مردانِ خدا نفس کے بھونکنے کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے۔ جھٹ دوکان بند کی اور مسجد پہنچ گئے۔

اسی طرح اپنے مال سے بے دریغ زکوٰۃ نکالتے ہیں ان کو ننانوے کا پھیر ادائیگی زکوٰۃ سے روکنے نہیں پاتا۔ یہ مردانگی ان میں کیسے آئی اس کا نسخہ بھی حق تعالےٰ نے ارشاد فرمادیا ہے۔ یخافون یوما تتقلب فیه القلوب والابصار۔ ہر وقت ان کو پیشی کی فکر دامن گیر ہے کہ ایک دن آنے والا ہے جس دن صرف حکومت اللہ واحد قہار کی ہوگی اور سارے سلاطین دنیا اس دن ایک سوت کے مالک نہ ہونگے ہیبت اور جلال خداوندی سے اس دن قلوب اور آنکھیں لوگوں کی لوٹ پوٹ ہوں گی۔ قیامت کے ہولناک دن کی فکر نے اُن کو مرد بنا دیا ہے ہم لوگ جو "اے مخنث نے تو مردی نے تو زن" کے مصداق ہیں اسکی وجہ ہماری بےفکری ہے۔

بزرگانِ دین باوجود کمالاتِ علمیہ و عملیہ کے اپنے کو کچھ نہیں سمجھتے

بزرگانِ دین باوجود کمالاتِ علمیہ اور کمالاتِ عملیہ کے اپنے کو کہتے ہیں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں میرے اندر کوئی کمال نہیں ہے اور اپنی اس بات پر وہ قسم بھی کھا لیتے ہیں سو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان کے سامنے قیامت کا ہولناک دن ہے۔ حق تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کے دن سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کا استحضار اور غلبہ اُن کے تمام اوصاف علمیہ اور عملیہ کو ان کی نگاہ سے اوجھل رکھتا ہے نیز اپنے اعمال میں اخلاص اور ادب کا جو درجہ وہ

حق تعالیٰ کی شایانِ شان ضروری سمجھتے ہیں اس کے اندر جب نقصان اور کوتاہی دیکھتے ہیں تو غمگین اور نادم ہو کر اپنی حسنات سے بھی استغفار کرنے لگتے ہیں کہ کہیں یہ مواخذہ نہ ہو جائے کہ اوبے ادب کیا اسی طرح میری بندگی کی جاتی ہے کہ ظاہر میرے سامنے ہے اور باطن کبھی حاضر کبھی غیر حاضر۔

ایک واقعہ اس پر ایک واقعہ یاد پڑا۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت امام احمد بن حنبلؒ بہت ادب اور احترام فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار امام صاحب کے شاگردوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ بشر حافیؒ کا کیوں اتنا ادب کرتے ہیں جبکہ وہ علم و فضل میں آپ سے حد درجہ کمتر ہیں امام احمدؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں کتاب کا عالم ہوں اور بشر حافی اللہ کے عالم ہیں وہ اللہ کو جاننے والے ہیں۔ ایک دفعہ بعض طالب علموں نے کچھ مسائل دریافت کئے اور مقصد امتحان تھا۔ ایک سوال سجدہ سہو کے متعلق تھا حضرت بشر حافیؒ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سامنے بندہ کھڑا ہو اور سہو ہو جائے یہ امر قابلِ تعجب ہے۔ پھر زکوٰۃ کا مسئلہ دریافت کیا تو فرمایا کہ ہم اتنا رکھتے ہی نہیں جس پر زکوٰۃ فرض ہو۔ حافی کا خطاب حضرت بشرؒ کو اس لئے ملا تھا کہ آپ نے جب یہ آیت سُنی والارض فرشنٰھا فنعم الماھدون۔ اور زمین کو ہم نے بچھونا بنایا ہے اور ہم بہت اچھے بچھانے والے ہیں تو حضرت بشرؒ پر ایک حال طاری ہو گیا اور فرمایا کہ بشر کی کیا مجال جو اللہ کے بچھائے ہوئے فرش پر جوتہ پہن کر چلے۔ یہ ایک حال تھا جس کی تقلید دوسروں کے لئے ضروری نہیں پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت بشر حافیؒ کی یہ قدر فرمائی کہ زمین کو حکم دیا کہ جدھر سے ننگے پیر ہمارے بشر نکلیں اے زمین تو نجاستوں کو نگل جایا کر۔ حافی کے معنی ننگے پیر چلنے والے کے ہیں۔ یہ راستہ سمجھ والوں کیلئے بہت نازک ہے۔ ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان شریف

میں ایک بار فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں جھوٹ بولنے کی میری عادت نہیں میں اپنے کو تمام مخلوق حتی کہ سور اور کتے سے بدتر سمجھتا ہوں اللہ اکبر جن کے سبب ہی سوا ان کو سوا مشکل ہے

ازیں بر ملائک شرف داشتند که خود را به از سگ نه پنداشتند

اولیاء اللہ فرشتوں سے اسی سبب سے سبقت لیجاتے ہیں کہ خود کو سگ سے بھی بہتر نہیں جانتے ہیں۔

اصل اعتبار خاتمہ کا ہے بات یہ ہے کہ اعتبار خاتمہ کا ہے اللہ والوں کی نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ جانوروں کا حساب کتاب نہیں ہے ان کے واسطے جنت جہنم نہیں ہے۔ اور ہمارا حساب کتاب ہوگا۔ اس لئے حساب کتاب سے پہلے ہم کس منہ سے اپنے کو جانوروں سے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ یہ حالت جس پر گذرتی ہے وہی جانتا ہے۔

بے خبر بودند از حال دروں استعیذ اللہ مما یفترون

تو ندیدی گہے سلیمان را چہ شناسی زبان مرغاں را

حضور صلعم نے تکمیل عبدیت کے لئے عجیب دعا تعلیم فرمائی ہے۔ عرض کرتے ہیں۔ اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا۔ اے اللہ مجھکو میری نگاہوں میں چھوٹا کر کے دکھا دیجئے اور لوگوں کی نگاہوں میں مجھے بڑا کر کے دکھا دیجئے۔ اس دعا سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے اندر ذلیل ہونا مطلوب نہیں ہے بلکہ اس کا عکس مطلوب ہے۔ پس اس دعا میں بندوں کی دو حیثیت کا لحاظ کیا گیا ہے ایک تو اس کا تعلق بندگی کا ہے پس من حیث العبد ہونے کے اپنی نگاہ میں چھوٹا ہونا مطلوب ہے، ورنہ تکبر یا عجب سے ہلاک ہو جاویگا۔ اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ہے اس انتساب اور تعلق کا لحاظ چاہتا ہے کہ یہ مخلوق میں ذلیل نہ ہو بلکہ محترم ہو نبوت کے یہ علوم بھی

عجیب جامع ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی بارگاہ بے نہایت پر جس کی نگاہ ہوتی ہے وہ خواہ کتنے ہی مراتب قرب طے کر چکا ہو لیکن اس کے سامنے غیر محدود مراتب ہوتے ہیں پس آگے آنے والے مراتب قرب کے سامنے پچھلے مراتب قرب کی طرف ان کی نگاہ نہیں جاتی ہے اور جاتی بھی ہے تو بجائے عجب کے اور ندامت طاری ہوتی ہے کہ اے اللہ اب تک ہم کیوں نقصان میں رہے۔ عشق است ہزار بدگمانی. عشق دنیاوی میں تو معشوق پر ہزار بدگمانی ہوتی ہے اور عشق حق میں عاشق اپنے نفس پر ہزار بدگمانی کرتا ہے کہ معلوم کس بات پر پکڑ ہو جاوے نہ معلوم میرا فلاں عمل میاں کو بھی پسند آیا یا نہیں بس ہر وقت حق تعالیٰ کی خوشی اور ناخوشی پر اُن کی نگاہ ہوتی ہے۔ ہم لوگ جس نگاہ سے بزرگوں کو دیکھتے ہیں اس نگاہ سے وہ لوگ اپنے اوپر نظر نہیں کرتے ہیں ان کی نگاہ اپنے اوپر کمال عبدیت پڑتی ہے اپنے کو ہر وقت ناقص دیکھتے ہیں بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا راستہ کبھی قطع نہیں ہوتا ہے۔ نہ گردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا۔ مولانا فرماتے ہیں

اے برادر بے نہایت درگہیست　　　آنچہ بروے میرسی بروے مایست

بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تمام صفات غیر محدود ہیں اس لئے اللہ کا راستہ قطع نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ قطع ہو جانا محدود ہونے کو مستلزم ہے۔ راستہ قطع ہونے سے مراد راہ عبدیت کے اعتبار سے ہے۔ نہ گردد قطع ہرگز جادہ عشق از دویدنہا۔

حق تعالیٰ اپنے قرب کا جتنا حصہ جس کو عطا فرمانا چاہتے ہیں اسی اعتبار سے اس کی انتہا ہوتی ہے۔ ہر سالک کو موت آنے سے پہلے تک اعمال حسنہ سے قرب حاصل ہوتا رہتا ہے جس وقت نزع کا عالم طاری ہو جاتا ہے اس وقت اب اس کی ترقی رُک جاتی ہے پس قرب کے جس مقام پر کہ سکرات کا عالم طاری ہوا ہے وہی مقام اس بندہ سالک کا انتہائی مقام ہوتا ہے۔ اسی طرح ربنا اتمم لنا نورنا (اے ہمارے رب ہمارے نور کو تام فرما دیجیے) تو اس تمامیت نور میں بھی بہت مراتب ہیں، انبیاء علیہم السلام کی تمامیت

نور کا اور معیار ہے۔ صدیقین اور شہداء و صالحین کی تمامیت نور کا اور درجہ ہوگا۔ دین کی سمجھ بھی بڑی نعمت ہے یہ ایسی نعمت ہے جو عارف کی دو رکعت نماز کو باسمجھ عابد کی ہزار رکعت سے بھی افضل کر دیتی ہے۔

اب مضمون کو اس اجمال پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے لئے تین باتیں ضروری ہیں۔ اول صحبت اہل اللہ ثانی کثرت ذکر اللہ ثالث تفکر فی خلق اللہ۔ اور ان تینوں حالتوں میں سب سے اہم اور بنیادی چیز اللہ والوں کی صحبت ہے بدون صحبت کے عمر بھر کا مجاہدہ و ریاضت شیطان منٹوں میں اکارت کر دیتا ہے۔ اور صحبت یافتہ نفس اور شیطان کے داؤ پیچ سے واقف ہوتا رہتا ہے۔ شیخ کو اپنی حالت سے اطلاع اور اس کی تجویز کی اتباع ایک دن طالب کو مقصود تک پہنچا دیتی ہے۔ اگر کچھ دیر ہو تو گھبراوے نہیں

سالہا باید کہ تا از آفتاب لعل یابد رنگ رخشانی و تاب
کیمیا ایست عجیب بندگی پیر مغاں خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند

حضرات صحابہؓ کیسے بنے تھے محض تعلیم کتاب سے نہ بنے تھے تعلیم کتاب کا درجہ تو بعد کا درجہ ہے تعلیم کتاب کی نافعیت کا مدار تزکیہ پر ہے عطر گندی شیشی میں کیا اثر کر سکتا ہے بلکہ شیشی کی گندگی سے عطر کی خوشبو بھی ضائع ہو جاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ کو کتاب کی تعلیم دینے سے پہلے ان کے سینوں کو رذائل سے پاک فرمایا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت اگر حاصل کرنا ہے تو کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کریں ہمارے حضرت مرشد پاکؒ ایسے موقع پر اکبر الہ آبادی کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(اکبر الہ آبادی)

اب دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ ہم سب کو اپنی معرفت اور محبت عطا فرمائیں اور اس کتاب معرفت الٰہیہ کو قبول فرمائیں اور اپنے بندوں کے لئے اس کتاب کو نافع فرمائیں اور ہماری غلطیوں کو معاف فرمائیں۔ اور ہماری روح کی غذا اپنی محبت و معرفت فرمادیں۔

جامہ پوشاں را نظر بر گازر است | رُوح عریاں را تجلّی زیور است
شد صفیر باز جاں در مرج دین | نعرہائے لا احب الآفلین

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

تمت

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری دامت فیوضہم کی دیگر تصانیف

صراط مستقیم

یہ کتاب ۱۳۸۶ھ ہجری کراچی میں طبع ہوئی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت پر ایک عجیب الہامی مضمون ہے اس کتاب کے اندر حضرت والا دامت برکاتہم نے عجیب والہانہ اور حکیمانہ انداز میں یہ بتایا ہے کہ ہماری روحوں کو دنیا میں حق تعالےٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ ہم یہاں ایمان بالغیب اور تقویٰ اختیار کر کے حق تعالےٰ کے مقرب و محبوب اور دوست ہو جاویں عالم ارواح میں ہم صرف بندے رہتے وہاں ہماری ——— عبدیت پر ولایت کا تاج نہ رکھا جاتا کیونکہ شرط ولایت ایمان بالغیب اور تقویٰ ہے جس کا محل یہی عالم ناسوت ہے اور صراط مستقیم اس کے لئے عملی راہ ہے جس کا حصول کسی منعم علیہ بندے کی صحبت اور اس کی اتباع پر موقوف ہے۔ طالبان معرفت و محبت کے لئے عجیب کتاب ہے۔ قیمت ——— دس آنے (۱۰/)

معیّتِ الٰہیّہ

یعنی خدائی ساتھ! از افادات عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری دامت فیوضہم۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کے لئے معیت خاصہ کی خوشخبری دی ہے۔ اس کتاب میں قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ۔

(۱) معیتِ حق جل وعلا کے کتنے انواع واقسام ہیں۔ (۲) کون سی معیت انسان کے لئے مقصود ومطلوب ہے (۳) طریقۂ حصول معیت الٰہیہ کیا ہے۔ (۴) ظلمت زدہ قلوب معیت الٰہیہ کے انوار سے کس طرح منور ہو سکتے ہیں۔ (۵) حدود الٰہیّہ کی حفاظت کیلئے معیت الٰہیہ کی کس درجہ ضرورت ہے (۶) معیت الٰہیّہ کی بدولت انسان نفس وشیطان کی تابعداری سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے۔ (۷) تزکیہ نفس یعنی اصلاح اعمال اور اصلاح اخلاق کے سلسلہ میں عجیب وغریب حقائق ومعارف جو نری علمی تحقیق ہی نہیں بلکہ ایک عارف باللہ کے دل سے نکلے ہوئے کلمات ہیں جو انشاء اللہ دلوں کے زنگ کو دور کرینگے۔

کتابت وطباعت دیدہ زیب قیمت ایک روپیہ (عہ)

ناشر

ناظم خانقاہ اشرفیہ ۱۲؍۷ سب بلاک جی۔ ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸ (پاکستان)

مندرجہ ذیل پتوں پر بھی مل سکتی ہیں

۱۔ کتب خانہ دارالاشاعت۔ مقابل مولوی مسافرخانہ بندر روڈ کراچی ۱
۲۔ مکتبہ تھانوی ماہنامہ الابقار مولوی مسافرخانہ بندر روڈ کراچی ۱
۳۔ ادارہ اسلامیات انارکلی نمبر ۱۹۰ لاہور
۴۔ کتب خانہ امدادیہ چوک بازار ڈھاکہ
۵۔ مولوی عبدالسلام صاحب مدیر ماہنامہ "نعمت" ڈھاکہ (مشرقی پاکستان)
۶۔ مولوی مفتی عبداللہ صاحب کتب خانہ صدیقیہ ملتان۔